

تاریخ دعوت و عزیمت

حضورِ پیام

تذکرہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کی منفرد و نایاب حیات
ان کا عہد اور ماحول ان کے عظیم تجدیدی اور انقلابی کارنامے کی اہم
نوعیت کا بیان ان کا دور ان کے سلسلہ کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی
صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی تربیتی خدمات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۲۔ ناظم آباد منشن ناظم آباد کراچی ۲۰

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم

تذکرہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی مفصل سوانح حیات،
ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی اور انقلابی کارنامے کی اصل
نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی
صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی تربیتی خدمات۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد منیش۔ ناظم آباد کراچی ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس دارالمنصفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ

نام کتاب _____ "بایع دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)"

تصنیف _____ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

طباعت _____ احمد برادرزہ پرنٹنگ پریس - کراچی

ضخامت _____ ۳۶۶ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۶

اسٹاکٹ : مکتبہ ندوۃ قائم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ ربیعہ ندوۃ

مجلس نشریات اسلام اے۔ کے۔ ۲ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۷۶۰۰۰۰

تالیخ دعو و عیبت

(حصہ چہارم)

اردو _____ لکھنؤ، کراچی
 انگریزی _____ لکھنؤ
 عربی _____ کویت و بیروت



ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
 عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ
 مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ
 يُأْذِنُ اللَّهُ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٦﴾

(سورة فاطر - ٣٦)

فہرستِ سائنس

تاریخِ دعوتِ عزیمت (حصہ چہارم)

۷۰	اکبر کی مذہبی اور دینی رائے زندگی	۱۱	عرضِ مدعا
۷۶	اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہدِ اکبری کا دوڑ ثانی	۲۳	بابِ اول
۷۸	مذہب کا تقابل تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر	۶۹	عالمِ اسلام دسویں صدی میں
	اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علماء دربار و ارکان	۲۳	دسویں صدی ہجری کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت
۸۵	سلطنت کی ذمہ داری	۲۴	سیاسی حالت
۸۷	علماء دربار	۳۰	مذہبی و روحانی حالت
۹۱	ارکانِ سلطنت و مشیران دربار	۳۹	علمی حالت
۹۲	لامبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل	۴۴	ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال
۱۰۱	راجپوت رانیوں کا اثر	۵۲	مہدویت
۱۰۲	محضر اجتہاد و امامت	۵۷	بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب
۱۰۳	محضر پر ایک نظر		دسویں صدی کا فتنہ کبریٰ
۱۰۴	مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال	۶۱	الف ثانی سے ایک نئے نظامِ عالم کے آغاز کا مطالعہ
۱۰۵	الف ثانی کی تیاری اور دین الہی کا اجرا	۶۱	الف ثانی کا مطالعہ
۱۰۸	اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطہ عروج		بابِ دوم
۱۰۸	آتش پستی	۷۰	اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

۱۲۲	اسمائے نبوی سے وحشت و گرائی	۱۰۹	آفتاب پرستی
۱۲۲	نماز کی عدم اجازت	۱۱۰	لنگا جل
۱۲۵	ارکان اسلام کی توہین و استہزاء	۱۱۱	تصویر کشی
	ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور	۱۱۲	اوقات عبادت
۱۲۵	خطرناک موڑ	۱۱۲	سجدہ تعظمی
	باب سوم	۱۱۲	بیعت و ارشاد
۱۲۴ ۱۵۱	حضرت مجدد الف ثانی <small>رح</small>	۱۱۳	آداب ملاقات
	حالات زندگی از ولادت تا خلافت	۱۱۳	تاریخ ہجری سے تفر
۱۲۴	خاندان	۱۱۴	غیر اسلامی تہوار اور عیدیں
۱۳۳	حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد	۱۱۶	فرمان در منع زکوٰۃ
۱۳۸	ولادت و حالات	۱۱۹	ہندو موحد ہیں
۱۳۸	ولادت و تعلیم	۱۱۹	گوشت خوری
	سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت خواجہ	۱۲۰	خنزیر
۱۴۱	باقی بالشر سے بیعت و استفادہ	۱۲۰	شراب نوشی
	حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی	۱۴۱	رسم ہندوانہ
۱۴۳	(خواجہ باقی بالشر)	۱۴۱	سین الہی کا اجرا
۱۴۸	بیعت و تکمیل	۱۴۲	دین اسلامی کی تحقیر
	حضرت مجدد کے علوم و مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ	۱۴۳	اسراء و معراج کا استہزاء
۱۵۰	کی زبان سے	۱۴۳	مقام نبوت کی اہانت

باب چہارم

اہم واقعات و حالات ارشاد و تربیت
کی سرگرمی و وفات

باب پنجم

حضرت مجدد کے دائرۂ تجدید کا مرکزی نقطہ
نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید

۱۵۲	سرہند کا قیام	۱۸۵	حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟
۱۵۳	لاہور کا سفر	۱۸۶	نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر
۱۵۴	تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع	۱۸۹	اعتماد کی بحالی
۱۵۵	انتظامات اور رجوع عام	۱۹۲	عقل و کشف کا غیبی اور باطنی حقائق کے اور کئی جزئیات کا جواب
۱۵۶	سلطان وقت جہانگیر کا رویہ	۱۹۳	بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف
۱۶۰	گواہیاری کی اسیری کے اسباب	۱۹۵	کوششیں اور ان کا جائزہ
۱۶۲	قلعہ گواہیاری کی نظربندی	۱۹۵	عقل و کشف اور کشف خالص کی ترقی کا انقلابی کارنامہ
۱۶۳	زندان گواہیاری میں سنت یوسفی	۲۰۱	عقل کا عجیب عالم کے اثبات اور اس کے کمالات
۱۶۵	دوران اسیری کی نعمتیں اور لذتیں	۲۰۲	کی معرفت میں
۱۶۶	شکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے	۲۰۳	معرفت الہی میں عقلاء و یونان کی بے عقلیاں
۱۶۷	دینی اثرات و برکات	۲۰۸	عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے
۱۶۹	جہانگیر پراثر	۲۰۹	نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے
۱۷۰	قرب سفر اور اس کے انتظامات	۲۱۰	عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ
۱۷۱	عادات و معمولات	۲۱۳	حقائق الہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو
۱۸۱	علیہ مبارک	۲۱۶	اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں
۱۸۲	اولاد و امجاد	۲۱۸	اہل اشراق و صفائی نفس
		۲۱۹	شیخ الاشراق شہاب الدین بہروردی مقتول
		۲۲۰	عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں
			کشف میں آمیزش
			فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد

۲۲۴	نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق	۲۲۴	بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں
۲۳۴	۲۳۴ کے ساتھ	۲۲۴	انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا
۲۳۴	انبیاء کی ابتدا انبیاء کی انتہا ہے کے بقول کی تردید		بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا
۲۳۵	۲۳۵ صرف قلب سے بحث کی ہے	۲۲۵	واحد ذریعہ ہے
	نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل	۲۲۶	اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے
۲۳۵	۲۳۵ ہوتا ہے	۲۲۷	صحیح ترتیب
	کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابل میں کوئی		انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب
۲۳۶	۲۳۶ حیثیت نہیں رکھتے	۲۲۷	استدلال میں سے ہے
۲۳۶	۲۳۶ علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ		انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق
۲۳۷	۲۳۷ انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے	۲۲۸	نبوت کا انکار ہے
	ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب اور علماء و عام	۲۲۹	مخالفت عقل اور ماوراء عقل میں بڑا فرق ہے
۲۳۸	۲۳۸ مومنین کا حصہ ہے		خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور
	انبیاء کی بازگشت کامل نہایت نہایت تک پہنچ	۲۲۹	انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے
۲۳۹	۲۳۹ جانے کی علامت ہے		جس طرح عقل کا مرتبہ جو اس سے ماوراء ہے
	شریعت کی حمایت و نصرت اصلاح عقائد	۲۳۰	اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے
۲۳۹	۲۳۹ اور رد شرک و رسوم جاہلیت		مقام نبوت
۲۵۲	۲۵۲ سنت کی ترویج اور بدعت حسنہ کی تردید	۲۳۳	انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین ولت ان کے سرگئی ہے
	باب ششم		ان شراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے
۲۶۱	۲۶۱ وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود؟	۲۳۳	سے مانع نہیں ہوتی۔

باب ہفتم اکبر سے جہانگیر تک

۲۹۱

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے ۳۵۴

آپ کی خاموش جدوجہد

۲۶۱

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور وحدۃ الوجود
کی تفصیل و تہذیب

۲۶۵

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور عقیدۃ وحدۃ الوجود
کی مخالفت و تنقید

۲۹۱

و مشائخ

۲۶۷

عقیدۃ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے
اثرات و نتائج

۲۹۵

سلطنت کے کام کا آغاز

۲۷۰

عقیدۃ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

۲۹۷

صحیح طریقہ کار

۲۷۲

شیخ علماء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت
وحدۃ الشہود

۳۰۲

ہرچہ از دل برخیزد بر دل ریزد

۲۷۴

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

۳۰۳

امراءے سلطنت کے نام تحریر و دعوتی خطوط

۲۷۵

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ

۳۱۳

گزشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے

۲۷۶

ذاتی تجربہ و مشاہدہ

۳۱۵

عقیدہ تہذیب و سلطنت اور ان سے خط و کتابت

۲۸۰

توحید شہودی

۳۱۶

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر و فیض

۲۸۲

شیخ اکبر کے بارے میں منصفانہ و معتدل مسلک

۳۱۷

جہانگیر کا تاثر

۲۸۳

توحید و جود کی مخالفت کی ضرورت

۳۱۹

شاہجہاں کا دور

۲۸۷

مجدد صاحب کی انفرادیت و انبیانہ

۳۲۲

شاہزادہ داراشکوہ

۲۸۷

مجدد صاحب کے بعد توحید و جود کے بارے میں

۳۲۳

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حیثیت و حمایت

۲۸۸

مشائخ و علماء کا "معاہدہ" رویہ

۳۳۵

حضرت مجدد کی مخالفت و تہذیب کی تحریک و اس کے نمایاں افراد

۲۸۹

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر

باب ہشتم

۳۶۸

مولانا خالد روی

۳۷۲

حضرت شاہ احمد سعید اوران کے خلفاء

۳۷۴

حضرت شاہ عید الغنی

۳۷۷

سلسلہ احسینہ اوراس کے شیوخ کبار

۳۷۸

حضرت سید شاہ علم اللہ اوران کا خاندان

۳۸۰

شیخ سلطان بلیاوی

۳۸۰

حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی اور سلسلہ ولی اللہیہ

۳۸۲

حضرت سید احمد شہید اوران کی جماعت

۳۸۵

حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل

۳۸۹

اشاریہ (انڈکس) ترتیب از محمد غیاث الدین ندوی

۳۵۵

۳۸۸

حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اوران کے
منتسبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی ترویج و تکمیل

۳۵۵

شاہیر خلفاء

۳۵۷

حضرت خواجہ محمد معصوم

۳۵۸

حضرت سید آدم بنوری

۳۶۰

سلسلہ مجددیہ معصومیہ اوراس کے مشائخ کبار

۳۶۰

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی

۳۶۳

خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی تک

۳۶۶

مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مدعا

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم
النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان ودعابن عوتهم

إلى يوم الدين

غالباً ۳۵-۳۶ء کی بات ہے، میرے مرتی و ولی نعمت برادر معظم مولوی حکیم ڈاکٹر سید
عبد العلی صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے مجھے ہدایت کی کہ میں مکتوبات امام ربانی
مجدد الف ثانیؒ کا مطالعہ کروں، میری عمر اس وقت ۲۳، ۲۲ سال سے زیادہ نہ تھی، اور
تازہ تازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا تھا، معرفت و تحقیقت
کے گہرے مضامین کے مطالعہ سے نا آشنا اور تصوف و سلوک کی اصطلاحات سے یکسر نااہل
تھا، ذہن و مذاق پر ادب (بالخصوص ادب عربی) اور تاریخ کی حکمرانی تھی، مصر و بیروت کے
اعلیٰ مطابع کی خوبصورت چھپی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی عادت تھی، بھائی صاحب
جن کے دامن عاطفت اور آغوش تربیت میں ذہنی و علمی نشوونما ہوا تھا، اس حقیقت
سے خوب واقف تھے، لیکن شاید وہ اقبال کے الفاظ میں کہنا چاہتے تھے کہ
جس گھر کا گھر چراغ ہے تو ہے اس کا مذاق عارفانہ

کم سے کم تین سو برس سے ہمارے خاندان کو روحانی و فکری طور پر حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خانوادہ عالی سے نسبت رہی ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرہ کتب میں جو گھر میں محفوظ تھا، مطبع احمدی دہلی کا چھپا ہوا مکتوبات کا نسخہ تھا، جو تین دفتروں پر مشتمل تھا، بھائی صاحب کے احترام اور تعمیل ارشاد میں اس کا مطالعہ شروع کیا، لیکن کئی بار ہمت نے جواب دے دیا، اور کتاب رکھ دی، خاص طور پر وہ مکاتیب جو اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں، اور جن میں اپنے روحانی تجربات اور وارثا بیان کئے گئے ہیں، سب سے زیادہ ہمت شکن ثابت ہوئے، لیکن بھائی صاحب کی طرف سے برابر ہدایت رہی کہ میں کسی طرح مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء، حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراط مستقیم، اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی منصب امامت پڑھ لوں، آخر کمر ہمت باندھ کر اس "ہفت خواں" کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گیا، غیرت بھی آئی اور جوش بھی آیا کہ ایک شفیق بھائی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا، اور ایک ایسی متبرک کتاب کے مطالعہ سے محروم ہوں جس کو بڑے بڑے علماء و مشائخ نے حرز جاں بنایا ہے، توفیق الہی نے بھی باوری کی جس قدر آگے بڑھتا گیا دل لگتا گیا، اور بقدر استعداد و توفیق کتاب بھی سمجھ میں آتی گئی، پھر تو کتاب خود دامن گیر ہو گئی، اور اس کے پڑھنے میں ایسی حلاوت و لذت محسوس ہونے لگی جو اچھی اچھی ادبی کتابوں میں محسوس نہیں ہوتی تھی، یہ دو بعض حیثیتوں سے میری زندگی کا نازک ترین دور تھا، بعض شدید آزمائشیں اور شدید قسم کی ذہنی کشمکش درپیش تھی، کتاب نے اس مرحلہ پر ایک کامل مرشد کا کام دیا، صاف محسوس ہوتا تھا کہ قلب سکینت سے معمور بلکہ مخمور ہے، غالباً ایسی سکینت کا احساس اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، یہ سفر جو محض سعادت و اطاعت عتبت شروع کیا گیا تھا، اور جس میں تعمیل ارشاد اور غیرت کا جذبہ کام کر رہا تھا، بڑی فرحت و نشاطت ختم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مکتوبات کو دوبارہ اس ارادہ سے پڑھنا شروع کیا کہ اس کے
منتشر و مکرر مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کیا جائے اس کے لئے کتاب کے مضامین کا
ایک انڈکس بنانے کے کام کی ابتدا کی، مثلاً توحید خالص اور رد شرک کا مضمون کہاں کہاں
آیا ہے، مکتوبات کے نمبروں کے حوالے سے ان کے صفحات ایک جگہ نوٹ کر لئے، رسالت و نبوت پر
کس کس جگہ کلام کیا گیا ہے، سنت و بدعت پر کن مکاتیب میں گفتگو ہے، یہ مضمون کتنے مقامات پر
ہے کہ بدعت حسنہ، باوجود نہیں، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود پر کن مکاتیب میں بحث کی گئی
ہے، عقل خالص اور کشف خالص پر تحقیقی بحثیں کہاں کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ مفتوں کی محنت سے
یہ پورا انڈکس تیار ہو گیا، اور وہ مکتوبات کے اسی نسخہ میں رکھ دیا گیا کہ پھر اس کی مدد سے مضامین کو
علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے گا لیکن شاید وہ نسخہ کسی نے پڑھنے کے لئے لیا اور
وہ واپس نہیں آیا نسخہ کے ضائع ہونے سے (جس کا بدل مل سکتا تھا) زیادہ افسوس اس محنت و
عرق ریزی کے ضائع ہونے کا تھا، جو اس انڈکس کی تیاری میں کی گئی تھی "وكان امر الله قدراً
مقدوراً"

اس کے کئی سال کے بعد غالباً ۱۹۵۶-۵۷ء میں یہ خیال آیا کہ مکتوبات کو مضامین و مطالب کے
حفاظ سے مرتب کیا جائے اور اس کو اس نئی ترتیب تعارف و تشریح کے ساتھ پیش کیا جائے کہ
وہ نئی نسل کے جدید ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قابل استفادہ اور شوق انگیز
ہو، اور اس سے حضرت مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامے اور مجتہدانہ مقام پر بھی روشنی پڑے، چنانچہ
اس التزام کے ساتھ یہ کام شروع کیا کہ پہلے ایک تہیدی مضمون جو جس میں آنے والے اقتباسات کا
مرکزی فکر ان علوم و تحقیقات کا جو ہر لب باب آجائے جو ایک ہی عنوان کے تحت ہیں لیکن
سارے مکتوبات میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر ایک معنوی ترتیب کے ساتھ مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جائیں

ایک طرف فارسی متن ہوا، اور دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ، پھر حاشیہ پر حل طلب لفاظ و اصطلاحات کی تشریح اور احادیث کی تخریج ہوا، پھر مستند علمائے امت و محققین اسلام کے تائیدی مضامین اور عباریں، اس کام کا پیمانہ اتنا وسیع تھا، اور اس میں اتنے پہلوؤں کی رعایت تھی کہ اس کام کا مجھ جیسے کم عمر و نوخیز اور مصروف انسان سے جو تدریس، تصنیف، تبلیغ، تینوں کو چوں میں قدم رکھنا تھا، سراسر انجام پانا بہت مشکل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ توحید رسالت و نبوت کی منزل تک یہ کام پہنچا تھا کہ دوسرے مشاغل نے اس کی مہلت نہ دی، لیکن جتنا کام ہو گیا تھا، وہ بھی بہت بیش قیمت اور مفید تھا، اس مضمون کی چار قسطیں رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی صانے اپنے رسالہ الفرقان میں ۶۶-۶۷ (۱۳۸۸-۱۳۸۹ء) میں شائع کیں۔

اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے کئی سال کے بعد جب ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کا سلسلہ شروع ہوا تو بجائے مکتوبات کی نئی ترتیب اور نئی خدمت کے حضرت مجذوب کی مستقل سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور اس کی تیسری جلد جو آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے دو جلیل القدر روحانی پیشوا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین بھی میری ”کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل تھی، مرتب و شائع ہو گئی تو ضروری ہو گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی سیرت کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے کتاب کی چوتھی جلد کو زینت بخشی جائے کہ اس عہد انقلاب اور اس پر فتن دور میں بعض جہشیتوں سے اس کے سامنے آنے کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت مجدد کے اس اس طریقہ کار و حکمت عملی کو واضح و روشن کرنے کی اس زمانہ میں (جس میں آسانی کے ساتھ اور پہلے ہی مرحلہ پر حکومتوں اور طاقتوں کو اپنا دم مقابل اور حریف بنایا جاتا ہے اور کام کے راستہ میں بے ضرورت مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر لیا جاتا ہے) جتنی ضرورت

ہے، شاید کسی زمانہ میں نہ تھی، آخر وہ کیا طریقہ تھا کہ ایک فقیر نے نوانے ایک گوشہ میں بیٹھ کر
سلطنت و ملک کا رخ بدل دیا؟ اس حقیقت کی طرف توجہ سب سے پہلے اپنے برادرِ عظم کی
گفتگو اور مجلسوں سے ہوئی پھر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا وہ فاضلانہ و دولہ انگیز
مضمون پڑھ کر جو انھوں نے "الفرقان" کے مجدد نمبر کے لئے سپرد قلم کیا تھا، اس کا یقین
واذعان پیدا ہوا، خود میں نے اپنے متعدد عربی مضامین اور خطبات میں اس حقیقت کو
متعدد بار واضح کیا اور اس حقیقت پر اطمینان و انشراح قلبی برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
لیکن جب مکمل و مستقل سیرت کا خیال آتا تو دو باتیں اس راہ میں حائل ہو جاتیں
پہلی یہ کہ مجدد صاحب کی کوئی سیرت فلسفہ و مدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود کی تفہیم و
تشریح اور ان کے محاکمہ علمی دلائل اور تاقذرانہ بحث و نظر کے ساتھ آخر الذکر کی ترجیح اور
اس کے اثبات کے بغیر ممکن نہیں، لیکن جب اس کا خیال آتا تو ہمت ٹوٹ جاتی، اولاً اس لئے
کہ اس پر اتنا عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، جس کی تلخیص و انتخاب بھی مشکل ہے، دوسرے
ان دقیق فلسفیانہ مباحث، مقدمات اور ان نازک اصطلاحات کے سمجھے اور سمجھائے بغیر
اس پر قلم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا، پھر آخر میں یہ مسئلہ عملی اور ذوقی ہے اور ذاتی تجربات و
احساسات پر مبنی ہے اور مصنف اس کو چہ سے مکسر نابلدہ کتاب کے پڑھنے والوں کی بڑی تعداد
بھی نہ صرف اس سے نا آشنا بلکہ متوحش ہے، اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس ہفت خوان
کو کس طرح سر کیا جائے اور اگر کتاب اس بحث سے (جو بعض حضرات کے نزدیک مجذبات

۱۱۱ مثلاً راقم سطور کا وہ مضمون جو اس نے جمعیت الشبان المسلمین قاہرہ کے ایک استقبالیہ جلسہ میں علماء مصر اور اساتذہ
جامع ازہر کے سامنے پڑھا تھا، اور الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند و تطور انہا کے عنوان سے علیحدہ شائع ہوا

۱۱۲ ہے، یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی وہ تقریر جو مہج افضل فی الاصلاح للدعاة والعلماء کے نام سے شائع ہوئی۔

کی تجدید کا اصل میدان اور ان کی تجدیدی عظمت کا راز ہے) خالی ہو تو وہ کس طرح ان کی مکمل سوانح اور تذکرہ کہی جاسکتی ہے؟ دوسرا خیال جو قلم کا غناں گیر اور مصنف کا دامن کش ہوتا تھا، وہ یہ کہ اس موضوع پر اتنا کام ہو چکا ہے اور اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ مصنف کے لئے ان میں اضافہ کرنا اور نئی تصنیف کا جواز پیدا کرنا مشکل ہے۔

جہاں تک پہلے خیال کا تعلق ہے بڑے غور و فکر کے بعد ذہن نے اس کا حل سوچ لیا، وہ یہ کہ ملائیکہ کلام لا یتحدث کلام کے اصول پر اس مسئلہ کو قارئین کے سامنے شیخ اکبر کے دیستان فکر کے بعض مستند فضلا اور معتبر شراح و ترجمان حضرات کی تشریحات اور خود مکتوبات کی مدد سے اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان کو اس نظریہ کا اجمالی طور پر علم و تصور ہو جائے، پھر جن کو شوق و ہمت ہو وہ اصل مآخذ کی طرف رجوع کریں یا اس موضوع کے اختصاصی عالموں اور اس دریا کے شاہدوں سے مدد لیں، جو اس مسئلہ پر علمی طور پر حاوی اور عملی طور پر ذوق آشنا ہیں "ذلیل ماہم۔"

جہاں تک دوسری رکاوٹ کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے ایک شعر نے رہبری کی اور مصنف کے محدود تصنیفی تجربہ نے بھی اس کی تائید کی اور اس کے لئے شہادتیں مہیا کیں، ترجمان حقیقت نے فرمایا ہے۔

گماں میر کہ بیا یاں رسید کارمغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تالاست

حضرت مجدد اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اب بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، اور بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

پھر زبان و اسلوب، سوالات و حالات، معیار و اقدار اور طریقہ تفہیم و تعبیر کی تبدیلی

سے بعض مرتبہ کچھ عرصہ پہلے لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ گویا دوسری زبان میں تھیں، اب ان کے ترجمہ کی ضرورت ہے، پھر مقدمات و واقعات سے نتائج نکالنے اور اسباب و نتائج کے درمیان ربط پیدا کرنے اور اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق کرنے کا طریقہ بھی مصنف کا جدا ہوتا ہے، مصنف کے دل نے گواہی دی کہ اگر یہ کام خلوص و محنت سے انجام دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، بلکہ کیا محجب ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر پندرہویں صدی کے لئے (جو اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد شروع ہونے والی ہے) وہ ایک قابل قدر تحفہ، ایک حیات آفریں پیغام، اور اللہ کے ایک مخلص و مقبول بندے کے ایک ایسے کام کی روداد بن جائے جو نہایت خاموشی، تواضع اور عجز و مسکنت کے ساتھ انجام دیا گیا، لیکن اس کے اثرات ایک صدی سے متجاوز ہو کر ہزارہ دوم (الف ثانی) پر محیط ہو رہے ہیں، اور ہماری اس صدی کے لئے بھی جس کے زمین و آسمان بظاہر بدل گئے ہیں، اپنے اندر عبرت و موعظت کا وافر سامان رکھتا ہے۔

”ناچیز راقم سطور کا قلم اور قلب دونوں آستان خداوندی پر سر بسجود اور ترانہ و حمد و شکر سے رطب اللسان ہیں کہ ۸ سال کے طویل وقفہ کے بعد مصنف کو ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کا سلسلہ پھر شروع کرنے اور اس کا چوتھا حصہ لکھنے کی سعادت و توفیق حاصل ہو رہی ہے، یہ وقفہ اتنا طویل ہوا کہ خود مصنف کو اس کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں موت کا پیام آجائے، اور یہ اہم سلسلہ جس کو مصنف کی تصنیفات میں اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیت سے نوازا، تاہم نہ رہ جائے، اس چوتھے حصہ کا تعلق چونکہ اس ذات گرامی سے ہے جس کی تجدید دین نے ایک طرف وہ شہرت و قبولیت حاصل کی جو تاریخ دعوت و اصلاح میں کسی اعلیٰ مصلح

کے حصہ میں نہیں آئی، یہاں تک کہ یہ لقب اس کے نام کا قائم مقام ہو گیا، اور بہت سے تعلیم یافتہ اصحاب بھی نام سے زیادہ اس لقب سے واقف ہیں، دوسری طرف اس کی تجدیدی مساعی نے وہ کامیابی حاصل کی اور اس کے ایسے ظاہر و باہر نتائج نکلے جن کی مثال اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت اور تجدید و احیاء دین میں لمنی مشکل ہے، اس لئے خود طبیعت پر بھی تقاضا تھا، اور تاریخ دعوت و عزیمت کا مطالعہ کرنے والوں اور قدر دانوں کا سالہا سال سے اصرار تھا کہ اس حصہ کو جلد سے جلد مرتب ہو جانا چاہئے، بلکہ بہت سے مخلص صاحب نظر اور صاحب ذوق احباب اور بزرگوں کا مطالبہ اور حکم تھا کہ میں تمام تصنیفی مشاغل اور دوسرے موضوعات پر اس کام کو ترجیح دوں، اور کچھ دنوں کے لئے اپنے کو اس کے لئے فارغ کروں، لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا، جتنا سمجھا جا رہا تھا، عصر حاضر کے تقاضوں، جدید ذہنوں، اور بحث و تحقیق کے جدید معیاروں اور پیالوں کے مطابق اتنا کافی نہ تھا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے، اور قدیم تاریخوں اور تذکروں میں جو مواد موجود ہے، اس کو معمولی انتخاب اور تلخیص کے ساتھ پیش کر دیا جائے، مجدد صاحب نے جس عہد اور ماحول میں یہ تجدیدی کام انجام دیا، اس کا علمی اور تاریخی، فکری و سیاسی، اخلاقی و اجتماعی اور اعتقادی و کلامی طریقہ پر پور خانہ و ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اس وقت کیا تحریریں کام کر رہی تھیں، ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ملکوں میں کیا ذہنی و دینی بے چینی پائی جاتی تھی، اسلام اور شریعت اسلامی کے خلاف علمی اور عقلی حلقوں میں کس بغاوت کے آثار تھے، اور کن سازشوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اسلام کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار سال کی تکمیل کے قرب نے حوصلہ مندوں اور طالع آزمائوں کے دلوں میں کیسی کیسی امیدوں اور امنگوں کے چراغ روشن کر دیئے تھے، اور تشکک اور متروک طبیعتوں میں کیسے کیسے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے،

ایک طرف فلسفہ اور علوم عقلیہ، دوسری طرف اشراق و باطنیت نے نبوت و رسالت کی عظمت و مقام کے گھٹانے اور عقل و تفلسف یا ریاضت و مجاہدہ اور نفس کشی کو معرفت الہی، اور وصول الی اللہ اور نجات و ترقی درجات کے لئے کافی سمجھنے کا کیسا فتنہ برپا کر دیا تھا، و قد اوجوہ کے غالی عقیدہ نے کیسی آزادی اور بے قیدی بلکہ اتحاد و زندیقہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

سنت و شریعت کی اہمیت علماء و اسخین کی ایک قلیل تعداد اور شرح حدیث تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اور بدعات نے اکثر کھلے طریقہ پر اور بعض مرتبہ ”بدعت حسنہ“ کے نام اور نقاب کے پورے معاشرہ اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا، اور کوئی اس ”بدعت حسنہ“ کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالم اسلام کی دوسری سب سے عظیم سلطنت اور اس میں بسنے والے وسیع مسلم معاشرہ کا رخ چند ذاتی رجحانات، شخصی اغراض، خارجی اثرات اور موہوم سیاسی مصالح کی بنا پر دین حجازی سے وابستگی، نبوت محمدی کی پیروی اور اسلامی تہذیب کی نمایندگی سے بدل کر ہندی فلسفہ

۱۔ داوین کے درمیان کی عبارت سے مصنف نے ۲۲ مارچ ۱۹۷۸ء کو عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی تحریک تخلص سے (جو پیام انسانیت کے اس دورہ مشرقی پنجاب میں شریک تھے) حضرت مجدد الف ثانی کے مزار سے متصل خانقاہ کی مسجد میں بیٹھ کر اس تصنیف کا آغاز کیا، مصنف بول رہا تھا، اور اس کے رفیق سفر و معاون عزیز مولوی اسحاق جلیس ندوی مرحوم مدیر "تعمیر حیات" لکھ رہے تھے، نیز اس عبارت کو اس مقدمہ میں شامل و تحلیل کر دیا گیا ہے، اصل کتاب کے شروع کرنے میں پھر بھی تقریباً ڈیڑھ سال کا وقفہ ہوا، کتاب ۹ زلی الحجہ ۱۳۹۹ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء) کو عملاً شروع ہوئی، دو بیرونی سفروں کی وجہ سے اس میں طویل طویل وقفے آتے رہے، کل یہ تصنیف ۲-۳ مہینے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

۲۔ سلطنت عثمانیہ کے بعد اپنے رقبہ فوجی طاقت و وسائل و ذخائر کے لحاظ سے ہندوستان عالم اسلام کے نقشہ پر سب سے بڑی مسلم سلطنت تھی جس کے حدود مشرقی بنگال سے افغانستان کے مغربی حدود تک وسیع تھے۔

ہندی تہذیب اور وحدت ادیان کی طرف موڑا جا رہا تھا، اور اس کوشش و سازش میں اس عہد کے بعض ذہین ترین اور لائق ترین افراد شامل تھے، اور بیانگ دہل "نیا دور نیا آئین" نیا ہزارہ نئی امامت کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا۔

اس صورت حال کو کس طرح بدلنے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا، اور اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، پھر ایک گوشہ عزت میں بیٹھ کر کس طرح "آدم گرمی" و "مردم سازی" روحانی تزکیہ و تربیت کا وہ کام انجام دیا گیا جس کے نتیجے میں وہ مردان کار تیار ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مرکزی مقامات میں بیٹھ کر اور پھر افغانستان و ترکستان اور پھر عراق و شام و ترکی و حجاز میں پھیل کر یاد خدا کی سرگرمی، اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش، مردہ سنتوں کے احیاء، حمایت شریعت و امانت بدعت کا عظیم الشان کام انجام دیا، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور آزاد مشرب صوفیوں کے اثرات کا ازالہ کیا، اور مختصر خدا طلبی اور احترام شریعت کا صورت پھونک دیا، اور کم سے کم تین صدیوں تک اس کام کو اس قوت و عزیمت اور اس انہماک و مصروفیت کے ساتھ جاری رکھا کہ پورے عالم اسلام میں ہر جگہ وہی نظر آتے ہیں، اور یہ تین صدیاں انھیں کی روحانی و علمی قیادت کی صدیاں کہلانے کی مستحق ہیں اور اس عالمگیر اثر کو دیکھ کر ایک حقیقت پسند انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ جہانے را در گروں کر دیک مرد خود آگاہ ہے

اس سلسلہ میں دو اور پہلو بھی قابل ملاحظہ تھے، ایک تو یہ کہ حضرت مجدد صاحب کے عہد کی تصویر کشی اور دور اکبری کا نقشہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی "منتخب التواریخ" اور ان تاریخی مآخذ پر انحصار نہ رکھا جائے جو خاص دینی جذبات یا ایک خاص نقطہ نظر کے حامل اور عہد اکبری کی تاریک سے تاریک تر تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں، اس سلسلہ میں

ان غیر جانبدار مصنفین یا دربار اکبری کے ان اہل قلم کی تحریر و بیانات سے مواد حاصل کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ اکبر کے مخالف نہ تھے، بلکہ اس کے ویل و نقیب اور اس کے خیالات و مقاصد کے ترجمان اور اس کے آئین سلطنت اور اس کے خداداد کمالات کے معترف و معترف تھے اسی طرح ان تبدیلیوں کا بھی مؤرخانہ و مبصرانہ جائزہ لیا جائے جو ہانگیر کے دور سے شروع ہو کر عالمگیر کے عہد سلطنت پر جا کر مکمل ہوئیں اور اس سلسلہ میں بھی خاندان مجددیہ کے مصنفین کے بیانات اور خوش اعتقاد مؤرخوں کی شہادتوں کے بجائے غیر جانبدار مؤرخین ہندوستان کی کتابوں سے مواد اخذ کیا جائے اور ان کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت مہیا کیا جائے۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس ربع صدی میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اردو اور انگریزی میں مجدد صاحب اور ان کے دور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بہت سے مشہورات و مسلمات کو چیلنج کیا گیا ہے، نئے سوالات اٹھائے گئے ہیں اور واقعات و معلومات یا اپنے اخذ کردہ نتائج کی مدد سے بالکل ایک نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (جو اس تابناک اور درخشاں تصویر سے بہت مختلف ہے، جو ابھی تک پیش کی جاتی رہی ہے) ان کو بھی سامنے رکھا جائے اور خواہ ان کے ایک ایک دعویٰ کا نام لے لے کر تردید نہ کی جائے لیکن مجدد صاحب کی یہ نئی سیرت اور ان کے کارناموں اور ان کے دور کا یہ جائزہ خود بخود ان کتابوں کا جواب اور ان دعوؤں اور اعتراضات کی تردید ہو جائے۔

اپنی شدید مصروفیت، کثیر ملکی و بیرونی اسفار، صحت کی کمزوری اور معاونوں کی کمی کے ساتھ

لے اس موقع پر ناپاسی ہوگی، اگر فقیر عزیز مولوی شمس تبریز خاں (رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام) کا شکریہ ادا کیا جائے

جنہوں نے فارسی کی بعض قدیم کتابوں سے مواد مہیا کرنے اور بی بی فارسی جہانوں کا ترجمہ کرنے میں مصنف کی بیش قیمت مدد کی،

نیز عزیز ناصر الاسلام ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ کتاب کی تسوید اور آخر سے استفادہ میں ان سے علمی مدد ملی۔

کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا یہ حصہ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت اور ان کی خدمات و کارناموں پر مشتمل ہے بعض نئے معلومات اور ایسے مواد کے ساتھ جن سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا تھا، اور بعض اہم اور غور طلب نتائج اور دعوت فکر و عمل کے ساتھ جلد منظر عام پر آجائے، شاید ہم اس سے اس زمانہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور آنے والی پندرہویں صدی کا استقبال کرنے میں (جس کا عالم اسلام کے مختلف حصوں میں استقبال کیا بھی جا چکا ہے) کچھ مدد حاصل کر سکیں۔ و ما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

آخر میں اس کا اعتراف و شکریہ بھی ضروری ہے کہ مجددی خاندان کی شاخوں اور مجددی سلسلہ کے مشائخ کبار کے سلسلہ میں مخدوم محترم مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی (فرزند گرامی حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ) سے وہ بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں جن کا حصول کسی اور ذریعہ سے بظاہر نہایت دشوار تھا، فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی مصنف کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے ذاتی کتابی ذخیرہ میں بعض ضروری قلمی کتابیں اور مفید مواد حاصل ہوا، اور انھوں نے بڑی فراخ دلی سے ان سے استفادہ کی اجازت دی۔ مصنف ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی علمی اعانت کا بھی شکر گزار ہے۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم الشرع، راعی بریلی

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ
۱۳ اپریل ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

عالم اسلام دسویں صدی میں

دسویں صدی (ہجری) کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ولادت شوال ۹۶۱ھ اور وفات صفر ۱۰۳۴ھ میں

ہوئی اس طرح ان کا عہد دسویں صدی کے آخری انتیس سال، اور گیارہویں صدی کے

تقریباً تینتیس سال میں ان کے عہد کے مؤرخ اور ان کی شخصیت کے سوانح نگار کو اصلاً

اسی تیرسٹھ سال کی مدت سے سروکار ہونا چاہئے جو ہجری تقویم کی ان دو صدیوں کے

آخری اور ابتدائی ثلث سے تعلق رکھتی ہے۔

لیکن حقیقتاً کسی کی ولادت سے خواہ وہ کتنی عظیم شخصیت ہو یا یک کسی ایسے عہد

کا آغاز نہیں ہو جاتا جو اچانک کتم عدم سے عالم وجود میں آئے اور اس پر ان واقعات و

حوادث ان تاریخی عوامل اس سیاسی، اخلاقی، علمی پس منظر اور ان سلطنتوں اور طاقتوں

کا اثر نہ ہو جو اس کی پیدائش سے پہلے سے کارفرما اور ماحول و معاشرہ پر اثر انداز ہو رہی

تھیں اس لئے ہم کو حضرت مجدد کی سیرت و سوانح کی ترتیب اور ان کے اصلاحی و

تجدیدی کارنامہ کے تذکرہ ان کے عہد کا مزاج سمجھنے اور ان کے کام کی دشواریوں و

آسانیوں کا صحیح اندازہ اور تقابل کرنے کے لئے اس عہد کے عالم اسلام کا سیاسی، دینی، علمی اور اخلاقی حیثیت سے تاریخی جائزہ لینے کی ضرورت ہوگی جس سے ان کو بدوشوہ سے واسطہ پڑا، اور جس میں ان کو اپنا وہ انقلاب انگیز اور عہد آفریں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، جس کی بنا پر وہ بجا طور پر مجدد الف ثانی کہلائے۔

اس جائزہ میں ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گزار رہا ہو، اگر دو پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات انقلابات باہم نبرد آزما طاقتوں اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات و انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیا، اسلام اور خاص طور پر گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوائیں چلتی تھیں ان کے جھونکے بعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

سیاسی حالت

دسویں صدی کے اوائل میں عرصہ کے بعد (غائب) سلطان صلاح الدین ایوبی

متوفی ۵۸۹ھ کے بعد) عالم اسلام کے مرکزی حصہ (مشرق وسطی) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا، اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک ایسے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے تھے جس کے بلند کرنے والے اپنے کو حامی اسلام، خادم اکھبرین الشریفین اور مسلمانوں کا پاسبان کہتے تھے اور جنہوں نے (خواہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر) خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا، جو آخری عباسی خلیفہ مستنصر بالله کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سے مصر میں "عیسوی پاپائیت" کی طرح رہ گئی تھی، یا دوز سلطان سلیم اول بانی خلافت عثمانیہ (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ) نے ۹۲۲ھ میں شام اور ۹۲۳ھ میں مصر فتح کیا، جو ڈھائی سو برس سے سلاطین مملوک کے زیر حکومت چلا آ رہا تھا، سلیم کے حملہ کے وقت اس کا حکمراں قانصوہ غوری تھا، اسی ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے خلافت و اس کے بعد حرمین شریفین کی تولیت و خدمت کا اعلان کیا، جزیرۃ العرب پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ کے مسلم و عرب ممالک (باستثناء مراکش) سلطان سلیم پھر اس کے جانشین سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ھ-۹۶۴ھ) (جس کو مغربی مصنفین "سلیمان ذی شان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں) کے زیر حکومت آ گئے، سلیمان اعظم کا عہد حکومت (جس کی وفات سے تین سال پہلے حضرت مجدد کی ولادت ہوئی) سلطنت عثمانیہ کے اوج اقبال کا زمانہ ہے، ایک طرف یورپ میں آسٹریا اور ہنگری میں اس کے فتح و اقبال کا جھنڈا نصب تھا، دوسری طرف ایران میں اس کی فوجیں فاتحانہ طریقہ پر یلغار کر رہی تھیں، مصر و شام کے ساتھ عراق (عرب) بھی اس کی وسیع مملکت میں شامل ہو گیا تھا، اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت (ایمپائر) کا فرمانروا تھا، مراد ثالث (۹۸۲ھ-۱۰۴۰ھ) کے زمانہ میں جزیرۃ قبرص، صوبہ تونس سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور بین دولت عثمانیہ میں شامل تھے، اسی کے زمانہ میں ۹۸۴ھ میں حرم مکی کی تعمیر کی تکمیل ہوئی، یہ مجدد صاحب کے شعور کا

زمانہ تھا، ان کو ضرور ان اہم واقعات کا علم ہوگا، اس عہد کے مسلمان (خواہ وہ ہندوستان کے باشندے ہوں) عثمانی ترکوں کی (جو متضرب قسم کے سنی حنفی تھے) ان فتوحات و وسعت سلطنت سے ضرور سرور ہوتے ہوں گے۔

اسی صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا اس سلطنت کا بانی شاہ اسماعیل صفوی تھا (۹۰۵ھ - ۹۳۰ھ) اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقہ پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کر لیا، یہ سلطنت عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی جس نے سلطنت عثمانیہ کے بالمقابل مذہب اثنا عشری جعفری کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، حکومت کے اقتدار اور وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا، اور اس میں اس نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی، اس طرح یہ حکومت اپنے حدود پر مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک انسانی دیوار کھڑی کر کے عثمانیوں (جن کے ہم مذہب (سنی حنفی) قسطنطنیہ سے لے کر لاہور و دہلی تک پھیلے ہوئے تھے) کی وسیع مملکت (ایمپائر) میں تحلیل ہونے سے محفوظ ہو گئی، اس خاندان کی حکومت بغداد سے ہرات تک تھی۔

اس خاندان کا سب سے با عظمت حکمراں شاہ عباس (۹۹۵ھ - ۱۰۳۷ھ - جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے ملتا ہے) اور جس کو اپنے تعمیری کارناموں کی بنا پر اس خاندان کا شاہجہاں کہا جاسکتا ہے) حضرت مجدد صاحب کا معاصر ہے، صفوی حکومت شاہ عباس اول کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہنچی، اس نے ترکوں سے لڑ کر نجف اور کربلا کو حاصل کر لیا، وہ اکبر اور جہانگیر کا معاصر تھا، شاہ عباس کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔

دنیاۓ اسلام کا دوسرا اہم مشرقی خطہ ترکستان تھا، جو صدیوں تک اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا، اور جس کو قدیم ادبیات میں ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس نے فقہ حنفی کی تدوین میں (عراق کے بعد) سب سے بڑا حصہ لیا، اور اس کی متعدد زندہ جاوید کتابیں جو ہندوستان کے نصاب میں ابھی تک داخل ہیں، وہیں تصنیف ہوئیں، نیز سلسلۂ نقشبندیہ (جس سے حضرت مجدد اور ان کے شاخ کا تعلق ہے) وہیں پیدا ہوا، پھلا پھولا، اور وہیں سے دنیا میں پھیلا، یہ زرخیز و مردم خیز ملک دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۵ء) ہی سے ازبکوں کے شیبانی خاندان کے قبضہ و اقتدار میں آگیا، اور ۹۱۶ء کے ایک مختصر وقفہ کے علاوہ (جس میں بابر نے صفویوں کی مدد سے ماوراء النہر پر حملہ کیا تھا، اور اس وقت کے دار السلطنت سمرقند پر قابض ہو گیا تھا) اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط (روس کے انقلاب تک) انھیں کے زیر نگین رہا، دسویں صدی میں شیبانی خاندان کے دو حکمران عبید اللہ بن محمد (۹۱۸ء - ۹۴۶ء) اور عبید اللہ بن اسکندر (۹۶۳ء - ۱۰۰۶ء) کا دار السلطنت بخارا تھا، ان کی بدولت بخارا دوبارہ فکری و سیاسی زندگی کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان کا سب سے قریبی ہمسایہ ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہے، افغانستان ہے، یہ ملک دسویں صدی کی ابتدا میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں، اور درمیان درمیان میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا، کابل و قندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہو جاتے تھے، اور ہرات ایران کے حدود پر ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیر اثر رہا، ۹۲۵ء میں بابر نے قندھار کو فتح کیا، پھر جب اس نے

ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا، جہاں سے وہ کابل، بدخشاں و قندھار تک حکومت کرتا تھا، اس وقت افغانستان، ہندوستان و ایران کی دو بڑی سلطنتوں کے زیر اثر ایک نسبتاً منظم اور پر امن دور میں داخل ہوا، وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات و سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے (اگرچہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) کابل سلطنت مغلیہ کا جز بنارہا، اور قندھار پر کبھی مغل کبھی ایرانی قابض ہو جاتے، کوہستان کے شمال میں بابر کے چچا زاد بھائی سلیمان مرزائے (جسے بابر نے بدخشاں والی بنایا تھا) ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد قائم کر لی، ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیر نگین رہے، ۹۶۵ھ میں طہماسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کر لیا، اور ۱۰۰۰ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، ۱۰۰۰ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالہ کیا، اس وقت سے افغانستان کا ملک ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا، اور یہ سلسلہ بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا، یہاں تک کہ ۱۱۵۰ھ میں نادر شاہ افشار کے ہاتھوں آل بابر کی دو سو چالیس سال کی حکومت افغانستان سے اٹھ گئی۔

دسویں صدی شروع ہوئی تو ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری حکمران ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ میں بانی سلطنت مغلیہ ظہیر الدین محمد بابر گورگانی (۸۸۸ھ - ۹۳۹ھ) کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی، جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی، لودھی خاندان اپنی افغانی نسل و روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش، مذہب حنفی کا پابند تھا، جو تہجد

پسندی اور نامذہبی (سیکولر) سیاست سے نا آشنا تھا، اس خاندان کا سب سے دیندار

معارف نواز اور علماء کا قدردان و سرپرست بادشاہ سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) تھا اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال (۹۲۶ھ تا ۹۵۲ھ) شیر شاہ سوری کے زیر حکومت گزرے جس سے زیادہ تنظیم و دستور سازی کی صلاحیت اور قاہی کاموں کی توفیق رکھنے والا مسلمان بادشاہ اور صاحب علم اور دیندار حکمران اس سے پہلے کی ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نہیں گزرا شیر شاہ کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام اور حکومت کو استقرار اور اہل ملک کو فارغ ابالی حاصل نہیں ہوئی، شیر شاہ سوری کا جانشین سلیم شاہ اپنے عبقری (GENIUS) باپ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، بابر کا جانشین نصیر الدین بھاپل (۹۳۷-۹۶۳ھ) ہندوستان میں اطمینان کے ساتھ سلطنت نہ کر سکا، اور شیر شاہ کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی سے پریشان اور سرگرداں رہا، اور جب تک ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر نہیں آیا، اس کو استقرار نصیب نہیں ہوا ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا، اور پوری نصف صدی تک بڑے کروفر سے حکومت کی۔

مجدد صاحب کے زمانہ ہی میں جب ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی، نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا، اور اسی کے عہد میں مجدد صاحب نے وفات پائی، اس مرکزی سلطنت کے علاوہ جس کا پایہ تخت دہلی تھا، گجرات، بیجاپور، گولکنڈہ، اور احمد نگر میں علاقائی حکومتیں قائم تھیں، جو خود مختار طریقہ پر سلطنت کر رہی تھیں، ان میں سے تین آخر الذکر شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔

مذہبی و روحانی حالت

اس وقت پوری دنیائے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی، عوام عام طور پر (اپنی علمی و اخلاقی کمزوریوں کے باوجود) راسخ الاعتقاد مسلمان، دین پسند اور اسلام دوست تھے، ان میں خاص دینی حمیت اور اسلامی جوش پایا جاتا تھا، اگرچہ بہت سی بدعات اور خلاف اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، لیکن عام طور پر کفر و انحراف سے بیزار و متنفر تھے۔

ان کے اس عمومی دینی ذوق اور مزاج کی وجہ سے سلاطین اسلام کو بھی (جو بڑی سے بڑی مخالف طاقت کی پڑاہ نہیں کرتے تھے) اور جن کی فوجی طاقت نے یورپ کو بھی لرزہ برانداز کر رکھا تھا) شاعر اسلام کا احترام، اور دین کی حمایت و نصرت کا اظہار و اعلان کرنا پڑتا تھا، اور عوام کے دلوں پر اس وقت تک ان کی عظمت و محبت کا نقش قائم نہیں ہونے پاتا تھا، جب تک کہ وہ اپنے اس دینی پہلو کو نمایاں نہ کریں، سلطان سلیم اول کی سلطنت میں اس وقت تک استحکام نہیں پیدا ہوا جب تک کہ اس نے خلیفۃ المسلمین اور خادم اکرمین الشریفین کا لقب اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے مشق کے قیام کے دوران مقامات مقدسہ سے اپنی نیاز مندی اور عقیدت کا برملا اظہار کیا، ذی الحجہ ۹۲۳ھ میں سلیم نے حاجیوں کا ایک قافلہ دمشق سے روانہ کیا جس کے ساتھ پہلی مرتبہ ترکی سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلاف کعبہ بھیجا گیا، اس وقت سے..... سلاطین ترکی خادم اکرمین الشریفین کا خطاب استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے انھیں اسلامی دنیا میں بڑا وقار حاصل ہوا، سلیمان اعظم کی زندگی میں تواضع اور خاکساری

اور گہرے دینی جذبات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس نے قرآن مجید کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے جو سلیمانہ میں محفوظ ہیں، وہ اپنے دیوان کی غزلوں اور نظموں سے ایک نسخہ الاعتقاد مسلمان ظاہر ہوتا ہے، اس نے مفتی ابوالسعود (م ۹۵۲ھ) (صاحب تفسیر ابوالسعود) کے فتوے کی سند پر کعبۃ الشریٰ از سر نو تعمیر کی، اور مکہ مکرمہ کی پختہ کاریز بنوائیں، سلطان مراد نے ۹۸۴ھ میں کعبۃ الشریٰ عمارت کی تکمیل کی، (جس پر وہ اس وقت تک قائم ہے) یہ سب دسویں صدی کے سلاطین آل عثمان کے کارنامے ہیں۔

ایران کی (شیعی) سلطنت میں بھی عوام کا ذہن مذہبی اور ذوق دینی خوش عقیدگی کا تھا، اور سلاطین صفویہ اس کو غذا پہونچا کر اور مذہب، اور اہل بیت سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کر کے اس سے ملک میں سیاسی استحکام، اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کا کام لیتے تھے، ایران کے سب سے عظیم حکمران شاہ عباس اول نے صرف زیارت کی غرض سے اصفہان سے مشہد تک پیدل آٹھ سو میل کا سفر کیا، اور نجف میں حاضر ہو کر روضہ مرتضوی پر جھاڑودی۔

شاہ عباس سے ایرانیوں کی عقیدت غلو اور وہم پرستی کی حد تک پہونچ گئی تھی اور لوگوں میں عجیب عجیب روایات مشہور تھیں۔

ترکستان و افغانستان کے لوگوں کی نسخہ الاعتقادی، دینی صلابت، سنیت اور مذہب حنفی کی پابندی میں تھلک ضرب المثل ہے، ان کے حکمران اور سربراہان مملکت، ارکان سلطنت اور خواص و امراء بھی (اپنی سطح اور معیار زندگی کے مطابق) بہت حد تک ان کے ہم رنگ اور ہم آہنگ تھے۔

ہندوستان میں مسلم سلطنتوں کی بنیاد ترکی و افغانی النسل خاندانوں و حکمرانوں

کے ہاتھ سے پڑی اس لئے شروع سے یہاں بھی مذہب کا اثر گہرا لیکن سیدھے سادہ رنگ کا تھا، جو ترکی و افغانی ذہنیت و مذاق کا خاصہ ہے، یہاں شروع سے طریقہ اہل سنت و الجماعہ، اور مذہب حنفی کی (چند سو اعلیٰ مقامات اور جنوبی ہند کے علاقہ بالا بار کو مستثنیٰ کر کے) پابندی رہی اور شروع سے وہی مملکت کا دستور اور عدالتوں کا قانون رہا، یہاں فقہ حنفی کی بعض اہم کتابیں "فتاویٰ تاتارخانی"، اور "فتاویٰ قاضی خان" لکھی گئیں۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں متعدد بادشاہ اپنی حمایت سنت و شریعت، کفر و الحاد سے بیزاری، بدعات و منکرات کی مخالفت و ازالہ، اور دینی حیثیت میں ممتاز نظر آتے ہیں، آٹھویں صدی میں محمد تغلق، و فیروز تغلق اور دسویں صدی میں سلطان سکندر لودھی کا نام لینا کافی ہے، طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، اور تاریخ داودی کے مصنفین کے بیان کے مطابق سلطان سکندر کے عہد میں مذہب کی پابندی ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا ایک نیا طریقہ پیدا ہو گیا ہے، وہ اپنے نفس سے نفس اسلام کو زیادہ عزیز رکھتا تھا، ان کے بقول سلطان کو اپنی ابتداء سے عمر سے تعصب مذہبی دامگیر تھا، بادشاہ کو تذکرہ علمی کا شوق تھا، اس کے عہد میں ہندوؤں کے فارسی پڑھنے کا آغاز ہوا، کاسٹوں نے بادشاہ کا مشورہ قبول کیا، سلطان نے سالار مسعود کی چھڑیاں جو سالانہ جاتی تھیں اپنی مملکت میں بالکل موقوف کر دیں، مزارات پر زیارت کے لئے عورتوں کے جانے کی سخت ممانعت کر دی، بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ تعزویوں کے نکلنے اور (چھپک کی دیوی) سینٹلا کی پوجا کو بھی سختی سے روکا، مشتاقی نے لکھا ہے کہ

لئے یہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس نے عالم اسلام میں شہرت حاصل کی، اور فتاویٰ ہند

کے نام سے معروف شاہد عراق میں شہور ہے۔ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی جلد دوم ص ۴۴

قبور بلا میت را نہر ساختہ بہت سی جعلی قبریں جو اس زمانہ میں وجود میں آگئی تھیں، وہاں نہریں جاری کر کے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

سلطان سلیم شاہ سوری مساجد میں خود نماز پڑھاتا تھا، مسکرات سے سختی سے بچتا تھا۔

یہ دور تصوف اور سلاسل و طرق صوفیہ کے انتہائی عروج کا تھا، عالم اسلام کا کوئی ملک اور خطہ ایسا نہ تھا، جہاں کوئی سلسلہ پایا نہ جاتا ہو، گھر گھر اس کا چرچا تھا، اس سلسلہ میں ترکستان کے دو مشہور شہر اور علمی و روحانی مرکز بخارا اور سمرقند، افغانستان میں ہرات اور بدخشاں، مصر میں اسکندریہ اور طنطا، یمن میں تعز اور صنعاء، حضرموت میں تریم، شہر اور سیون علماء اور صوفیاء اور مشائخ کا بڑا مرکز تھے، حضرموت میں باعلوی عیدروس خاندان بڑا مقبول اور صاحب کمال خاندان تھا، اسی دور میں ان اطراف میں الشیخ ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر بہت عالی مرتبہ شیخ اور قطب دوراں سمجھے جاتے تھے، تریم سادات آل باعلوی کا مستقر تھا، اس زمانہ کے مشہور اولیاء میں شیخ سعد بن علی السوینی باندج السعید تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی (۹۷۸ھ - ۱۰۳۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب النور السافر فی رجال القرن العاشرؒ کو انھیں کے تذکرہ پر ختم کیا ہے، جو ص ۲۶۶ سے ص ۲۸۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان میں دسویں صدی میں اگرچہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی دونوں شاخیں (نظامیہ اور صابریہ) پھیلی ہوئی تھیں، اور ان میں متعدد باکمال اور صاحب حال شخصیتیں پائی جاتی تھیں، لیکن حقیقتاً یہ صدی سلسلہ عشقیہ شطاریہ کی صدی ہے جس نے

۱۔ واقعات شقائق ۲۔ یہ کتاب ۱۰۳۷ھ میں احمد آباد میں لکھی گئی۔

(جدید تعبیر کے مطابق) ہندوستان کے صاحب ولایت سلسلہ چشتیہ سے اس ملک کا روحانی چارج لیا، اور سائے ہندوستان کو تسخیر کر لیا۔

طریقہ شطاریہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں، جو غالباً نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے اور مانڈو میں سکونت اختیار کی، ۸۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، اور مانڈو میں اندرون قلعہ مدفون ہوئے، وہ امیرانہ تھاٹ سے رہتے تھے، صاحب جذب قوی تھے، خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے ان کا سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا، اس طریقہ کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ کا تعلق شیخ محمد غوث گوالیاری سے ہے، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان تین واسطے ہیں، دوسری شاخ کے بانی شیخ علی بن قوام جو پوری (شیخ علی عاشقاں سرائے میری) ہیں، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان دو واسطے ہیں، اس سلسلہ نے غالباً پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا، اور ان کے سلوک کے بعض طریقے اور اذکار اور بعض آسن اور جلس دم کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے مریدین کو ان کی تعلیم دی، نیز علم سیمیا کو بھی شامل کیا، ان آسنوں کی تشریح اور اس کے اذکار کی تفصیل ”رسالہ شطاریہ“ مصنف بہاء الدین ابن ابراہیم الانصاری القادری میں موجود ہے، شیخ محمد شطاری کی تصنیف ”کلید مخازن“ میں مصنف کا ایک مستزاد ہے،

۱۷۷۱ء اس صدی میں سلسلہ مداریہ بھی جس کے بانی شیخ بدیع الدین مدارکن پوری (م ۸۴۲ھ) تھے، ہندوستان میں پایا جاتا تھا، اس سلسلہ کا مدار و شعار وحدۃ الوجود کے افکار و مضامین کا برملا اظہار و اعلان تجرید ظاہری (اس حد تک کہ محض شرکاء کے چھپنے پر اکتفا کیا جائے) اور توکل محض ہے، مرورایام کے ساتھ اس سلسلہ میں نخطاط اور بے قیدی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مداری بازگیر کا مراد قرار پایا، دسویں صدی میں یہ سلسلہ خاص کے حلقہ میں اپنی مقبولیت کھو چکا تھا، ”زہرۃ الخواطر“ کے حصہ چہارم میں (جس میں ہر سلسلہ کے مشائخ کا استیعاب کیا گیا ہے) تلاش سے صرف دو اشخاص ملے جن کو سلسلہ مداریہ میں بھی بیعت تھی۔

۱۷۷۱ء ملاحظہ ہونے والی مکتب خانہ ندوۃ العلماء قن تصوف، ۲۷، ص ۲۷-۲۸

جس سے وحدۃ الوجود، بیت خانہ و مسجد اور شیخ و برہمن کی مساوات کا، اور ان سب چیزوں میں خدا کی تجلی، بلکہ ظہور کا صاف صاف اظہار ہوتا ہے کہ یہ سب اسی وحدت کے الوان و مظاہر ہیں، آخر کا شعر ہے۔

عشقی شد و در مشرب شطار برآمد۔ خود غوث جہاں شد
 ”رسالہ عشقیہ“ میں کافری کو ”جلال عشق“ اور مسلمانی کو جمال عشق کہا گیا ہے، اور یہ شعر ملتا ہے۔

کفر و ایمان قرین یک دگر اند
 ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

ایک جگہ لکھا ہے۔

”اعلم حجاب اکبر گشت“ مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب اکبر است، اس حجاب اکبر اگر ازمیان مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد، و عبادت خدائی و بندگی بر خیزد۔
 اس سلسلہ کے سب سے نامور و با اثر شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری تھے (م ۹۷۷ھ) جن کو رجوع عام اور قبول تام حاصل ہوا، اور جن کی شان و شوکت وزراء و امراء کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، ان کی جاگیر کی آمدنی نو لاکھ سکہ تقریباً، ان کے قیل خانہ میں چالیس ہاتھی اور خدم و حشم کا ایک بڑا لشکر تھا، اگرہ کے بازار میں نکلتے تو ٹھٹھ لگ جاتے، ہر ایک کو جھک جھک کر سلام کرتے زمین پر سیدھا بیٹھنا مشکل ہو جاتا، ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ محمد غوث نے اکبر کو ترکیب سے اپنا مرید بنایا تھا، لیکن بادشاہ نے جلد اس حلقہ ارادت کو اپنی گردن سے دور کر دیا، اس امیر نے بلکہ شاہانہ شان کے

باوجود ملک میں ان کے فقر کی دھوم مچی ہوئی تھی، سلام کرنے کے وقت تاجدار کو رع جھک جاتے تھے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، علماء کو اس پر اعتراض تھا، ان کی تصنیفات میں جو اہر خمسہ "معراجیہ کنز الودعہ" اور "بحار حیات" ہے، ہندوستان پر ان کا بڑا اثر پڑا، اور طریقہ چشتیہ شطاریہ عام ہوا، مجدد صاحب ان کے انتقال کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

اس سلسلہ میں شیخ علی بن قوام جو پوری معروف بہ علی عاشقان سرائے میری (م ۹۵۵ھ) شیخ لشکر محمد بہا پوری (م ۹۹۳ھ) شیخ الشربخش گڑھ مکتب سرائے میری (م ۱۰۲۰ھ) بڑے جلیل القدر مشائخ تھے، جن سے ایک عالم نے رجوع کیا، علی عاشقاں سرائے میری کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد کسی سے ایسی کرامات کا ظہور نہیں ہوا جیسے ان سے، شیخ محمد غوث گویاری کے خلیفہ شیخ ضیاء الشراکبر آبادی (م ۱۰۵۰ھ) علامہ وجیہ الدین کے شاگرد تھے، پینتیس سال اکبر آباد میں (جو اکبر کا دار الحکومت تھا) رہے، بڑی مقبولیت حاصل کی، دربار اکبری میں کئی بار طلب کئے گئے، ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ میں نے ان کو سلام مسنون کیا، تو ان کو

لے انھوں نے اپنے لئے معراج کا دعویٰ کیا تھا، جس پر علماء نے گجرات میں بڑا ہنگامہ ہوا، لیکن ملک العلماء شیخ وجیہ الدین گجراتی نے (جو اس وقت کے اکثر علماء کے استاد تھے) اس کی علی توجیہ کی جس سے ہنگامہ فرو ہوا۔

۱۔ یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے، شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رد و کوثر میں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

۲۔ اس میں ہندو یوگیوں اور سانیوں کے اطوار و اشغال کی تفصیل کو فارسی میں نقل کیا ہے اپنی ابتدائی تصنیف "جو اہر خمسہ"

میران کی ایک آدھ جھلک کھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس رتبہ ماہر پر روشنی پڑتی ہے، جو اس کو ہندو گائے تھا، (ص ۲۳-۲۶)

۳۔ مشائخ شطاریہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نہضۃ الخواطر" جلد ۴۔

۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "العاشقۃ" تصنیف عارف علی، یا "نہضۃ الخواطر" جلد پنجم۔

گراں گزرا، اور اس میں انھوں نے اپنی توہین محسوس کی، اور اس شعار اسلام اور سنت خیر الانام کی تضحیک کی، بدایونی نے ان کا اچھا نقشہ نہیں کھینچا ہے، اور ان کے استہزاء کے واقعات لکھے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ شاہ عبداللہ سندیلوی (۱۰۱۰ھ - ۱۰۲۲ھ) اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی خلیفہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف باللہ (جو حضرت مجدد صاحب کے معاصر اور قریب العمر ہیں) نامور مشائخ عشقہ شطاریہ میں تھے۔

سلسلہ عشقہ شطاریہ کے ان نامور مشائخ کے علاوہ ہندوستان میں دوسرے جلیل القدر مشائخ بھی موجود تھے، جن کا دوسرے سلسلوں سے تعلق تھا، ان میں سے ایک شیخ چائیں لدہ بہنوی (م ۹۹۸ھ) ہیں، وہ فصوص اور نقد النصوص کا درس دیتے تھے، اکبر ان کا معتقد تھا، ایک دن ان کو صلوٰۃ معکوس پڑھتے دیکھا تو چلا گیا، دوسرے شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی (۸۸۶ھ - ۹۲۹ھ) قادری تہمتی تھے، وہ صاحب تدریس و تصنیف عالم ہونے کے باوجود اپنے عہد میں وحدۃ الوجود اور شیخ اکبر کے مسلک کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کے اس موضوع پر کئی رسائل ہیں، شیخ عبدالعزیز شکر بار (۸۵۵ھ - ۹۱۵ھ) بھی وحدۃ الوجود کے قائل اور صاحب حال بزرگ تھے، وہ بھی فصوص الحکم اور اس کی شروح کا درس دیتے تھے، یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد مادری میں بھی ہیں۔ اسی صدی میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۲۲ھ) کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر پہونچا، اور ان سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو نئی بازیگی اور طاقت حاصل

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ، علامہ عبدالقادر، نزہۃ الخواطر، جلد ۵۔ ۲۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، جلد ۵۔

۳۔ شہنشاہ غلام گاہوہ (شرقی پنجاب) میں ایک قصبہ ہے، جہاں کا گرم چشمہ مشہور ہے۔ ۴۔ نزہۃ الخواطر، جلد ۴۔

ہوئی، وہ وحدۃ الوجود کے اسرار بر ملا زبان سے کہتے اور اس کے داعی تھے، جو پور میں شیخ قطب الدین بنیاد (۱۲۷۶ھ - ۱۲۹۵ھ) طریقہ قلندریہ میں، اور کتھیل (ضلع انبالہ) میں شیخ کمال الدین (م ۱۲۹۱ھ) سلسلہ قادریہ کے سر حلقہ اور صدر نشین تھے، جن سے ان دونوں طریقوں نے نئی آب و تاب پائی، شیخ کمال کتھیلی کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جب نظر کشفی سے دیکھا جاتا ہے تو اس سلسلہ عالیہ (قادریہ) میں پیران پر حضرت شیخ عبدالقادر کے بعد ان سے بلند مرتبہ و با کمال شیخ نظر نہیں آتا، اور وہ میں شیخ نظام الدین امیٹھوی معروف بہ بندگی میاں (۱۲۹۵ھ - ۱۳۰۹ھ) سلسلہ چشتیہ کے بڑے شیخ، حامی شریعت، اور تبع سنت بزرگ تھے، "اجیاء العلوم اور عوارف" و رسالہ کمیہ پر ان کا عمل تھا، ایک شخص کے ہاتھ میں قصوں دیکھی تو اس کو چھین لیا، اور دوسری کتاب مطالعہ کو دی، ان کے سلسلہ میں اگرچہ سماع عام تھا، لیکن وہ اس سے محترز تھے۔

یہ تھی اس وقت دنیا کے اسلام کی مذہبی و روحانی صورت حال، اور یہ تھے ہندوستان کے مختلف المشرق اور متفاوت الدرجات شیوخ طریقہ اور اصحاب سلسلہ جو دسویں صدی ہجری میں مختلف مقامات پر اپنے روحانی اور تربیتی مرکز قائم کئے ہوئے تھے اور ہندوستان میں گہرا دینی رجحان رکھنے والے طالب خدا اور محب الفقراء عوام و خواص ان سے کسی نہ کسی درجہ میں وابستہ اور ان کے حلقہ گوشس تھے، اس کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا، تاکہ مجدد صاحب کے عہد کی فضا، مذاق، رجحان، اور اس عہد میں دین کے اجیاء و تجدید کے کام کے امکانات اور مشکلات دونوں کا اندازہ ہو۔

علمی حالت

دسویں صدی ہجری اگرچہ علمی اختراع وابتکار، مجتہدانہ فکر و نظر، علوم کی تدوین جدید اور ان میں وقع اضافہ کی صدی نہیں تھی، یہ خصوصیات آٹھویں صدی کے وسط تک نمایاں نظر آتی ہیں جس میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) شیخ الاسلام تقی الدین ابن دینق العید (م ۷۲۸ھ) علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۲۸ھ) علامہ جمال الدین ابوالکجاج المزنی (م ۷۲۲ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) علامہ ابوجان نحوی (م ۷۲۵ھ) جیسے سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے، جنہوں نے حدیث، اصول و علم کلام، فن رجال، اور علوم عربیت میں بلند پایہ اور گرانقدر تصنیفات یادگار چھوڑیں، امام فتن حدیث علامہ ابن حجر العسقلانی صاحب "فتح الباری" (م ۸۵۲ھ) کا دور بھی گذر چکا تھا، جن کی بے نظیر شرح بخاری کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لا ہجرت بعد الفتح"۔

دسویں صدی زیادہ تر جمع و ترتیب، اور تسہیل و تلخیص کی صدی تھی، پھر بھی اس کے اوائل میں علامہ شمس الدین سخاوی (م ۷۹۲ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۸۱۱ھ) جیسے علوم دینیہ کے بجز خارا اور اسلام کے مصنفین کبار گزرے ہیں، علامہ سخاوی کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ امام شمس الدین ذہبی کے بعد علم حدیث، فن رجال اور تاریخ میں ان کے پایہ کا شخص پیدا نہیں ہوا، ان کے بعد فن حدیث کا زوال شروع ہو گیا، اصول و مصطلحات الحدیث میں ان کی کتاب "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث" اور تذکرہ رجال میں "الصواعق للامع لأهل القرن التاسع" اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں، علامہ سیوطی تعریف و تعارف سے مستغنی ہیں کہ ان کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم مصنفین میں ہے۔

اور ان کی بعض کتابیں اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہیں، اور تفسیر جلالین کے نصف اول نے جو ان کی تصنیف ہے، اور صدیوں سے درس میں داخل چلی آرہی ہے، ان کے نام کو اس وقت تک زندہ اور تابندہ رکھا ہے۔

اس صدی میں مصر و شام و عراق میں فن حدیث و علم رجال، ایران میں علوم حکمیہ، (منطق و فلسفہ) ترکستان و ہندوستان میں علم فقہ (حنفی) کا زور تھا، اور یہی معیار فضیلت اور درجہ کمال سمجھے جاتے تھے، مصر میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی، صاحب شرح صحیح البخاری (م ۹۲۳ھ) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری (م ۹۲۵ھ) ترکی میں علامہ ابوالسعود صاحب تفسیر (م ۹۵۲ھ) حجاز میں علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب "الصواعق المحرقة" و کتب کثیرہ (م ۹۶۴ھ) اور علامہ علی متقی صاحب کنز العمال (م ۹۶۵ھ) رونق افروز تھے، اور ایک عالم کو اپنے درس سے مستفید کر رہے تھے، مشہور محقق و منصف حنفی عالم و مصنف ملا علی قاری اگرچہ ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے، لیکن مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر کے ایک عالم کو اپنے علم سے فیضیاب کر رہے تھے، ان کا انتقال اگرچہ گیارہویں صدی کے اوائل (۱۰۱۴ھ) میں ہوا، لیکن ان کی علمی تصنیفی خدمات کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہی ہے، اسی صدی کے آخر میں ادیب و مؤرخ علامہ قطب الدین نہروالیؒ کی (صاحب الاعلام فی اخبار بیت الشہداء) نے ۹۹۹ھ میں انتقال کیا، جن کا خمیر ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا تھا، اور جن کے کمال کی قدر ترکی و حجاز کے سلاطین و امراء نے کی۔

ایران کی سرزمین علامہ جلال الدین دقانی (م ۹۱۸ھ) ملا عماد بن محمود طسارمی (م ۹۲۱ھ) اور علامہ غیاث الدین منصور (م ۹۲۸ھ) کی ذات پر مفتخر و نازاں تھی، جنہوں نے

لے نہروالا اہلوادہ کی تعریف ہے جو پن (گجرات) کا پرانا نام ہے، اور جس کو ۱۲۱۸ھ میں محمود غزنوی نے فتح کیا۔

علم و حکمت کے دریا بہا دیئے تھے جن کی موجیں ہندوستان تک پہنچیں اس عہد کے آخر کے بہت بڑے علماء میں شیخ محمد بن الشیخ ابی الحسن صدیقی شافعی اشعری مصری تھے جن کو الاساذ الاعظم اور قطب العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا مضامین عجیبہ اور نکات غریبہ بیان کرنے میں فرد فرید تھے اور ربط آیات اور تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے جامع ازہر میں درس دیتے تھے شائقین علم پر وائوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے اسی کے ساتھ بڑے صاحب باطن شیخ طریقت اور شاعر و ادیب تھے ۹۹۲ھ میں ان کا انتقال ہوا اسی طرح مشہور ہندی محدث رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندھی حنفی (م ۹۹۴ھ) جنھوں نے حجاز میں بیٹھ کر حدیث کی دولت عام کی اور اپنی مہارت فن اور استاد کی کا دلوں پر سکتا بٹھا دیا ملک العلماء علامہ وجیہ الدین ابن نصر اللہ گجراتی جنھوں نے نصف صدی علوم دینیہ و عقلیہ کا درس دیا اور جن کے تلامذہ نے ایک صدی سے زائد درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا اسی صدی کے نصف آخر کی زمینت تھے اور اسی صدی کی انتہا پر ۹۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا اس وقت یمن روایت و اسناد حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا اور وہاں محدث یمن طاہر بن حسین بن عبدالرحمن الابدلی مسند آرائے درس تھے اور اسی سال ۹۹۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

اس عہد میں ہندوستان میں فضلاء ایران کی آمد شروع ہو گئی تھی جو علامہ جلال الدین دوائی ملا عماد ابن محمود طارمی اور میر غیاث الدین منصور کے فیض یافتہ تھے یہاں کے زمانہ میں مولانا زین الدین محمود گمان گرہدائی تلمیذ مولانا جامی و مولانا عبدالغفور لاری ہندوستان آئے اور بادشاہ نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اکبر کے زمانہ میں حکیم ابوالفتح گیلانی حکیم یہاں

۱۰۰۰ھ میں لکھنؤ میں مولانا سافر ۱۰۰۰-۱۰۰۹ھ حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو علامہ محمد بن علی شولانی کی کتاب البدایہ

(حکیم ہمام) اور نور الدین قراری تینوں فاضل بھائی گیلان سے آئے اور دربار میں رسوخ پیدا کیا، کچھ عرصہ کے بعد ملا محمد یزدی ولایت (ایران) سے آئے اور امیر فتح اللہ شیرازی بھی بیجاپور ٹھہرتے ہوئے دربار اکبری کی رونق و زینت بنے، وہ میر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے، ۹۹۳ھ میں صدر ہوئے، ہندوستان میں علمائے ایران کی تصنیفات وہی لائے، انھوں نے یہاں کے نصاب اور طریقہ درس پر ایسا گہرا اثر ڈالا جس نے بالآخر درس نظامی کی ترقی یافتہ شکل اختیار کی، اور جو ہندوستان کے علمی و درسی حلقوں پر ابھی تک غالب اور حاوی ہے۔

اس عہد میں بالخصوص جنوبی ہند میں نیشاپور، استرآباد، جرجان، مازندران اور گیلان کے بہت سے فضلاء اور ادباء کے نام ملتے ہیں، جو درباروں میں رسوخ رکھتے تھے۔ افغانستان بھی اپنی سپہ گری اور سیف زنی کے ساتھ علم و درس کی دولت سے محروم نہ تھا، قاضی محمد اسلم ہروی جن کا انتقال ہندوستان میں ۱۰۰۰ھ میں ہوا، ہرات میں پیدا ہوئے اور افغانستان ہی میں مولانا محمد فاضل بدخشان سے تحصیل علم کی، مولانا محمد صادق حلوانی بھی اس وقت افغانستان کے بڑے علماء میں تھے، ہرات ایران کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے علوم حکمت کا مرکز تھا، اور اس کے فرزندوں میں قاضی محمد اسلم ہروی اور ان کے نامور و باکمال فرزند مولانا محمد زاہد نے (جو میرزاہد کے نام سے ہندوستان کے مدرسہ حلقہ میں معروف و مشہور ہیں) علوم حکمیہ میں بڑا نام پیدا کیا، عرصہ تک مؤخر الذکر کے تین حواشی جوہ زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور ہیں، اساتذہ و علماء کے مرکز توجہ اور معیار فضیلت بنے رہے۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الثقافة الاسلامیة فی الہند، یا اس کا ترجمہ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں اور

معنی ہندوستان کا نصاب درس، از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۴۔

علمائے ہند کے تلمذ و استفادہ کا یہ تعلق صرف ایرانی فضلاء اور ولایت کے اساتذہ فن ہی سے جاری نہیں تھا، فضلاء و محدثین مصر و حجاز اور یمن سے بھی قائم تھا، شیخ راج بن داؤد گجراتی (م ۹۰۴ھ) نے علامہ سخاوی سے حدیث میں استفادہ کیا تھا، علامہ سخاوی نے ان کو شیخ العلماء البخاری احنفی کی ابن عربی کے بارے میں رائے اور مسلک بتایا، تاکہ وہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو اس سے باخبر کریں، اور شیخ اکبر کے بارے میں ان کی جو خوش فہمی ہے، وہ زائل ہو، علامہ سخاوی نے "الصواعق الملمعة" میں اپنے ان ہندی شاگرد کا تذکرہ لکھا ہے، اور ان کے علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے، اپنے زمانہ کے امام فن حدیث شیخ علی بن حسام الدین المتقی صاحب کنز العمال جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "سیوطی کا احسان ساری دنیا پر ہے، اور علی متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے" علامہ ابوالحسن الشافعی البکری مدرس حرم مکی، اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی مفتی و محدث، مکہ کے تلمیذ رشید تھے۔

سطور بالا سے اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان سمندر اور فلک بوس پہاڑوں سے گھرے ہوئے ہونے کے باوجود (جس میں باہر کی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ بلوچستان کا درہ بولان اور شمالی مغربی سرحد کا درہ خیبر تھا) علمی اور ثقافتی طور پر باہر کی دنیا سے کلی طور پر کٹا ہوا نہیں تھا، اس کے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری تھا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا استفادہ افادہ سے، اور در آمد کا عمل برآمد کے عمل سے بڑھا ہوا تھا، اور ایسا ہونا قدرتی امر بھی تھا، کہ ہندوستان میں دین اور علم دونوں ترکستان و ایران کے راستہ ہی سے پہنچے تھے۔

ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال

لیکن دسویں صدی کا سیاسی، دینی و علمی جائزہ نامکمل رہے گا، اگر اس ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال کا ذکر نہ کیا جائے، جو اس دور میں ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا، تاکہ اس صدی کی صحیح صورت حال سامنے آجائے، اور یہ غلط فہمی نہ ہو کہ زندگی کے دریا میں جو ہزاروں میل کی مسافت میں بہہ رہا تھا، کامل سکون تھا، جس میں دین کی تعلیم و اشاعت اور اخلاق و روحانیت کی تربیت و ترقی کی کشتی پورے اطمینان کے ساتھ چلائی جاسکتی تھی، اور اس کو کسی تلاطم یا بھنور کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو ”احیاء و تجدید دین“ کے بجائے اس دور کے لئے ”تعلیم و تربیت“ اور ”نشر و اشاعت“ کا عنوان زیادہ موزوں تھا، ہندوستان کے اسلام کے دینی و ثقافتی مرکز (حجاز مقدس اور مصر و شام و عراق) سے دور ہونے، اسلام کے یہاں ترکستان و ایران کا چکر کاٹ کر پہنچنے، عربی زبان کے رائج نہ ہونے، اور خاص طور پر علم حدیث کی (جس سے دین کی صحیح روح، سنت و بدعت کا فرق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ضرورت کا احساس اور صحیح دینی احتساب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے) عدم اشاعت، حج اور طلب علم کے لئے باہر کے ملکوں کے سفر کی دشواریوں، اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کا غیر مسلم اکثریت سے گھرے رہنے نے (جو اپنے مذہب میں سخت راستہ الاعتقاد، غیر اسلامی رسم و رواج کی سختی سے پابند اور حدود و جہ توہم پرست تھی) ہندوستان کے مسلمانوں کو انتشار پسند دعوتوں، گمراہ کن فرقوں اور طالع آزمائندہ ہی پیشہ وروں کی آسان چراگاہ بنا دیا تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تشبیہ کی وہ غالی اور جارحانہ شکل تھی، جو ایرانیوں کے اثر سے

جنوبی ہند کے بعض مقامات اور کشمیر میں پیدا ہوئی، دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والی سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے (جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر احمد نگر آئے تھے) تشیع قبول کیا، اور اس میں بڑا مبالغہ کیا، یہاں تک کہ مساجد خالقہوں، بازاروں اور سڑکوں پر خلفاء ثلاثہ پر علی الاعلان تبرائے کرنے کا حکم دیا، اس خدمت کے انجام دینے والوں کے بڑے بڑے مشاہیر مقرر کئے، اہل سنت میں سے بہت سے رنوں کو قتل اور گرفتار کیا، دوسری طرف میر شمس الدین عراقی کی کوشش سے کشمیر میں تشیع پھیلا، انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی، کہتے ہیں کہ چونتیس ہزار ہندو شیعہ ہو گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جدید مذہب بھی ایجاد کیا جس کا نام نور بخشی تھا، اور فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کے مسائل نہ تو اہل سنت کے مسائل سے اتفاق رکھتے ہیں، نہ فرقہ امامیہ کے مسائل کے مطابق ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑی جس کا اعتقاد تھا کہ سید محمد نور بخش مہدی موعود تھے۔

۹۵ء میں فوجی مدد اور سلطنت ایران کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ہمایوں عازم

ایران ہوا، اس وقت ایران میں شاہ طہماسپ تخت نشین تھا، شاہ ایران نے ہمایوں سے مذہب تشیع قبول کرنے کی فرمائش کی، ہمایوں نے کہا کہ ایک پرچہ پر تمام معتقدات لکھ دیئے جائیں، بادشاہ نے بطریق نقل اس کو پڑھ دیا، بادشاہ کے تبدیلی مذہب کی اگرچہ کوئی مستند شہادت نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ایران کے قیام شہنشاہ ایران کی فیاضانہ میزبانی و مسافر نوازی اور فراخ دلانہ فوجی مدد سے ممنونیت و تشکر کے نتیجے میں اس کے دل

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری (مصنف فرقہ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا تھا)

۲۔ ملاحظہ ہو "تاریخ فرشتہ" از محمد قاسم بیجاپوری۔ ۳۔ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۲۵

میں مذہب اشاعشری کے لئے وہ نرم گوشہ ضرور پیدا ہو گیا ہوگا، جو اس کے راسخ الاعتقاد
 تیموری اسلاف کے دل میں (جو راسخ الاعتقاد سنی خفی تھے) اور ان میں سے بعض کا بعض مشائخ
 نقشبندیہ سے ارادت کا تعلق بھی تھا) پایا نہیں جاتا تھا، ہمایوں کی مدد کے لئے ایران سے امراء
 قزلباش آئے تھے، ہمایوں خود نیک دل، شائستہ و مہذب انسان تھا، ہر وقت با وضو رہتا
 تھا، اللہ رسول کا نام بغیر طہارت کے نہیں لیتا تھا، کتب خانہ کے زینے سے جہاں اذان سن کر
 بیٹھ گیا تھا، پھسل کر گرا، اور ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو وفات پائی۔

اس کے امراء خاص اور ارکان سلطنت میں بیرم خان خاناں بڑی خوبیوں اور
 کمالات کا امیر و سردار تھا، رفیق القلب، جمہ و جماعت کا پابند، علماء و مشائخ کا قدردان
 تھا، لیکن تفضیلی تھا، اس کا مشہور شعر ہے۔

شہے کہ بگذرد از نہ سپہرا و

اگر غلام علی نیست، خاک بر سر او

میر شریف آملی علوم حکمت میں مہارت تامہ رکھتا تھا، وہ اکبر کے عہد میں ہندوستان
 آیا، اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی، پہلے ۹۹۲ھ میں کابل، پھر ۹۹۹ھ میں بنگالہ کی صدارت
 کے عہدہ پر سرفراز کیا، اور اس کو اجیر اور موہان میں جاگیر دی، "آثر الامراء" کے مصنف
 خوانی خاں کے بیان کے مطابق وہ لحدانہ خیالات رکھتا تھا، تصوف کو فلسفہ سے مخلوط کیا
 اور عنفیت کا قائل تھا۔

ہندوستان میں دو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لئے خطرناک اور
 باعث تخریب تھیں، ان میں سے ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ تھا جس کی بنیاد نبوت محمدی
 کے الف اول پر اختتام، اور الف ثانی سے ایک نئی نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے،

یہ تحریک بلوچستان میں پھیلی پھولی، لیکن وہ جس شخص کو پیغمبر مانتی ہے، اس کے بقول اس کا ظہور
 ۹۷ھ میں بمقام اٹک ہوا، اس فرقہ کی کتاب ذکر ی کون ہیں؟ کا مصنف بانی فرقہ ذکر یہ
 ملاحظہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”آپ شب و شب بوقت بام (صبح) قطب شہر سے بطرف زمین بصورت انسانی و لباس فقیری

اٹک کے پہاڑی علاقہ میں ایک اونچی پہاڑی پر ۹۷ھ میں قدم مبارک رکھ کر آشکار ہوئے۔“

ذکر ی ملاحظہ موصوف کو خاتم النبیین اور افضل الرسل اور نور اولین و آخرین مانتے ہیں،

موسیٰ نامہ قلمی میں ہے۔

”حق تعالیٰ گفت اے موسیٰ بعد از مہدی پیغمبر دیگر نبیا فریدم را اولین و آخرین ہیں است کہ

پیدا خواہم کرد۔“

اس فرقہ کی کتابوں ”معراج نامہ قلمی“ ”ثناء مہدی“ (مطبوعہ) ”سفر نامہ مہدی“ ”ذکر الہی“

وغیرہ میں ایسی صریح عبارات آئی ہیں جن سے ملاحظہ موصوف کی تنزیہ و تقدیس اور ان کے

بارے میں ایسے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار ہوتا ہے جن سے ان کی تمام انبیاء پر ترجیح اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت اور جرات افترا و تخلیق اور دجل و تبلیس کے عجیب نمونے ظاہر

ہوتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مستقل کلمہ بھی وضع کیا تھا، جو ”لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ“

تھا، ناز پڑھنے والوں کی تکفیر و تضحیک کرتے تھے اسی طرح روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے وہ منکرین، بجائے

حج بیت الشہ کے حج کوہ مراد کو ضروری سمجھتے تھے، تاریخ خوانین بلوچ میں ہے کہ بلوچستان کے کچھ

۱۔ ”ذکر ی کون ہیں؟“ ۲۔ ”ایضاً“ ۳۔ اعتقاد نامہ قلمی ۴۔ ملاحظہ ہو ذکر ی مصنفین کی تصنیفات

”ذکر توحید“ (مطبوعہ) میں ذکر ی ہوں ”تفسیر ذکر اللہ“ (مطبوعہ) اور تصنیفات مذکورہ الصدر نیز ملاحظہ ہو بلوچستان

ڈسٹرکٹ گزیٹیر جس میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ ان کے اور اہل سنت کے عقائد میں بنیادی اختلاف ہے (۱۱۱ مطبوعہ)

علاقوں میں ذکرِ جیسا خلافت اسلام مذہب جاری و ساری تھا، اور وہ لوگ مسلمانوں کو نمازی کہہ کر قابلِ گردن زدنی گردانتے تھے، میر نصیر خاں اعظم نے ایک طرف شرعِ محمدی کا نفاذ اور اجرا فرمایا اور دوسری طرف ذکرِ یوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلہ جہاد جاری رکھنا تاکہ بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر بیخ کنی کی گئی^{۱۰۱}

ہندوستان میں دوسرا مشتبہ فرقہ فرقہء روشنائیہ تھا، افغانوں کی زوال پذیر طاقت کو سہارا دینے اور مغلوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لئے فرقہء روشنائیہ نے جو اہم کردار ادا کیا، اس نے اس عہد کے مصنفین کے بیانات کو محلِ غور اور محتاجِ تحقیق بنا دیا ہے کہ ان میں سیاسی اغراض کہاں تک کارفرما ہیں اور تاریخی حقیقت کتنی ہے؟ اس فرقہ کے معتقدوں اور حامیوں اور اس کے مخالفین کے بیانات میں اتنا تضاد ہے کہ ایک بانی فرقہ کو پیر روشن گئے نام سے یاد کرتا ہے، اور دوسرا "پیر تاریک" کہتا ہے اس فرقہ کے بانی بایزید انصاری تھے، جو پیر و شاں (یار روشن) بھی کہلاتے ہیں، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، جالندھر میں ۹۳۱ھ میں (بابر کی سلطنت سے ایک سال قبل) پیدا ہوئے، ان کا بچپن اور عنفوان شباب خاندانی کشمکش اور بزرگوں کی بے توجہی میں گزرا، اور اس کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی، کسی سفر کے

لئے تاریخ بلوچ اس مضمون میں رسالہ "اکن" (اکوڑہ خٹک) کے ۱۹۷۹ء کے شمارہ کے ایک مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے جو

مولانا عبدالحق صاحب مدرس دارالعلوم تربت بلوچستان کے قلم سے ہے نیز ملاحظہ ہو ذکرِ مذہب کا ایلی جائزہ اکن، جنوری ۱۹۸۰ء

۱۰۱ اس عہد میں تصوف کا جو اثر اور اس کی غیر معمولی مقبولیت تھی اس کو دیکھتے ہوئے بعض دوراندیشوں اور مصلہ مندوں کا خیال متبع نہیں قرار دیا

جاسکتا کہ اس کو پٹھانوں کی شیرازہ بندی کا ذریعہ بنا کر اور انھیں ایک مذہبی تحریک کے پرچم تلے جمع کر کے مغلیہ حکومت کے

خلافت آمادہ جنگ کیا جاسکتا ہے اور اس سے افغانوں کے زائل شدہ اقتدار کو واپس لایا جاسکتا ہے۔

دوران (بعض روایات کے مطابق) ان کی ملاقات سلیمان اسماعیلی سے ہوئی، جو گیوں کی صحبت کا حاصل ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے، ان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق انھیں خواب نظر آنے لگے اور عالم غیب سے آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ ذکر خفی میں منہمک ہو گئے، اور کچھ عرصہ کے بعد اسم اعظم کے ورد میں ان کو استغراق ہوا جب وہ اکتالیسویں برس کو پہنچے تو انھیں ہاتھ نے ندا دی کہ اب انھیں طہارت شرعی کو ترک کر دینا چاہئے، اور مسلمانوں کی نماز کی جگہ انبیاء کی نماز پڑھنا چاہئے، اس کے بعد وہ سب کو مشرک و منافق سمجھنے لگے، اور چلہ کشتی شروع کر دی، اس کے بعد انھیں علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کا حکم ملا، دعوائے مہدویت اور الہام ربانی کا بھی ان پر الزام ہے، ان کے مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی، انھوں نے بعض کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تاکہ وہ تبلیغ کے کام کو اور زیادہ وسیع کریں۔

لیکن ان کی تصنیف "صراط التوحید" میں ان کی جو تعلیمات آئی ہیں وہ تصوف کی اہل بافراط تعلیمات اور غالی خود شناسی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، جو کسی شیخ کامل اور کتاب و سنت کے علم راسخ کے بغیر اکثر بطور خود ریاضت کرنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کے بعض اصول و عقائد بیان کئے گئے ہیں، وہ غالباً ان کے ضوابط جنگ ہیں، جو اس زمانہ سے متعلق ہیں، جب وہ مغلوں اور اپنے مخالف افغان قبائل سے برسرِ پیکار تھے۔

انھوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد و مرید بنایا، ہندوؤں میں اپنا تبلیغی کام شروع کیا، سندھیوں اور بلوچیوں میں بھی ان کا اثر پھیلنا شروع ہوا، پیر

اے لیکن خود شیخ بایزید نے اپنی کتاب "مقصود المؤمنین" میں لکھا ہے کہ "شریعت درخت کی چھال کی مانند ہے، اور درخت کی بقا چھال کے بغیر ناممکن ہے" ۴۴ صفحہ نسخہ قلمی کتب خانہ جامعہ پنجاب۔ ۴۵ شیخ بایزید نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ

وہ مہدی ہیں جیسا کہ اس مباحثہ کی سرگزشت میں موجود ہے، جو ان کے اور کابل کے قاضی خاں درمیان ہوا تھا نسخہ قلمی جامعہ پنجاب۔

اور علماء کی انتہائی مخالفت کے باوجود ان کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی، شیخ یازید نے اپنے داعی اور مبلغ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں، امراء و علماء کے پاس بھیجے، ان میں سے ایک شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی آیا، ان کی زندگی کے آخری ڈھائی سال مغلوں سے جنگ میں گزرے اور ۹۸۰ھ میں کالا پانی کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا، اور بہشت نگر میں دفن ہوئے، ان کی تصنیفات میں سے تین کتابیں (خیر البیان، مقصود المؤمنین، صراط التوحید) موجود ہیں، جس میں انھوں نے اپنے بنا کردہ فرقہ کے اصول و عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں سے خیر البیان اور مقصود المؤمنین، ان کے ماننے والوں کے نزدیک نیم مقدس کتابوں کا حکم رکھتی تھیں، ان کے سب سے بڑے مخالف اخوند درویش تھے، یوسید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (م ۹۹۱ھ) کے مرید تھے، انھوں نے ان کی تردید میں کتاب "محزن الاسلام" لکھی، حال نامہ پیر و شگیر (فارسی) شیخ یازید کی خود نوشت سوانح حیات ہے، اس کو علی محمد مخلص نے اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

اندرونی اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے خستہ حال ہو کر نیز علماء کی شدید مخالفت کے باعث اور اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تشریف ہو گئے، اس فرقہ کے افراد کم ہوتے ہوئے بالآخر تقریباً ناپید ہو گئے۔
 "داتان ترکنازان ہند کا مصنف مرزا نصر اللہ خاں فدائی دولت یار جنگ اس فرقہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:-

”روشنائی اس فرقہ کا نام ہے جس کی یازید نامی ایک شخص نے جواہل ہند میں سے تھانیا ڈالی“

اس نے افغانوں میں جا کر پیغمبری کا دعویٰ کیا، اور اپنے کو پیغمبر روشنائی کہلایا، اور ان کو اپنا پیرو

بنایا، انھوں نے آسمانی صحیفوں کو جواب دیا اور خدا کی عبادت ترک کی، اس کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا، اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں، پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تھا، وہ لوگوں کو بشارت سناتا تھا کہ وہ دن قریب ہے کہ پورا کرۂ ارض ان کے زیر تصرف ہوگا۔

حالیہ نوشتہ بایزید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو الہام ہوتا تھا اور جبریل ان پر نزول کرتے تھے، اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا، وہ خود اپنے کو نبی سمجھتے تھے، نماز پڑھتے تھے، لیکن قبلہ نہیں ضروری نہیں سمجھتے تھے، "فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فِتْرَةَ حُجَّةِ اللَّهِ" سے استدلال کرتے تھے، پانی سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اپنے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے تھے۔

مصنف نے اس سلسلہ میں ان کے بعض ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جو عارفانہ اور متصوفانہ ہیں، اور جن میں کوئی قدرح نہیں کی جاسکتی، لیکن اسی کے ساتھ ظلمات اسلام خیالات بھی ہیں۔

"ان کے یہاں خود شناسی و خدا شناسی سب سے اہم چیز تھی، اگر ہندو کو خود شناس دیکھتے تو مسلمان پر ترجیح دیتے، مسلمانوں سے جزیہ لیتے، خمس بیت المال میں داخل کرتے اور اہل حیات تقسیم کرتے، ان کے سب فرزند فسق و فجور سے مجتنب اور ظلم و ستم سے بہت دور تھے، عربی، فارسی، ہندی اور پشتو میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، ان کی ایک کتاب "خیر البیان" ہے جو چار زبانوں میں ہے اور وہ حق تعالیٰ کا براہ راست ان کو خطاب اور ان کے عقیدہ میں آسمانی کتاب ہے۔"

۱۔ اس عہد میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی، صوفیا و مشائخ کی اکثریت (کم سے کم ہندوستان میں) اس عقیدہ میں

غلو رکھتی تھی۔ (مصنف) ۲۔ ۳۴-۳۵ ۳۔ منقول از جہاننامہ بایزید و دہستان مذاہب

معاصر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید نے افغانوں کی ایک بڑی طاقت مہیا کر لی تھی، اور کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درہ خیبر پر بھی قبضہ کر لیا تھا، اور پاس پڑوس پر بھی حملہ کرنے لگے تھے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اکبر نے ایک فوج بھیجی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کر سکی بایزید کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین سلطنت متعلیہ کے لئے خطرہ بنے رہے، راجہ مان سنگھ، بیرل اور زین خاں بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئے اور بیرل تو ایک مقابلہ میں مارا گیا، مان سنگھ ۹۹۵ھ کے حملہ میں بھی روٹنشاہیوں کے مقابلہ میں ناکام رہا، فتنہ شاہجہاں کے عہد ۱۰۵۸ھ میں ختم ہوا۔

ہمدویت

اس عہد کی سب سے زبردست انگیز تحریک، تحریک ہمدویت تھی جس کے بانی سید محمد (ابن یوسف) جو نیپوری (ولادت ۸۴۷ھ) کی وفات اگرچہ دسویں صدی کی ابتدا (سنہ ۹۱۷ھ) میں ہو گئی تھی لیکن اس کے اثرات دسویں صدی کے اخیر تک باقی رہے، غیر جانب دارانہ تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس تختی براعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک، موافقت و مخالفت میں معاصر اور بعد کے مؤرخین و مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں۔

(۱) سید محمد جو نیپوری باطنی اور خلقی طور پر ان عالی استعداد اور قوی الباطن لوگوں

میں تھے، جو زمانہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں، وہ غنقوان شباب ہی میں بڑے جری و شجاع، اپنے ماحول اور دور کے حالات سے غیر مطمئن، بے محابا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور منکرات شرعی پر زبرد تو بیخ کرنے والے تھے، اور اسی وجہ سے اسی زمانہ میں ان کو اسد العلماء کا خطاب دیا گیا تھا، سلوک کی تعلیم شیخ دانیال سے حاصل کی، اور شدید ریاضت و مجاہدہ کیا، پہاڑوں اور وادیوں میں عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کی جس کا اکثر نتیجہ (بالخصوص جب شیخ کامل کی نگرانی اور رہنمائی حاصل نہ ہو) ایسے واردات و اشارات ہوتے ہیں جن سے لغزش کا اندیشہ، اور بعض اوقات غلط یقین کا حصول ہوتا ہے اور ایسا شخص جو مقام تحقیق و رسوخ کو نہ پہنچا ہو، الفاظ کو غلط محمل پر حمل، اور اشارات غیبی کو غلط معنی میں سمجھ سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے اسی دوران کسی سفر میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے بعد بھی متعدد بار مختلف مقامات پر اپنے ”مہدی موعود“ ہونے کا اعلان کیا، اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

(۲) وہ کثرت ریاضت، قوت باطنی اور جذبہ امر بالمعروف کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے صاحب تاثیر تھے، ان کی شخصیت و صحبت ان کی گفتگو اور بیان سامعین و حاضرین پر جادو کا اثر رکھتا تھا، اور سلاطین و امراء سے لے کر عوام و خواص تک سب پر بے خودی اور خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی، اور ان کے لئے بڑے سے بڑے منصبوں اور جاہ و حشمت کو خیر باد کہہ کے، ترک دنیا اور ترک وطن کر کے ان کے ہمراہ ہو جانا، اور اپنے کو ان کے حوالہ کر دینا آسان ہو جاتا تھا، دارالحکومت مانڈو میں ہی غیاث الدین شاہ خلجی کے ساتھ پیش آیا، اور یہی جانیپانیر گجرات میں محمود شاہ گجراتی پر اثر ہوا، یہی احمد نگر احمد آباد، بید

لہ افسوس ہے کہ کتب تراجم و تذکرہ میں ان کے حالات نہیں ملتے۔

اور گلبرگ میں دیکھنے میں آیا، ایک خلقت کی خلقت نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اور ہزاروں آدمی ان کے قافلہ میں شامل ہو گئے، سندھ کے علاقہ میں بھی ایک شہر آشوب کا منظر نظر آیا، اور لوگوں کو تنہا منہ مشکل ہو گیا، قندھار میں بھی ان کے بیان نے قیامت برپا کر دی، اور حاکم قندھار مرزا شاہ بیگ کا ان کی طرف میلان ہو گیا۔

(۳) ان کی زندگی ترک و تجرید، زہد و استغناء، قطع ماسوی الشہ کی زندگی تھی، اور سفر و حضر میں ان کے ”دائرہ“ میں اسی زہد و ایثار اور ذکر و عبادت کی فضا نظر آتی تھی، کھانا اور ہر چیز برابر برابر کسی کی خصوصیت کا لحاظ کئے بغیر تقسیم ہوتی تھی، اور اس میں خود ان کی اور ان کے گھر کے افراد کی رعایت نہیں ہوتی تھی، اس فضل سے کوئی نو وارد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ (۴) اس دعوت نے متعدد ایسے بے لوث، سرفروش و خود فراموش داعی پیدا کر دیئے تھے، جنہوں نے ”کلمۃ حق عند سلطان جائز“ کا فریضہ بڑی شجاعت اور قوت کے ساتھ ادا کیا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سخت اذیتیں برداشت کیں، اور اس راہ میں شہی خواہی جان دی، انسان ان کے حالات پڑھ کر متاثر ہوئے اور سید محمد جونپوری کی تربیت اور صحبت کی تاثیر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر شیخ علا بن حسن البیانوی (شیخ علانی) (م ۹۵۷ھ) کے حالات ملاحظہ ہوں، جنہوں نے سلطان سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری کے دربار میں دعوت و تذکیر کا فرض انجام دیا، اور آداب شاہی اور کورنش کے بجائے سلام سنون پر اکتفا کیا، اور دوسری مرتبہ سفر کی خستگی اور طاعون کی بیماری کی حالت میں کوڑے کھائے، اور اس سے جانبر نہ ہونے پر ان کا جسم ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا، اور شکر میں اس کو پھرایا گیا۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ علا بن حسن البیانوی ”نہجۃ الخواطر“ جلد ۴، یا منتخب التواریخ از علامہ تقی الدین (باقی صفحہ ۵۵ پر)

(۵) ان کی دعوت کے پانچ ارکان تھے (۱) ترک دنیا (۲) عزالت عن الخلق (۳) ہجرت عن الوطن (۴) صحبت صدیقین (۵) دوام ذکر (حفظ انفس کے طریقہ پر) وہ مشاہدہ الہی کو (خواہ وہ کچھ سر ہو یا بطریق قلب، بیداری میں ہو یا خواب میں) ضروری اور شرط ایمان قرار دیتے تھے۔

(۶) حالت شکر میں، یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر ان سے اپنی ذات کے متعلق متعدد بار اور صریح طریقہ پر ایسے اقوال اور دعاوی صادر ہوئے، جن کی تاویل و توجہ مشکل ہے اور جنہوں نے ان کے متبعین کو (ابتداء میں ان کی نیت کتنی ہی صحیح اور ان کا جذبہ دینی کتنا ہی قابل قدر ہو) آسانی کے ساتھ ایک مخالف جمہور اور مخالف اہل سنت فرقہ کی شکل دے دی جس نے ان اقوال کا سہارا لیا، اور ان پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی، بعد کے آنے والوں اور غالی معتقدین نے (جیسا کہ قاعدہ ہے) ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کی تقدیس و تعظیم میں اتنا غلو سے کام لیا کہ ان کو انبیاء کا ہمسر اور بعض سے افضل و برتر بنادیا اور بعض بعض انتہا پسندوں اور غالیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہمسر و مساوات کے عقیدہ تک پہنچا دیا (اگرچہ سید محمدان کے نزدیک بھی آپ کے پیروا و ر دین محمدی کے تابع تھے) اور بعض نے یہاں تک غلو کیا کہ اگر کتاب و سنت ان کے کسی قول و فعل کے مخالف ہوں تو کتاب و سنت کا اعتبار نہیں "اسی طرح سے اس بارے میں بھی بہت غلو کیا گیا کہ جو مسلمان انوار الہی کا مشاہدہ اپنی آنکھ یا دل سے سوتے یا جاگتے

(باقی صفحہ کا) مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص ادبی انداز میں شیخ علانی کی شہادت کی دل دوز

داستان مفصل و موثر طریقہ پر بیان کی ہے (ملاحظہ ہو "مذکرہ" ص ۵۳ تا ۶۱)

لے اور ایسے اقوال بہت سے غالی صوفیوں اور شدید ریاضت کرنے والے عابدوں سے منقول ہیں۔

نکھی نہ کرے وہ مومن نہیں ہے، عام مسلمانوں اور اس فرقے کے درمیان یہ خلیج مرور زمانہ سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ہندوی ایک الگ فرقہ بن کر اہل سنت و اجماعت سے کٹ گئے، اور وہ مقاصد فوت ہو گئے جن کے لئے یہ تحریک مشروع ہوئی تھی، اور جو غالباً اس تحریک کے بانی کے پیش نظر تھے۔

دسویں صدی کے وسط تک اس جماعت کے اثرات ہندوستان اور افغانستان پر قائم رہے، اور دکن میں اس کے پیروؤں کی کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، دسویں صدی کے آخر میں ہندویوں کی طاقت اور تعداد میں جو اضافہ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسماعیل نظام شاہ بن برہان نظام شاہ ثانی کے زمانہ حکومت (۹۹۶-۹۹۸ء) میں جمال خاں ہندوی نے جو منصب داران صدہ میں سے تھا، احمد نگر میں بہات شاہی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، اسماعیل نظام شاہ کو بھی (جو خور دسال تھا) اپنے مذہب میں لے آیا، تھوڑے زمانہ میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے طائفہ ہندویہ جمع ہو گیا، جمال خاں کے گرد و پیش دس ہزار کے قریب ہندوی جمع ہو گئے، اور اس نے احمد نگر کی سلطنت پر پورا تسلط حاصل کر لیا، جب برہان نظام شاہ جو باہر چلا گیا تھا، احمد نگر ۹۹۸ء میں واپس ہوا تو اس نے مذہب ہندویہ کو جس کا رواج ہو گیا تھا، خارج کیا، اور سابق کی طرح مذہب اشاعشری نے رواج پایا۔

دسویں صدی کے اخیر میں ہندویت کی تحریک میں نمایاں ضعف پیدا ہوا، اس دعوت اور سید محمد جوہنپوری کے دعاوی اور زیادہ تر ان کے غالی معتقدین کے تشدد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں ایک انتشار اور اضطراب پیدا ہو رہا تھا، اس کے

اس عہد کے علماء راہنہین جو کتاب و سنت پر گہری نظر اور علوم دینیہ میں رسوخ تام رکھتے تھے، پریشان اور فکر مند تھے اور وہ اس کو ایک بڑی ضلالت اور فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنے لگے تھے، چنانچہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم حدیث و سنت علامہ محمد طاہر عثمینی (۱۲۹۱ھ - ۱۳۸۶ھ) مصنف مجمع بحار الانوار نے اس کی تردید اور انسداد کا بیڑا اٹھایا، اور یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا (جس کے اثر میں پورا گجرات آگیا تھا) خاتمہ نہیں ہو جائے گا، وہ اس وقت تک پکڑی نہیں باندھیں گے، اگر نے ۱۲۹۸ھ میں جب گجرات فتح کیا، اور علامہ محمد طاہر کی ملاقات ہوئی تو اپنے ہاتھ سے ان کے دستار باندھی، اور کہا کہ دین کی وہ نصرت و حمایت اور اس نئے فرقہ کا استئصال (جس کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا) میرے ذمہ ہے، اس نے مرزا عزیز الدین کو (جو اس کا رضاعی بھائی تھا) گجرات کا حاکم مقرر کیا، اور اس نے اس کام میں ان کی مدد کی، اور اس کے زمانہ میں ان کا زور کم ہو گیا، لیکن جب مرزا عزیز اپنے اس منصب سے سبکدوش ہوا، اور اس کی جگہ پر عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات کی عملداری ملی تو ہمدویوں کو پھر طاقت حاصل ہو گئی، اور وہ میدان میں آ گئے، پھر علامہ محمد طاہر نے پکڑی اتار دی اور دارالحکومت کا قصد کیا، لیکن ان کے پیچھے پیچھے ہمدویوں کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی، اور اچھین پہنچتے پہنچتے ان کو شہید کر دیا۔

بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب

تاریخ و فلسفہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ ذہنی بے چینی، رد عمل کی جارحانہ تحریکیں اور انتشار خیال پیدا ہونے کے قوی اسباب و محرکات عام طور پر حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

(۱) معاشرہ کے قول و عمل و عقیدہ و زندگی میں عدم مطابقت اور تضاد جو بچپن اور ذکی احس طبیعتوں میں شدید بے اطمینانی پیدا کرتا ہے، اور وہ ایک خاص مرحلہ پر پہنچ کر باغیانہ دعوتوں اور تحریکوں میں پناہ لیتی ہیں اور اگر وہ خود کوئی تحریک نہیں پیدا کر سکتی ہیں، تو تشکک و اذیت کا شکار ہو جاتی ہیں، عام طور پر یہ تحریکیں بہت جلد غلو اور انتہا پسندی اختیار کر لیتی ہیں، اور خود اس فاسد اور کمزور معاشرہ سے زیادہ دینی حیثیت سے گمراہ سیاسی حیثیت سے خطرناک اور معاشرہ کے لئے انتشار انگیز بن جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی میں مال و دولت کی فراوانی، عہدوں اور منصبوں کی طمع اور ان میں مسابقت کے جذبہ نے یہ تضاد پیدا کر دیا تھا، اور دنیا داروں اور دنیا پرستوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا، جو دینی اور اخلاقی تعلیمات و اصول کو بالائے طاق رکھ کر حصول جاہ و منصب، یا لذت و تمتع کے لئے ہر طرح کی بے عنوانی اور بے راہ روی اختیار کرنے لگا تھا، یہ طبقہ عام طور پر ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے، جب وسیع اور مستحکم سلطنتیں قائم ہو جاتی ہیں، اور امن و استقرار کا دور آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوری خاندان کی حکومت کے آخری دور اور مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد ہندوستانی معاشرہ میں یہی کیفیت نمایاں ہو گئی تھی اور بہت سے خلافت اسلام اور خلافت شریعت اعمال و رسوم اور آئین جاری ہو گئے تھے، سلطنت اموی اور سلطنت عباسی میں بھی یہ طبقہ نمایاں طور پر ظاہر ہوا تھا، اور اسی کو پہلی صدی ہجری کے آخر کے سب سے بڑے مصلح و داعی حضرت جناب صری (م ۳۸۰ھ) "منا فتن"

لے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سلیم شاہ (یا اسلام شاہ) کے زمانہ حکومت میں ہر ولایت (یا سرکار) کے مستقر پر جو کے دن تمام شاہی عہدیدار امراء جمع ہوتے تھے، اور ایک بلند شامیانہ میں کرسی پر سلطان سلیم شاہ کی جوتی رکھ کر

اس کے روبرو سر جھکاتے تھے اور مجبوءتاً ان میں شاہی پڑھایا جاتا تھا، (تاریخ ہندوستانی فرید آبادی جلد سوم ص ۱۰۰)

کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(۲) سلاطین و حکام کا استبداد ان کی مطلق العنانی، جبر و تعدی، احکام شریعت سے چشم پوشی اور کھلی ہوئی نفس پرستی، جو دینی حوصلہ مندوں کو انقلابی تحریک اور بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے۔

(۳) رسمیت اور ظاہر پرستی جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، معاشرہ اخلاقی و ذہنی انحطاط اور علمی حلقے سخت ترین جمود کا شکار ہو جاتے ہیں، اور نظام تعلیم بے روح، حقیقت پسندی سے دور اور ذہنی طبیعتوں کو تسکین و تسلی دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، تو لوگ ایسی تحریکوں میں اپنے ذہن کی تسکین کا سامان پاتے ہیں (جو غلط یا صحیح طریقہ پر) اس محدود دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، کتاب و سنت کی تعلیم سے غفلت اور حدیث سے ناواقفیت بھی اس کا ایک اہم سبب اور قوی محرک ہے جس سے ہر دور میں دین کا صحیح مزاج پیدا ہوتا ہے، اور جس سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے فہم و عمل میں اصل دین

لے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے اور مرصع کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:-

”مسلمانوں کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی، افسانہ شاہاں اور تاریخ داؤدی میں جن قصوں کو عجائب روزگار بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ اخلاقی پستی اور اعتقاد کی زبوں حالی کے آئینہ دار ہیں، فقیروں کی جیاشاد زندگی، طالب علموں کی بے راہ روی، تعویذ گندوں میں بے جا اعتقاد، جنوں اور دیوانوں کے قصے، چراغ سلیمان کی داستانیں، کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں اس طرح عام نہیں ہو سکتی تھیں، حقیقت میں مہدوی تحریک اسی ذہنی انحطاط اور مذہبی جمود کو دور کرانے کی ایک کوشش تھی؟“

(”سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات“ ص ۲۵۱)

اسوہ رسول اور طریقہ صحابہ و تابعین سے کتنا بعد اور انحراف پیدا ہو گیا۔

(۴) کسی ایسی دینی شخصیت کا فقدان جو ذہنی و باطنی دونوں عیشتوں سے عام سطح سے بلند طاقتور و دلاویز شخصیت اور مؤثر و طاقتور روحانیت کی مالک ہو، اور جو ذہن کی بے چینی، روح کی بیتابی کو دور اور معاشرہ کے تین مردہ میں ایک نئی روح پھونک سکے اور اسلام کی ابدیت، شریعت محمدی کی صداقت اور کمال و ترقی کے وسیع امکانات پر نیا یقین و اعتماد پیدا کر سکے۔

دسویں صدی کی تاریخ کے مطالعہ سے (تراجم و تذکرے کی کتابوں، اور حوادث و واقعات کی روئدادوں کی مدد سے) معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ہندوستان میں اس بے چینی اور انتشار خیال کے یہ قدرتی اسباب پچھلی صدیوں کے مقابلہ میں بڑھ گئے تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ذہنی بے چینی، اور انتشار انگیز تحریکیں اس صدی میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔



دسویں صدی کا فتنہ کبریٰ

”الف مانی“ سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ

الف ثانی کا مغالطہ

دسویں صدی ہجری اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے اختتام پر اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل اور دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کا آغاز ہوتا ہے، عام حالاً میں یہ تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، دنیا کی طویل عمر اور حیات انسانی کی وسیع تقویم میں جس طرح ہر صدی پر ایک ورق الٹتا ہے، ایک ہزار سال پر بھی گیارہویں صدی کا نیا ورق الٹنے والا تھا، لیکن جب ذہنوں میں شریعہ کا انتشار عقائد میں عظیم زلزلے دین کی صحیح تعلیم اور کتاب و سنت کے علم سے نہ صرف غفلت و جہالت بلکہ وحشت و نفرت ہو، اہل یونان کے علوم کو عقل انسانی کی آخری منزل قرار دیا جائے، اور انھیں کا نام ”حکمت“، علوم دانشمندی“ اور انسانی علوم و کمالات کے وسیع آفاق میں ”الافق المبین“ قرار دیا جائے، بات کا تشنگہ بنالینا، اور رائی کا پریت کھڑا کر لینا، نظام تعلیم نصاب درس اور علمی حلقوں کا کمال سمجھا جائے، علوم نبوت، صحت آسمانی، وحی و تنزیل اور نصوص قرآنی کی توضیح و تفسیر کی جائے، اور ان پر ایمان لانے کو

۱۔ ملاحظہ فرمادیں کہ کتاب ”الافق المبین“ کی تلمیح۔

جہل، کورانہ تقلید اور عقل دشمنی کا مراد و قرار دیا جائے، پھر اس کے ساتھ اس وقت کی حکومتوں اور سیاسی نظاموں سے (جو غلط اور صحیح طریقہ پر مذہب کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو اپنے اقتدار کا پشت پناہ سمجھتے تھے) بیزاری بھی بغاوت و اشتعال کی حد تک پہنچ گئی ہو، پھر سونے پر سہاگہ جب ایسے حوصلہ مند اور طالع آزما افراد پیدا ہو جائیں، جو ذہانت اور اس وقت کے علم و حکمت سے مسلح بھی ہوں، اور وہ نئے دور کا بانی و رہنما، اور احترام و اقتدار کا مالک ہونے کے سہانے خواب بھی دیکھنے لگیں، اور ان کے دل و دماغ میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگے کہ ماہ و سال کی گردش سے وہ بھی وہی فائدہ اٹھائیں جو پچھلے پیشوایان مذہب نے (ان کے بقول) اٹھایا، اور ان کی تحریک و دعوت سے قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک نئی تقویم کا آغاز ہوا، جس کی ان کے خیال میں سب سے کامیاب اور مکمل شکل اس عہد کا آغاز تھا، جو بعثت محمدی اور ظہور اسلام سے عرب میں شروع ہوتا ہے اور ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے، ان کے نزدیک اس دین کی تاریخ اور دنیا کی تقویم میں الف اول کا ختم ہونا اور الف ثانی کا شروع ہونا ایک ہم حادثہ اور ایسا زریں موقعہ ہے، جو جلد جلد اور بار بار ہاتھ نہیں آتا، اور اگر اس کو گنوا دیا جائے گا تو پھر ایک ہزار سال کا انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے اس موقعہ کو کسی طرح سے جانے نہیں دینا چاہئے، ورنہ صدیوں کفِ افسوس منسا پڑے گا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں ہمیں عالم اسلام کے مختلف حصوں میں اور خاص طور پر اس کے سب سے بے چین، طباع، اور تخلیقی و اختراعی صلاحیت رکھنے والے خطہ ایران میں (جس کو بہت سی مائلتوں کی بنا پر مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا) اس خیال کے عکس نظر آتے ہیں، ظہور اسلام کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے، اور دوسرا ہزار شروع ہونے کو جا رہا تھا، ہر صدی کے سرے پر مجدد کا ظاہر ہونا، حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اور

تاریخ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے، اس لئے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجتہد سے زیادہ دینِ جدید کے موافق اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے اور ان میں بہت سے منجملے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی، افسوس ہے کہ اس دور کی کوئی ذہنی و فکری تاریخ مرتب نہیں کی گئی جس میں اس عہد کے قلبِ دماغ، جذبات و خیالات، تشاؤں اور آرزوؤں کی پرچھائیاں نظر آئیں، پہلے اور پچھلے دوروں کی طرح سب تاریخیں "سرکارِ دربار" کے گرد گھومتی ہیں اور ان میں زیادہ تر انقلاباتِ سلطنت، فتح و ہزیمت، بادشاہوں کی داد و دہش، اہلکارانِ سلطنت کے عزل و نصب، اور امراء کے عیش و عشرت کی رانائیں اور رزم و بزم کے افسانے ملتے ہیں اگر دسویں صدی کے عالمِ اسلام کی کوئی فکری تاریخ ہوتی تو ہمیں صاف نظر آتا کہ الف ثانی کے قربے کتنے دلوں میں تمنائے خام کے چراغ روشن کر دیئے تھے، اور انھوں نے ایک نئی مسندِ پیشوائی اور ایک نئی سیادت و قیادت کا خیمہ نصب کرنے کے لئے چوب اور طنائیں مہیا کرنی شروع کر دی تھیں۔

صفوی حکومت کے قیام کے بعد جس نے شیعیت کو حکومت کی طاقت اور اقبال سے سارے ایران کا مذہب بنا دیا تھا، اور اگرچہ اس سلطنت کے بانیوں کے مورث اعلیٰ شیخ صفی الدین مسلکِ رزوقِ صوفی تھے، لیکن شیعیت کو چونکہ تصوف سے سیر ہے، اس کے دورِ اقتدار میں اس ایران میں جس نے امامِ عزالی طوسی، شیخ فرید الدین عطار، نیشاپوری، مولانا جلال الدین رومی، اور مولانا عبد الرحمن جامی جیسے عارف و محقق پیدا کئے تھے، اور جس سے بغداد و دہلی و اجمیر کو سیرانِ پیر سیدنا عبد القادر جیلانی، شیخ الشیوخ، شیخ شہاب الدین ہرودی، خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی، اور شہید شوق خواجہ قطب الدین بختیار کی اوشی میر آئے تھے، تصوف کا چراغ بالکل گل ہو گیا، دوسری طرف کتابِ سنت کا

لے آپ صلا بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے، حال واقع ملکِ افغانستان۔

وہ علم اور فن حدیث جس کا ایران بڑا مرکز رہ چکا تھا، اور جس نے نایخ اسلام کو مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری، ابوعلی ترمذی، ابو داؤد سجستانی، ابن ماجہ قزوینی اور حافظ ابو عبد الرحمن نسائی جیسے امام حدیث اور مصنفین صحاح عطا کئے، وہ اب کتاب سنت اور علم حدیث سے بالکل بیگانہ اور تہی دامن تھا، اب اس کے علم کا تمام تر سرمایہ اور اس کے امتیاز و تفوق کا میدان یونانی علوم و حکمت (فلسفہ و منطق) تھے، اس انقلاب نے جس نے نبی عربی کے صحابہ کرام، اور ان کی سنت و احادیث سے اس مردم خیز اسلامی ملک کا رشتہ پہلے ہی کاٹ دیا تھا، ملک کے ذہن اور طباع طبقہ کار رابطہ نبوت محمدی، عقیدہ ختم نبوت اور دین اسلام کے خلود و بقاء کے عقیدہ سے اگر منقطع نہیں کیا تو کمزور ضرور کر دیا، اور اگر اہل بیت کرام سے (شیعیت کی بنیاد پر) عقیدت و نسبت نہ ہوتی تو اس ملک کا مجوسیت، ما قبل اسلام کی تہذیب، اور شاہنامہ فردوسی کے رستم و اسفندیار کے دور کی طرے واپس چلے جانے کا خطرہ تھا۔

ایسی حالت میں نویں اور دسویں صدی کے ایران میں انتشار انگیز تحریکوں، اور اسلام کے خلاف عقلی و فلسفی سازشوں کا پیدا ہونا خلاف قیاس اور خلاف توقع نہیں، جس کی سب سے ترقی یافتہ مثال نویں صدی کے اخیر اور دسویں صدی کے ابتدا کی نقطوی تحریک ہے، جو ایران کی اس بے چین روح کا بہترین منظر ہے، جس نے کبھی مزدک کی شکل میں کبھی مانی کے روپ میں اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا تھا، اور جو خالص ایک مجددانہ تحریک ہے بقول اسکندر منشی کے :-

انطائفہ بزمہ حکماء عالم را قدیم

یہ فرقہ حکماء کے مذہب کے مطابق

عالم کو قدیم مانتا ہے، اجسام انسانی

کے دوبارہ زندہ ہونے اور شر و شرک

شمرہ اند، و اصلاً اعتقاد بحشر اجساد

قیامت نہ اند، و مکافات جن و قبح

اعمال را در عاقبت و مذلت دنیا
قرار داده، بہشت و دوزخ ہمازای
شمارند۔
مطلق عقیدہ نہیں رکھنا، اعمال کے
حسن و قبح کی جزا و سزا کو دنیا کی
راحت و لذت کی شکل میں اسی کو
بہشت و دوزخ سمجھنا ہے۔

شاہ نواز خاں ان کے منہ لقمہ لکھتا ہے :-

علم نقطۂ الحاد و زندگی و اباحت و
توسیع مشربیات مثل حکماء بقدم
عالم گردند و انکار شر و قیامت
نمایند و مکافات حسن و قبح اعمال
و جنت و نار در عاقبت و مذلت
دنیا قرار دہند۔
علم نقطۂ الحاد و زندگی و اباحت (سب
کچھ جائز ہے) اور وسیع المشرب
(سب صحیح ہے) کا نام ہے، حکماء
قدیم کی طرح وہ قدم عالم کے قائل
اور شر و قیامت کے منکر ہیں، اعمال
کے حسن و قبح کا انعام و سزا، اور
جنت و دوزخ اسی دنیا کی خوشحالی
اور تنگ حالی کو سمجھتے ہیں۔

وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے
کرتے انسان کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، نباتات کے اگنے میں قدرت خداوندی کا کوئی
دخل نہیں، وہ محض کواکب و عناصر کی ترکیب کا عمل ہے، قرآن پاک کو نبی کریم کی تصنیف

لے تاریخ عالم آرائے عباسی جلد ۲ ص ۳۲۵ ۲۵ آثار الاسراء جلد ۲ ص ۶۱۹

کے دبستان مذاہب ص ۳

۲۵ مبلغ الرجال و رذائلہ الف نسخہ قلمی موجود مولانا آزاد پبلیکیشن مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

سمجھتے ہیں، اور مسائل شریعت کو اہل الرائے کا طبع زاد، اس فرقہ کے پیرو نماز، حج، اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں، ماہ رمضان کا نام انھوں نے ”ماہ گر سنگی و تشنگی“ رکھا ہے، طہارت و غسل کے مسائل کی بھی تضحیک کرتے ہیں، اور محرمات ابدیہ کی حرمت کے بھی قائل نہیں، وہ نقلیات کے منکر اور عقلیات کے داعی ہیں۔

اس فرقہ کا بانی محمود سیخوانی کو بتایا جاتا ہے، اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان و ایران کے ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا، اور ایران میں اس کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی، نقطویوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اول ظہور سے محمود سیخوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدت ہوتی ہے، یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا، کیونکہ اس مدت میں پیغمبر عربوں ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

۱۰ ایضاً ۱۱ ایضاً

۱۲ ایضاً، اس مضمون میں پروفیسر محمد اسلم کی کتاب ”دین الہی اور اس کا پس منظر“ نیز ڈاکٹر نذیر احمد اسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی کتاب ”تاریخی و ادبی مطالعے“ سے استفادہ کیا گیا ہے، مزید تفصیل اور مستند معلومات کے لئے ملاحظہ ہو ”نقطویاں یا سیخوانیا“ از ڈاکٹر صادق کیا، ۱۳ محمود سیخوانی یا سیخانی گیلانی نے استرآباد میں ۱۲۸۵ھ میں اس نئے مذہب کا اعلان کیا، ۱۴۸۳ھ میں اس کی وفات ہوئی، اس فرقہ کی بنیاد ایران میں نویں صدی ہجری کی بالکل ابتدا میں ہوئی، رفتہ رفتہ اس نے بڑا زور پکڑا، یہاں تک کہ دسویں صدی اور گیارہویں صدی میں ایران اور ہندوستان میں اس فرقہ کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، اس فرقہ کو ملاحظہ تناسخیاہ اور اہل زندقہ کے نام سے ایرانی مورخین اور مسلمان مصنفین نے یاد کیا ہے، اور چونکہ محمود کے نزدیک ہر چیز کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے، اور وہ خاک کو نقطہ کہتا ہے، یا اس لئے کہ اس نے مطالب قرآن کو اپنے خیال کو بیان کرنے میں حرفوں اور نقطوں کی تعداد سے مدد لی ہے، اس فرقہ کو نقطوی یا اہل نقطہ کہتے ہیں، (ماخذ باختصار از مضمون فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر، مضمون ”تاریخی و ادبی مطالعے“ از ڈاکٹر نذیر احمد)۔

محمود سیخوانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہو گئی تھی، لہذا آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجیبوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے۔

نقطویوں کے عقائد کے سلسلہ میں جن کا کسی قدیم یا بیان ہوا، ان کا یہ نظریہ بنیادی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے (اور ہماری اس بحث اور مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامہ اس کے خاص تعلق ہے) کہ مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے اس لئے محمود کا لایا ہوا دین قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ "دین اسلام کی میناد ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نئے دین کی ضرورت ہے۔" دسویں صدی میں اس عقیدہ کا ظہور و اعلان صاف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس عقیدہ الفی کے قائل ہیں اور الف ثانی سے اپنا کام زور شور سے شروع کرنے والے ہیں، شاہ عباس صفوی نے ایران میں نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بادشاہ اس معاملہ میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ سخت واقع ہوا تھا، بادشاہ کی نظر میں اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا گروہ نہ تھا، چنانچہ ۱۰۲۸ھ میں اس نے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کا قتل عام کیا، اس قتل و غارتگری کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نقطوی جان بچا کر ہندوستان بھاگ آئے، اس میں مولانا جیاتی کاشی بھی تھے، جو دو سال تک قید میں رہنے کے بعد شیراز آئے اور ۱۰۸۶ھ میں وطن میں کچھ دن قیام کر کے بالآخر ہندوستان چلے آئے، ۱۰۹۳ھ میں وہ احمد نگر میں موجود تھے، شریف آملی جو بڑا باکمال عالم تھا، اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنے زمانہ کی سخت گیر لوں سے تنگ آ کر ہندوستان چلا آیا تھا، اکبر بادشاہ اس کے ساتھ

لے محو دیا اس کے کسی پیر کا شعر ہے۔

رسید نوبت زندان ماقبت محمود گذشت آنکہ کہ عرب طعن برعم مینود

۱۰۸۶ھ دبستان مذاہب ص ۳۰

۱۰۸۶ھ دبستان مذاہب ص ۳۰

پیر جیسا سلوک کرتا تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود پٹواری کی تحریروں سے ثبوت پیش کر کے اکبر کو دین نو کے اختراع کی ترغیب دی، اس نے محمود کی پیشگوئی بیان کی کہ ۹۹۰ھ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔

بدایونی اور خواجہ کلان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ شریف آملی نے ایران سے بھاگ کر بلخ میں مولانا محمد زاہد نبیرہ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی، اور صوفیوں کی طرح رہنے لگا، اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی، اس لئے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنالیا، جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا، اور وہ دکن چلا گیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا، اس لئے لوگوں نے شریف آملی کو ضعیف عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا، جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپے آزار ہوئے، بدایونی کے الفاظ میں :-

حکام دکن می خواستند کہ لوح ہستی	دکن کے حکام اس کا نقش حیات ہی
اور از نقش حیات پاک سازند	مٹا دینا چاہتے تھے، لیکن بعد ازاں
عاقبت بر سواری خرقہ قرار یافتہ بر سواری	انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسے گدھے پر
تشہیرش نمودند	بٹھا کر اس کی تشہیر کی جائے۔

اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا، بنگالہ میں اس کو دین الہی کا داعی مقرر کیا، اور وہ اکبر کے چار مخلص یاروں میں شامل تھا، دین الہی کے

۱۔ خواجہ عبید اللہ فرزند خواجہ باقی باللہ مصنف مبلغ الرجال . ۲۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۳۶

مریدوں اور معتقدوں کے سامنے اکبر کی وہ نیابت بھی کرتا تھا، "آثر الامراء" میں ہے "نصوت و حقائق بسیار و زیدہ و الحاد و زندقہ را بدان خلط و ادہ" دعوائے "ہمہ و ست" می کرد و ہمہ را اشری گفت۔ ابو الفضل علامی کے متعلق بعض معاصر تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ نقطوی تحریک سے متاثر تھا، شاہ عباس صفوی نے نصر آباد کا شان میں ممتاز ترین نقطوی داعی اور ذمہ دار میر سید احمد کاشی کو جب قتل کیا تو اس کے کاغذات کے ذخیرہ میں جن نقطویوں کے خطوط ملے ان میں ابو الفضل کا بھی ایک خط تھا، معاصر تاریخ نویس اسکندر نشئی تاریخ عالم آراءے عباسی میں لکھتا ہے:-

"ہندوستان سے آنے والوں سے معلوم ہوا کہ ابو الفضل پیر شیخ مبارک بھی جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دبار اکبری میں بہت زیادہ تقرب حاصل کر چکا ہے اسی مذہب کا پیرو ہے اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع البشر بن کر جادہ شریعت سے معرفت کر دیا ہے اس کا خط جو میر احمد کاشی کے نام لکھا گیا تھا، اور جو میر غفور کے کاغذات میں دستیاب ہوا ابو الفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔" خواجہ کلاں اپنی کتاب "مبلغ الرجال" میں محمود لہجہ خالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"شیخ ابو الفضل ناگوری بساط آں آئین خسارت قرین را در مملکت ہندوستان گسترده"

ان تاریخی شہادتوں کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان اگر اہل ثانی کے لئے نئے دورائے دین اور نئے آئین کے لئے کس طرح ایک تخت اور مسند تیار کر رکھی تھی جس پر سند آرا ہونے کے لئے ایک با اختیار و طاقتور موزوں شخصیت درکار تھی اور اس کے لئے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا۔

۱۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۳۵-۲۳۸ ۲۔ آثر الامراء جلد ۳ ص ۲۸۵ ۳۔ استفاد از مضمون فرقہ نقطوی پر

ایک طائرانہ نظر "مسند" کتاب تاریخی و ادبی مطالعے "از ڈاکٹر نذیر احمد ص ۲۶۱ ۴۔ مبلغ الرجال ورق ۳۱ نیز ملاحظہ ہو ورق ۳۲-۳۳

باب دوم

اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

اکبری مذہبی اور دیندارانہ زندگی

عہد اکبری اور ہندوستان کے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اکبری تخت نشینی اور ابتدائی عہد حکومت نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے شروع ہوا، بلکہ خوش عقیدگی اور مذہبی غلو اور نقشت کے ساتھ اس کا آغاز ہوا، اس کے ثبوت کے لئے ”دربار اکبری“ کے مشہور مصنف و عالم اور عہد اکبری کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۰ھ) کی شہرہ آفاق کتاب ”منتخب التواریخ“ سے منتخب کر کے عہد اکبری کے اس دور کے چند متفرق واقعات اور بادشاہ کے حالات نقل کئے جاتے ہیں، جب وہ اپنے اسلاف کی طرح ایک سیدھا سادہ خوش اعتقاد مسلمان تھا، اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم نہ ہونے، ماحول کے اثر اور اپنے عہد کے رولج کے مطابق (جس میں مشائخ و مزارات کے بارے میں غلو، حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی اور بدعات عام تھیں) بزرگوں کے مزارات کے لئے طول طویل سفر (شد و حال) کرتا تھا، بدعتی اور خلاف جمہور عقائد کے الزام پر سخت سزا دیتا تھا، اویاء اللہ کے مزارات پر نذر گزرا کرتا تھا، خود ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتا، علماء اور صلحاء کی صحبت میں وقت گزارتا،

اور مجلس سماع میں شرکت کرتا تھا۔

اکبر کی دینداری اور مذہبی غلو کی شہادت میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے اور اس سے اکبر کی تعریف نکلتی ہے اور اس بارہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی تاریخ و تصنیف میں کسی مخالفانہ جذبہ کے کام کرنے یا عناد کا کوئی سوال نہیں البتہ اکبر کی زندگی کے دوسرے دور (دین الہی کے نظریہ کی ابتداء

وحدت ادیان کے عقیدہ اسلام سے بعد و وحشت اندامب غیر کے بارہ میں حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور اسلام کے بائے میں معاندانہ رویہ کی شرح و تفصیل میں ہم ملا عبد القادر کے بیانات نقل کرنے میں (جن کی صحت و استناد اور ان کی تاریخی غیر جانبداری کے سلسلہ میں ان اخیر برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بڑا شک و اشتباہ پیدا کر دیا گیا ہے)

۱۔ اکبر کے دورانی کے بائے میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات اور شہادتوں کو ان کے دینی تعصب اور اکبر سے ذاتی عناد و مخالفت پر محمول کرنے اور ان کی کتاب منتخب التواریخ کو مجرد و ساقط الاعتبار کرنے کی پچھلے برسوں سے جو ہم شروع ہوئی ہے اس کی کوئی مثبت علمی بنیاد اور تاریخی ثبوت نہیں اس الزام کی بنیاد بھی بعض جذبات اکبر کی عظمت اور اس کو ہر طرح کے الزامات سے بری کرنے کے جذبہ (جو خاص تعلیم و تربیت اور ماحول و زمانہ کا نتیجہ اور ایک مقصد کے ماتحت تاریخ نویسی کا اثر ہے) سوء ظن اور نفی رویہ پر ہے جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر منتخب التواریخ کا مطالعہ کرے گا، وہ مصنف کے خلوص و صداقت، درد مندی اور جرأت مندانہ حق گوئی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کتب تاریخ کا وسیع مطالعہ کرنے والے کو تاریخ و افسانہ میں امتیاز کرنے اور مصنف اور اس کی کتاب کے پایہ کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خود مصراف کی طرح کھڑے کھوٹے کا فرق سمجھنے لگتا ہے۔

ایضاً منتخب التواریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح (بائی ص ۱۷۷)

... احتیاط برتن گئے اور تنہا ان کے بیانات پر انحصار نہیں کریں گے، بلکہ ان کو اکبر کے مخلص وفادار ارکان سلطنت، مؤرخین دربار اور اس عہد کے غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات اور شہادتوں کی محض تائید میں پیش کریں گے۔

”منتخب التواریخ“ کے حسب ذیل بیانات ملاحظہ ہوں :-

”شہزادہ سلیم کی ولادت کے شکرانہ میں بادشاہ نے اجمیر کا پیادہ پاسفر کیا، واپسی میں دہلی میں پڑاؤ ڈالا، اور اویا دہلی کے مزارات کی زیارت کی۔“

”ابودھن جا کر حضرت شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کی، مرزا مقیم اصفہانی کو میر تقیوب کشمیری کے ساتھ رخصت کے الزام میں سزا ملی۔“

”اوائل شعبان میں بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا سات کوس سے پیادہ پا مزار پر حاضر ہوا، نقارہ نذر گزارا، اہل الشریعہ اور صلحاء کے ساتھ صحبت اور مجلس سماع گرم رہی۔“

”عبادت خانہ میں ”یا ہو“ اور ”یا ہادی“ کے ذکر میں انہماک رہتا تھا، (سنہ ۹۸۵ھ میں ...

عبادت خانہ کی نین عمارتوں کی تعمیر کا تفصیلی ذکر)۔

”عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ علماء و امراء کی طلبی ہوتی، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

اسی زمانہ میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جائے۔“

(باقی صفحہ کا) اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں، یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس صفائی اور بے پروائی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں۔“ (الیف جلد ۵ صفحہ ۲۸)

۱۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۲۳ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۴ ۳۔ ایضاً ص ۱۸۵ ۴۔ ایضاً ص ۲۰۱ ۵۔ ایضاً ص ۲۱۱

۹۸۶ھ کے واقعات میں فتح پور سیکری میں عبادت خانہ میں علماء و مشائخ کی صحبت

شب جمعہ کی شب بیداری کا ذکر آتا ہے۔

”جب خان زماں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے

بادشاہ دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرض دعا حاضر ہوا۔“

ماہم آنکھ کے تعمیر کردہ مدرسہ خیر المنازل کے پاس سے گزرتے ہوئے، فولاد نامی ایک

شخص نے (شرف الدین حسین کے ایما سے) بادشاہ پر ایک تیر چلایا، بادشاہ کو معمولی سا

زخم آیا، جو چند روز کی مرہم پٹی سے درست ہو گیا، اس ناگہانی حملہ سے بچ نکلنے کو بقول

بدایونی ”از تنبیہات غیبی و کرامات پیران حضرت دہلی دانستہ“ اولیاء دہلی کی کرامت سمجھا۔“

”ایک بار اجمیر جاتے ہوئے اس عہد کے مشہور بزرگ شیخ نظام نارنولی (جن کے زہر و

اتفا کی شہرت دور و نزدیک پھیلی ہوئی تھی) خدمت میں حاضر ہوا۔“

۹۸۷ھ میں اجمیر میں سید حسین خنگ سوار کے مزار پر اور اس کے چند سال بعد ہانسی

میں حضرت قطب جمال کے مزار پر بڑی عقیدت و نیاز کے ساتھ حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی۔“

”شیخ سلیم حشتی کے ساتھ عقیدت خاص تھی ان کا روضہ بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا

اور اس عقیدت و محبت کی بناء پر ولی عہد سلطنت (جہانگیر) کا جو کہا جاتا ہے کہ ان کی

دعا سے پیدا ہوا سلیم نام رکھا، بادشاہ نے سلیم کی ولادت سے قبل رانی جو مہابائی کو شیخ

کے گھر بھیج دیا تھا تاکہ ان کی توجہ اور دعا رانی کے شامل حال رہے۔“

”اسی طرح شہزادہ مراد کی ولادت بھی شیخ ہی کے گھر میں ہوئی تھی۔“

”شہزادہ سلیم جب مکتب نشینی کے قابل ہوا تو اس کی رسم تسمیہ خوانی کے لئے اپنے عہد کے مشہور محدث مولانا میرکلاں ہروی کو زحمت دی اور انھوں نے بادشاہ اور عمائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادہ کی بسم اللہ کرائی۔“

”جب شہزادہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا تو اسے حکم دیا کہ شیخ عبدالنبی کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے اور اس نے مولانا جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی، اکبر کو شیخ عبدالنبی (نسیرۃ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی و صدر جہاں عہد اکبری) سے اتنی عقیدت تھی کہ اکثر وہ ان کے گھر جا کر ان کے درس میں شرکت کرتا، ایک دو مرتبہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کیں۔“

”اکبر نے ان کے لئے کارخانہ شاہی میں خصوصی دو شالہ تیار کروایا، اور ملا عبدالقادر کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا، اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لئے شاہی کارخانہ میں تیار ہوا ہے۔“

”اس عہد کے مشہور شطاری شیخ محمد غوث گویاری کے گزارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کر دی، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ بھی نیاز مندانہ طریقہ پر پیش آتا۔“

”بزرگوں سے یہ عقیدت مندی اکبر کو موروثی طریقہ پر ملی تھی، اس کے تیموری آباء و اجداد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، بابر کا دادا سلطان ابوسعید پاسبانہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی خواجہ ضیاء سے بڑی عقیدت تھی، خود بابر بھی اپنی ترک میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے، اکبر کے خاندان کی خواتین و بیگمات کے رشتے نقشبندیہ خاندان کے بزرگوں سے ہوئے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ یحییٰ ہندوستان

تشریف لائے تو اکبر نے ان کا بڑا اعزاز کیا، ان کے مصارف کے لئے ایک جاگیر عطا کی اور انھیں امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا، واپسی پر انھیں مستقل طور پر آگرہ میں ٹھہرایا۔

اکبر نے ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے، جو باری باری مقررہ دن میں نماز کی امامت کرتے تھے، بدھ کے روز کی امامت ملا عبد القادر بدایونی سے متعلق تھی۔ ہر سال ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ سے حج کے لئے بھیجتا تھا، امیر حاج کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد و جنس بھیجتا تھا، قافلہ کی روانگی کے دن حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال تھوٹے سے ترشوا کر تکیہ کرتا ہوا، ننگے سر، برہنہ پاؤں تک انھیں رخصت کرنے جاتا، اس منظر سے ایک شور برپا ہوتا، اور لوگوں پر رقت طاری ہوتی۔

جب ہندوستان میں شاہ ابوتراب حجاز سے قدم رسول لے کر تشریف لائے اور وہ آگرہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ امراء، علماء کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شہر سے چار کوس باہر نکل کر استقبال کے لئے گیا۔

آخر میں اس کی دینداری کی شہادتوں کو ہم عہد سلطنت مغلیہ کے مشہور مؤرخ میر عبد الزاق خانی خاں معروف بہ مصمم الدولہ شاہنواز خاں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۷۱ھ) کی مشہور کتاب "آئین الامراء" کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

اکبر بادشاہ بہ رغبت شیخ در اجراء احکام	اکبر بادشاہ احکام شرعیہ و امر معروف
شرعی و امر معروف و نہی منکر فراوان	و نہی منکر کے سلسلہ میں بڑی کوشش
جہدی فرمود و خود اذان می گفت	کرتا تھا، خود اذان کہتا اور امامت
و امامت می کرد حتی بقصد ثواب	کرتا حتی کہ ثواب کی نیت سے مسجد

بمسجد جاروب می زد۔
میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔

اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی^{۱۵}

اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف کی اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، پڑھنے والے ان سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی سطحی اور عامیانه قسم کی مذہبیت تھی جس کی بنیاد دین کے صحیح فہم، کتاب و سنت سے واقفیت اور براہ راست علم و مطالعہ پر نہیں تھی اور وہ بجائے علماء و راہنہ کی تعلیم اور صحیح دینی صحبت و تربیت کی رہیں منت ہونے کے محض مذاق زمانہ، مزاج سپاہیانہ اور وسط ایشیاء کے دین سے ناواقف امراء و اہل حکومت کی تقلید و نقالی اور خوش عقیدگی بلکہ ضعیف الاعتقادی پر مبنی تھی اس دینداری کا رکن اعظم مزارات پر حاضری دینا، کوسوں پیادہ پا چل کر وہاں آنا، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ (جو اکثر بے علم، اسلاف کے کمالات سے عاری اور صحیح روحانیت سے خالی ہوتے تھے) اپنی نیاز مندی اور قدوسیت کا اظہار، خالق ہوا کی جاروب کشی، مجالس ذکر و سماع میں شرکت اور درباری سرکاری علماء و مشائخ کی

۱۵ آثار الامراء ج ۲ ص ۵۶۱

۱۵ بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر نے چھوٹی توڑک میں اکبر کے انتقال کا جو حال لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی غلط روی کا احساس ہو گیا تھا، اور اس نے کلہ شہادت پڑھ کر اس حالت میں جان دی کہ سورۃ یسین اور دعا پڑھی جا رہی تھی ہم کو اس باب میں اس سے بحث نہیں کہ خدا کا معاملہ اس کے ساتھ کیا رہا، اور وہ دنیا سے کس حال میں رخصت ہوا، ہمیں اس کے ان اقدامات اور کاروائیوں سے بحث ہے جو اس نے نئے دین و آئین کے جاری کرنے میں کیں اور ان اثرات سے جو ان کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں پر مرتب ہوئے۔

توقیر و تعظیم تھی، اکبر کے حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ ناخواندہ محض تھا، تیموری خاندان کے مزاجوں میں عام طور پر غلو، انتہا پسندی، اور حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی داخل ہے، ہمایوں کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ وہ محنت کرنے، میدان جنگ کی سختیاں اٹھانے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے پر آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گوشت پوست کا نہیں لوہے کا بنا ہوا ہے اور انسان نہیں، جن ہے، لیکن جب آرام کرنے پر آتا تو سب بھول جاتا، اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ۔۔۔ میدان جنگ کا ایک جانباز سپاہی ہے، جہانگیر میں بھی یہ تضاد اور بے اعتدالی نظر آئے گی۔

پھر یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جن ناہموار اور غیر معمولی حالات میں اس کا بچپن اور غضوان شباب گزرا تھا، چچاؤں کی جس بے مروتی، بے مہری، اور خون کے سفید ہو جانے کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، اور جو کڑے بلکہ زہر آلود گھونٹ اس نے باپ کی شکست اور سفر ایران کے زمانہ میں پئے تھے، پھر بیرم خاں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اس سب نے اس کی طبیعت میں انسانی فطرت کی طرف سے بدگمانی، بڑے سے بڑے اور اچھے سے اچھے آدمی کے خلوص و وفاداری کے بارہ میں شک اور مزاج میں ایک طرح کا تلون پیدا کر دیا تھا۔

لے اکبر جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو رواج زمانہ کے مطابق اس کی مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی اور ملا زادہ عصام الدین ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے، لیکن ملا کو اندازہ ہوا کہ اکبر کو تعلیم کی طرف رغبت نہیں، اسے معلم کی ناکامی اور بے توجہی پر بھول گیا، اور ملا زادہ کی جگہ مولانا بایزید کا لقر ہوا، مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا، آخر بادشاہ نے مولانا عبد القادر بدایونی کو منتخب کیا، مگر بلند اقبال شہزادہ کی طبیعت تعلیم پرائل نہ ہوئی، سیاسی حالات اور ان کے نتیجہ میں سرگردانی و نقل مکانی نے اس کو اور ہوادی، اور اکبر تعلیمی لحاظ سے بے سواد اور ناخواندہ رہ گیا۔

(مخلص از تواریخ عہد اکبری)

مذہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر

اس صورت حال کی اصلاح اس کی ان کمزوریوں پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کو اسلام سے وابستہ اور دین سے منسلک رکھنے بلکہ بہت سے سلاطین اسلام کی طرح (جن میں سے بعض اس کے خاندان میں بھی پیدا ہوئے) دین کا حامی و ناصر بنائے رکھنے کے لئے موزوں صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اکبر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہے، (اور یہ ایسی کمزوری تھی جو بابر سے لے کر سلطنت مغلیہ میں بہادر شاہ تک کسی میں پائی نہیں گئی) مہات سلطنت اور توسیع مملکت پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا، جس کی اس کے اندر خداداد صلاحیت اور غیر معمولی لیاقت تھی، وہ مذہبی امور میں دخل نہ دیتا، ایک سیدھے سادھے سلمان اور سپاہی کی طرح مذہبی امور کو علماء اور ذی علم ارکان سلطنت کے حوالہ کرتا، جیسا کہ بابر اور ہمایوں نے (تعلیم یافتہ ہونے اور علمی ادبی ذوق رکھنے کے باوجود) کیا تھا، اور خاص طور پر نازک اعتقادی و کلامی مسائل، مذاہب کے تقابل، اور اراء الطبیعیاتی (غیبی) حقائق کی تحقیق کے میدان میں قدم نہ رکھتا، جہاں ذرا سی غلطی یا بے احتیاطی سے آدمی کفر و کجادی کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے، اور دین و ایمان کا سرمایہ کھو بیٹھتا ہے، اور جس کے مبادی و مقدمات سے بھی اکبر نا انشاء محض تھا، اور جو سیاسی مصالح اور ایسے بادشاہ کے مفاد کے بھی خلاف تھا، جس نے چار سو برس کی مسلمان سلطنتوں سے ملک کا چارج لیا تھا، ان نازک اعتقادی اور کلامی مسائل میں دخل دینے اور اس میں سلطنت کے اثر و رسوخ کے استعمال کرنے کی غلطی مامون الرشید (۱۹۸ھ) جیسے عالم و ذہین خلیفہ کو بھی راس نہ آئی، اور وہ اس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ کر سکا۔

لیکن اکبر نے بے چین طبیعت اور تجسس و ماغ پایا تھا، ادھر اقبال مندی اور سلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کو اپنے بارہ میں کسی قدر خوش فہمی اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ سمجھنے لگا تھا کہ جس طرح وہ سیاسی گتھیوں کو سلجھاتا اور ملکی مسائل کو حل کرتا ہے اسی طرح وہ مذہب و عقائد کی پُر خار وادیوں میں بھی کامیاب ترکتازیاں کر سکتا ہے۔

دوسری طرف بعض شاطر ارکان دربار نے کچھ تو اپنا ذہنی تفوق ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ بادشاہ کی تفریح طبع اور رونق مجلس کے لئے بجائے مرغوں اور بیروں کی پالیوں اور سانڈوں اور ہاتھیوں کی لڑائی کے (جو مشرقی سلاطین و امراء کی ندیم تفریح تھی) مختلف مذاہب اور فرقوں کے علماء کے ذنگل قائم کئے، اور اس کو تحقیق مذہبی، علمی مباحثہ کا نام دیا، یہ بالکل بدیہی حقیقت ہے (اور مذاہب و افکار کی تاریخ میں اس کا سیکڑوں بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ اگر ان مناظروں، علماء، اور مذاہب کے وکلاء کی "بیت بازیوں" کا سننے والا گہرا اور وسیع علم اور دقیقہ رس و ماغ نہیں رکھتا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ توفیق الہی اس کا ساتھ نہیں دیتی تو اس کا تشنگ وارتیاب، سوفسطائیت اور لادریت کی وادی میں بھٹکنا یا اس کا دوزندہ کی عمیق خندق میں گر جانا بالکل قدرتی امر ہے۔

جہاں گیر جس کی اکبر کے بارہ میں شہادت سے زیادہ کوئی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی، نزدیک میں لکھتا ہے۔

پدر من در اکثر اوقات بادانایان ہر	والد ماجد اکثر ہر دین و مذہب کے
دین و مذہب صحبت می داشتند	دانشوروں سے ملاقات کرتے تھے،
خصوصاً باپنتاں و دانایان ہندو	خصوصاً ہندوستانی فاضلوں اور
بانکہ اُمّی بودند از کثرت مجالست	پندتوں سے، اور اُمّی ہونے کے باوجود

بادانایان و ارباب فضل و گفتگو با چہ
 ظاہری شد کہ بیچ کسپی باتی بودن ایشان
 نمی برد و بد قائل نظم و ترچیاں می
 رسیدند کہ مافوقی براں تصور نہ بود۔
 کثرت مجالست کے سبب علماء و
 فضلا کے ساتھ گفتگو میں کسی کو ان کے
 امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں
 ہوتا تھا نظم و شری باریکیوں کو اس طرح
 سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اسلام ہند و مذہب اور ہندوستان کے دوسرے مذاہب و فرق ہی کے نمائندوں،
 وکیلوں ہی پر اس بارہ میں اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ نوبت دانا یاں فرنگت تک پہونچی، خود ابوالفضل
 لکھتا ہے کہ دربار کی طرف سے توریت و انجیل و زبور کے ترجمے اور ان کے مطالب کو بادشاہ
 تک پہونچانے کا اہتمام کیا گیا، اور اس کے لئے ایک درباری فاضل سید مظفر کو متعین کیا گیا، اور
 بعض عیسائی اہل سلطنت کو لکھا گیا۔

در اوقات طلبہ بادانایان جمیع ادیان
 صحبت داشتہ از کلمات نفیسہ و مفاد
 عالیہ ہر کدام مستفید و مستفیض می شویم
 چوں بتابین السنہ و تغایر لغات در میان
 ست، لائق آن کہ بار سال این طور
 کسی کہ آن مطالب عالیہ با حسن عبارت
 خاطر نشان کند سرور سازند و سمع ہما یوں
 رسیدہ کہ کتب سماوی مثل توریت و
 ہم فارغ اوقات میں تمام مذاہب
 کے دانشوروں سے ملتے اور ان کے
 کلمات پاکیزہ اور بلند خیالات سے
 مستفید ہوتے ہیں، زبانوں کی جنسیت
 حائل ہے، اس لئے کسی ایسے شخص کو
 بھیج کر سرور کریں جو ان مطالب
 عالیہ کو اچھی عبارت کے ذریعہ
 دلنشین کرے سمع ہما یوں تک یہ بات

انجیل وزبور بزبان عربی و فارسی
در آورده اند اگر آن کتب مترجم یا غیر
آن کہ نفع آن عام و فائدہ آن تام
باشد در آن ولایت بودہ باشد
فرستند درینو لا بہت تاکید مراسم
وداد و تشیید مبانی اتحاد سیادت
آب فضائل الکتاب صادق العقیدہ
والاخلاص سید مظفر را کہ بمزید التفات
عنایت سرفراز و مخصوص بودہ فرستادیم
نسخہ چند بالمشافہ خواہد گفت اعتماد
نمائند و ہمولہ ابواب مکاتبات و
مراسلات را مفتوح دارند۔

یہ بھی ہے کہ کتب سماوی تورات،
انجیل وزبور کے ترجمے عربی فارسی میں
ہوئے ہیں، اگر وہ مترجم کتابیں اس
ملک میں ہوں تو افادہ عام کے لئے
انہیں بھیج دیں، رسم نبوت کی تجدید
اور بنیاد اتحاد کی سختگی کے خیال سے
ہم نے سیادت آب سید مظفر کو (جو
ہماری عنایات سے سرفراز ہیں) ان
ترجم کے چند نسخوں کے لئے بھیجا ہے،
وہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں گے،
آپ ان پر اعتماد کریں اور برابر خط و
کتابت کرتے رہیں۔

ترجمہ کے علاوہ خود عیسائی پادری دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے مذہب کو
بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور عقیدہ تثلیث اور عیسائیت کو دلائل سے ثابت کیا، ملاحظہ
لکھتے ہیں۔

دانا یان متراض ملک فرنج کہ ایشان
را پادھری و مجتہد ایشان را پایامی
گوئند انجیل آورد و بر ثالث ثلثہ
دربار میں ملک فرنگ کے متراض دانشمند
کا بھی ایک گروہ تھا، ان لوگوں کو پادری
کہتے ہیں اور ان کے بڑے مجتہد کا نام

دلائل گزرا بندہ و حقیقت نصرانیت
اثبات کردہ۔

پاپا (پوپ) ہے ان لوگوں نے انجیل
پیش کی اور ثالث تلمذ کے متعلق دلائل
پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

محاسن مناظرہ کا پرانا تجربہ ہے کہ کسی مذہب کی صداقت اور اس کی ترجیح کا فیصلہ
کرنے کے لئے ہمیشہ دلائل کی قوت اور علمی ثبوت کافی اور فیصلہ کن نہیں ہوتا، اس کا بہت کچھ
دار و مدار اس مذہب کے وکیلوں اور نمائندوں کی چرب زبانی اور قوت بیانی پر ہے، بعض مرتبہ
ایک کمزور مذہب کے وکیل زیادہ قادر الکلام، خوش بیان، نفسیات انسانی سے واقف اور
موقع شناس ہوتے ہیں، وہ سننے والے کو متاثر اور معقد بنا لیتے ہیں، ایک صحیح مذہب کے ترجمان
(کسی وجہ سے) ان خصوصیات سے عاری اور ان کلامی اسلحہ سے خالی ہوتے ہیں، اور وہ اپنے
اس نقص کی وجہ سے بازی ہار جاتے ہیں، اس میں بہت شبہ ہے کہ اکبر کے دربار میں اسلام کی
نمائندگی اور ترجمانی کرنے والے جو علماء موجود تھے، اور جوان دانایان فرنگ کے مقابلہ میں
کھڑے کئے گئے، ان کا تورات و انجیل اور مذہب عیسوی کا مطالعہ اور اس کی کمزوریوں
سے واقفیت اور اسلام کو عقلی و علمی طور پر پیش کرنے کی صلاحیت اس درجہ کی تھی کہ وہ
ان کو ان مغربی فضلاء کا مقابل بنا سکے اور وہ اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر سکیں، اس
صورت حال سے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان غیر ملکی عیسائی فضلاء کی عقلی و عقلی
برزری کا نقش قائم ہو گیا ہو اور علماء اسلام (جو اس میدان کے مرد نہ تھے) اس کی نظر سے گر گئے ہوں۔
اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلا چاہئے تھا، ملا عبد القادر لکھتے ہیں :-

اہل بدعت و اہل بدعتی آرائی اہل بدعت اور ہوا پرست اپنی غلط آراء

فاسدہ و شبہات باطلہ از کہیں برآمدہ
باطل را بصورت حق و خطا را لباس
صواب جلوه دادہ، پادشاہی را کہ
جوہری نقیس و طالب حق بود، امامای
محض و متائف و متانس بکفرہ
وار اذل، در شک انداختہ حیرت
بر حیرت افزود و مقصود از مباح
رفت، وسوسہ بد شرع مبین بین
شکست و بعد از پنج شمش سال خود
اثری از اسلام نماند و قضیہ منعکس شدہ

اور باطل شبہات کے سبب کہیں گاہوں
سے نکل آئے اور باطل کو حق کی صورت
میں اور خطا کو صواب کے لباس میں پیش
کرنے لگے، اور بادشاہ کو جو جوہر ذاتی
رکھتا تھا، اور طالب حق مگر امتی محض
اور کافروں سے مانوس تھا، شک میں
بتلا کر دیا، اور اس کی حیرت میں ضافہ
کر دیا اور مقصد فوت ہو گیا اور شریعت
کا بندھ ٹوٹ گیا، اور پانچ چھ سال
کے بعد اسلام کا کوئی اثر نہ رہ گیا اور
معاملہ بالکل الٹ گیا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

در ہر کئے از ارکان دین و عقیدہ از
عقیدہ اسلامیہ چہ در اصول و چہ در
فروع مثل نبوت و کلام و رویت و
تکلیف و تکوین، و شر و شر شبہات
گوناگون بہ نسخ و استہزاء آوردہ۔

ارکان دین ہر رکن اور اسلامی عقائد کے
ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے
ہو یا فروع سے مثلاً نبوت و کلام و رویت و تکوین
انسان کا مکلف ہونا، عالم کی کوین شر و شر
وغیرہ کے متعلق نسخ اور ٹھٹھے کے ساتھ
طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ تفسیر و تاریخ جیسے نازک مضمون جن میں ناخدا ترس اور غیر راسخ اعلم لوگوں کو ذہنی انتشار پیدا کرنے کی بڑی گنجائش ہے اس امی بادشاہ کے دربار اور ایک غیر سنجیدہ اور بے باک فضا میں پڑھے جانے لگے۔

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں :-

و دریں ایام قاضی جلال و دیگران
را از علماء فرمودند تا تفسیر قرآن مجید
می گفتند و در میان علماء بر سر آن
غوغائی بود و بچند مسخره راجع
منجمله می گفتند کہ اگر کاؤ نزدیک تھا
معظم نبودى در اول سورہ قرآنی چرا
مذکور شدی و چون تاریخ خوانده می شد
روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسد شد
گرفت و گام فراخ تر نہادند و نماز
و روزه و جمیع نبوات تقلیدیات
نام نہادند یعنی غیر معقول و مدارین
بر عقل گزارا شدند نقل و آمد و رفت
فرنگیاں نیز شد و بعضی اعتقادات
عقلی ایشان را اگر گفتند :-

انہی دنوں میں قاضی جلال اور دیگر
علماء کو حکم ہوا کہ تفسیر قرآن بیان کریں
اور خود علماء کے درمیان اس معاملہ
میں بڑی کشمکش تھی، و بچند مسخرہ
راجع منجملہ کہتا تھا کہ اگر حق تعالیٰ
کے نزدیک گاٹے محترم نہ ہوتی تو قرآن
کی پہلی سورہ میں کیوں مذکور ہوتی، اور
جب تاریخ پڑھی جانے لگی تو روز بروز محکمہ
لوگوں کا اعتقاد خراب ہونے لگا اور
سر سے آگے بڑھ کر نماز و روزه اور تمام نبوی
تعلیمات کو تقلید یا کلام دینے لگے یعنی
انہیں غیر معقول کہنے لگے اور دین کا
مدار بجائے نقل کے عقل پر رکھنے لگے
فرنگیوں کی آمد و رفت بھی ہونے لگی

چنانچہ ان کے بھی بعض اعتقادات
قبول کر لئے۔

اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علمائے دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری

اکبر کو اسلام کی صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے اور اس کے مزاج کو بے اعتدالی اور انحراف سے بچانے میں علمائے دربار و ارکان سلطنت بھی بڑا بنیادی اور مفید کردار ادا کر سکتے تھے لیکن اس لئے ایک طرف ایسے علماء کی ضرورت تھی جو حکمتِ دین اور تفقہ کا جوہر رکھتے ہوں ان کی نظر جزئیات سے زیادہ کلیات پر ہوا وسائل سے زیادہ مقاصد پر اور فصل سے زیادہ فصل کی اہمیت و ضرورت پر ہوا اخلاقِ عالیہ سے متصف بے لوث اور بے غرض جاہ طلبی اور حبِ دنیا سے امکانی حد تک دور ہوں اور ان کا کسی درجہ میں تزکیہ نفس ہو چکا ہو وہ اس عظیم نو خیز اسلامی سلطنت کی اہمیت و نزاکت کو خوب سمجھتے ہوں جو اس غیر مسلم اکثریتی (جس میں اب بھی اپنے سلطنت و اقتدار سے محرومی کا احساس باقی ہے اور جس کے تعاون کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی) گھری ہوئی ہے اور یہ کہ ان کو جس تیموری سلطنت کی خدمت رہنمائی کا زریں اور تاریخی موقع ملا ہے وہ اس وقت ترکی کی عثمانی سلطنت کے بعد مملکت کی وسعت و وسائل کی کثرت، انسانی طاقت اور مذہبی جذبہ کی حکمرانی ہر لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت ہے اس لئے اس کی حفاظت اس کا اسلام سے رشتہ قائم رکھنے، اس کے سربراہ کو ان نازک حالات میں اس شیشہ و آہن اور اس پنبہ و آتش کو جمع رکھنے میں مدد دینا وقت کی سب سے بڑی عبادت اور دین و ملک کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

دوسری طرف ایسے ارکان سلطنت اور مشیران دربار کا ہونا ضروری تھا،

جو اس دین پر (جس کو بابر نے رانا سانگا (۱۵۱۹ء) کے مقابلہ میں میدان جنگ میں منہیا شریعہ سے توبہ کر کے اور خدا سے بندگی کا عہد استوار کر کے سلطنت کی بنیاد بنا دیا تھا) خود بھی حکم عقیدہ رکھتے ہوں اور بادشاہ کے لئے بھی اسی کو پسند کرتے ہوں، وہ ہر قسم کے ذہنی انتشار سے محفوظ اور ان تخریبی اور ملحدانہ تحریکوں سے دور ہوں، جو دسویں صدی میں ایران و ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جو سلطنت و معاشرہ کا رابطہ کمزور کرنے والی، اعتقادی و اخلاقی انارکی پھیلانے والی تھیں، ان میں سلطنت کے نظم و نسق اور دستور سازی کی صلاحیت کے ساتھ اخلاقی بلندی دینی استقامت اور مذہبی پابندی بھی پائی جاتی ہو۔

اگر یہ دونوں عنصر اکبر اور اس کی سلطنت کو میسر آجاتے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سلطنت مشرق میں حمایت اسلام اور خدمت دین کا وہی کردار ادا کرتی جو مغرب میں آل عثمان کی سلطنت نے ادا کیا بقول اقبال ۷

نہ تھے نژکان عثمانی سے کم نژکان تیموری

لیکن یہ بڑی قسمتی تھی کہ اکبر کو (اس کی اقبال مندی اور خوش نصیبی کے ساتھ) ان دونوں جماعتوں میں سے جو عنصر ملا وہ اتنا ہی نہیں کہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا، بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خدمت کے بجائے بد خدمتی، اکبر کو دین سے قریب کرنے کے بجائے اس کو دین سے دور، متوحش و منفربانہ، اور ان مخالف اسلام دعوتوں اور تحریکوں سے دور رکھنے یا ان کے استئصال پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کو ان دعوتوں اور تحریکوں کا علمبردار بلکہ ان کا رموز و نشان بنانے کی خدمت انجام دینے والے تھے۔

علمائے دربار

ہم پہلے عنصر علمائے دربار کو پہلے لیتے ہیں، جن کا اکبر شروع سے غائبہ بردار رہا تھا، اور جن پر اس نے سب سے زیادہ اعتماد کیا، اور جن کو خود بھی دربار میں سب سے پہلے تقرب حاصل ہوا، اور جو اسلام کے ایک بڑے عالم و مبصر حضرت عبداللہ بن مبارک کی نظر میں تین عناصر فساد میں سے ایک اہم عنصر ہیں۔

وہل افسد الدین الاملوک و احبار سوء درہیانہا

دین کو سلاطین، علمائے سوء اور زاہدان دنیا دار کے سوا کس نے بگاڑا ہے؟

ہم اس موقع پر بھی ملا عبد القادر بدایونی کی شہادتیں نقل کرتے ہیں، جو خود ارکان دربار میں سے تھے اور ان کے ان بیانات میں بھی جو انھوں نے ایک تاریخی شہادت کے طور پر خود اپنی جماعت اور رفقاء کے متعلق دیئے ہیں، ان کی کوئی ذاتی غرض اور عناد معلوم نہیں ہوتا، علمائے دربار کی تصویر کشی انھوں نے اس طرح کی ہے:-

”عبادت خاد میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ اور علماء و امراء کی طلبی ہوتی، آگے

پچھے بیٹھنے میں مشائخ و علماء سے نفسانیت کا اظہار ہوا، ہر ایک دوسرے سے آگے اور

متنازعہ جگہ بیٹھنا چاہتا تھا، بادشاہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ حکم دیا کہ امراء جانب

مشرق بیٹھیں، سادات جانب مغرب، علماء جنوب میں اور مشائخ شمال میں بادشاہ خود

ایک حلقہ میں آتا، اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک رات علماء بڑے زور زور سے بولنے اور بحث کرنے لگے،

بادشاہ کو اس سے تنگ نظر پیدا ہوا، اور اس نے اس کو بے تمیزی اور دنیا داری پر محمول کیا۔

ایک دیگر تیغ زبان کشیدہ در مقام
باہم دگر تیغ زبان کھینچ کر دمقابل ہو گئے
تثانی و تقابل بودند و اختلاف بجائے
اختلاف یہاں تک بڑھ گیا کہ ایک
اس رسید کہ تکفیر و تضلیل ہم دگیمی نمودند
دوسرے کی تکفیر و تضلیل پر اتر آئے
رگ گردن علماء زماں بر آواز آواز ہائے
اس وقت کے علماء کی گردنوں کی
بلند و درمہ بسیار ظاہر شد این معنی
رگیں پھولی ہوئیں اور آوازیں بہت
بر خاطر اشرف گراں آمدہ۔
بلند تھیں اس بات سے خاطر اشرف
پر گرانی ہوئی۔

اکبر نے اس پر آزر دہ اور کمزور ہو کر ملا عبد القادر سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بدتمیزی کا مظاہرہ کرے اسے وہاں سے اٹھا دیا جائے۔

اعلیٰ دینی عہدہ داروں میں ایک اہم رکن ملا عبد اللہ سلطانپوری[ؒ] تھے جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا، انھوں نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضہ حج کے استقاط کا فتویٰ دیا تھا، زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی حیلہ شرعی[ؒ] سے کام لیتے تھے، اور اس کی فرضیت سے بچ جاتے تھے، انھوں نے عہد اکبری اور اپنے عروج کے زمانہ میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق ان کے آبائی قبرستان سے برآمد ہوئے، جنھیں مردوں کے

لے ایضاً ص ۲۰۳ ۲۰۴ یہ سلطان پور مشرقی پنجاب میں جالندھر کے قریب ہے، ان کے تفصیلی حالات کے لئے

ملاحظہ ہو "نہجۃ الخواطر" جلد ۵۔

۲۰۵ یعنی حولان ہونے (ایک سال گزر جانے) سے پہلے وہ رقم جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی، الیہ یا کسی دوسرے عزیز کو

دے دیتے، وہ لینے کے بعد واپس کر دیتا، اس طرح وہ اس سال زکوٰۃ سے بچ جاتے کہ حولان ہول کی شرط ہے، آئندہ سال بھی یہی عمل کرتے۔

یہاں سے انھوں نے دفن کر دیا تھا۔

مخدوم الملک کے بعد دوسرا درجہ صدر الصدور مولانا عبدالنسی کا تھا، جو اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے عالم اور خاص طور پر فن حدیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے، لیکن منتخب التواریخ کی بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علمی پایہ کچھ بلند نہ تھا، اور عربی کے بعض الفاظ کی تصحیح و تحقیق بھی پورے طور پر نہ تھی، اگرچہ ان کو صدر الصدور کا عہدہ دیا، اور ان کو ایسا جاہ و جلال اور اختیار و اقتدار حاصل ہوا کہ ان کے سامنے اچھے اچھے ارکان سلطنت کا چراغ نہیں جلتا تھا، بادشاہ نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے ان کو جوتے پہنائے، بڑے بڑے علماء شرف پاریاں حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے، سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ اور سجادہ نشینوں کو جاگیریں عطا کرنا، معافیاں دینا، اور وظائف جاری کرنا ان کا کام تھا، اور اس میں انھوں نے ایسی دریاہوں سے کام لیا کہ پچھلی سلطنتوں میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق (جو ان کے معاصر دوست اور شریک دربار تھے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء کے اعلیٰ اخلاق، اپنے خاندان کی بہترین روایات و خصوصیات بلکہ عام تہذیب اور موقع شناسی سے بھی عاری تھے، ممکن ہے کہ اس اعلیٰ عہدہ نے ان میں یہ تبدیلی

لے ایک روایت ہے کہ ان قبروں سے تین کروڑ روپے مالیت سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔

۲۔ شیخ عبدالنسی شیخ احمد گنگوہی کے صاحبزادہ اور حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے، لیکن علمائے حجاز سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو اپنے خاندانی مسلک و وحدۃ الوجود اور سماع سے اختلاف ہو گیا تھا، اور ان کے تعلقات اپنے والد سے اچھے نہیں رہے تھے، حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۵۔ ۳۔ علمائے حجاز بالخصوص علامہ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کی جیسے اساتذہ وقت سے علم حدیث حاصل کرنے اور صاحب تصنیف ہونے کے ساتھ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ وہ

معمولی عربی الفاظ کو غلط (مثلاً حجر کو جس میں پہلے جیم مقوفا ہے حجر جس میں پہلے حاء ہے) پڑھیں، واللہ اعلم بالصواب۔

پیدا کر دی ہو، ان کا اخلاقی اثر بھی بادشاہ ارکان دربار پر اچھا نہیں پڑتا تھا، ملا عبد القادر ان کو اپنے عہدہ و رسوخ کا غلط استعمال کرنے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا، لوگ شیخ کے وکیلوں ان کے فراشوں و دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوت دینے پر مجبور ہو گئے کہ اس کے بغیر کار برآری نہیں ہوتی تھی!

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دینی احتساب کرنے میں وہ حکمت و موقع و محل کی رعایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے، اور بعض اوقات خود بادشاہ اس کی زد میں آجاتا تھا، آثار الامراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی ایک سالگرہ کے موقع پر امراء، علماء و مشائخ بادشاہ کو مبارکباد دے رہے تھے، بادشاہ کے بدن پر عفرانی رنگ کا لباس تھا، شیخ نے اس لباس پر اعتراض کیا، اور دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی، لیکن یہ تاکید اس جوش سے کی کہ ان کے عصا کا سراپا بادشاہ کے لباس شاہی کو جا لگا، بادشاہ نے اس کو برداشت کر لیا لیکن اس کو پناہ نہ دے، بہت محسوس ہوئی، اور جب وہ حرم میں گیا تو اپنی والدہ سے شیخ کی شکایت کی والدہ نے جو ایک بزرگ خاندان کی بیٹی تھیں بادشاہ کو سمجھایا کہ اس وقت اس کا یہ تجمل تاریخ میں اس کے مناقب میں لکھا جائے گا کہ ایک عالم نے جو رعیت میں سے تھا، جہاں پناہ کو عصا مارا اور وہ محض شریعت کے احترام میں خاموش رہا!

اس کے علاوہ مصیبت یہ پیش آئی کہ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی دونوں ایک دوسرے کے حریف و رقیب ہو گئے، مخدوم الملک شیخ عبد النبی کو الزام دیتے تھے، اور شیخ عبد النبی مخدوم الملک کی تجہیل و تکفیر کرتے تھے، اور ان کے جامی ایک دوسرے کے صفت آرا بن جاتے

تھے، مخدوم الملک اور صدر شیخ عبدالغنی کے حالات سے (اگر وہ بالکل اسی طرح ہیں جو تاریخ میں آئے ہیں) اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علم و حکمت دینی اور تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کسی لحاظ سے اس نازک زمانہ (عہد اکبری) اور اس اہم اور پیچیدہ ماحول (دربار اکبری) میں دین کی صحیح نمائندگی اور نیابتِ رُسل کے کام کے لئے موزوں نہ تھے، اس کے لئے اگر سلیمان بن عبدالملک خلیفہ اموی کے مشیر و وزیر بجاء بن حیوۃ اور خلیفہ ہارون رشید کے دینی مشیر و قاضی القضاۃ قاضی ابویوسف کے درجہ کا عالم متقی اور فرزانہ و مدبر نہ ہوتا تو کم سے کم عبدالعزیز آصف خاں اور قاضی شیخ الاسلام حبیب صاحب کمال، عالی دماغ اور زاہد متقی مشیر سلطنت ہوتے، اکبر کے دربار میں جیسا کہ آگے آئے گا، ایران و ہندوستان کے جو ذہین و متبحر علمائے معقولی اور ادیب جمع ہو گئے تھے، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان دونوں سے کہیں بہتر صلاحیتوں، دین و شریعت کے نمائندوں اور سلطنت کے مذہبی محافظوں اور مشیروں کی ضرورت تھی۔

اکبر نے جو (ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق) ان علماء کو جو اس کے عہد کی زینت تھے، غزالی و رازی سے بہتر سمجھتا تھا، جب ان کی یہ سخیف حرکتیں دیکھیں تو علمائے سلف کو بھی نہیں پر قیاس کر کے سرے سے علماء ہی کا منکر ہو گیا۔

ارکان سلطنت و مشیران دربار

ارکان سلطنت کے بارے میں اکبر کی بدقسمتی علمائے دربار سے کم نہ تھی، علم و ثقافت سے سادہ لوح ہونے کی بنا پر اس پر ہر زبان آور ذہین و طباع کا جادو چل جاتا تھا، خاص طور پر جب وہ ولایت (ایران) سے آیا ہو جس کو ہندوستان و افغانستان کے رہنے والے یونان کا

درجہ دیتے تھے، اسی زمانہ میں جب اکبر کے قدم دین کے میدان میں لڑکھڑارہے تھے، ایران سے تین بھائی حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں (حکیم ہمام) اور نورالدین قراری آئے اور دربار میں اونچی جگہ پائی، کچھ عرصہ کے بعد ملازمدی ولایت سے آئے اور صحابہ کرام کے حق میں بیابکانہ زبان طعن کھولی، حکیم ابوالفتح نے قدم آگے بڑھایا اور حقائق دینی (وحی، نبوت، معجزات) وغیرہ کا برملا انکار کیا، اسی عرصہ میں شریف آملی کی ایران سے آمد ہوئی، جو (جیسا کہ اوپر کہا گیا) محمود لسیجانی کے نقش قدم پر تھا، اور محمدانہ عقائد رکھتا تھا۔

ان ایرانی فضلاء و اہل کمال کے علاوہ اعتقادی تزلزل اور ذہنی انتشار کے اسی دور میں کالی کارہننے والا ایک حاضر جواب علم مجلسی میں کمال رکھنے والا اور بذلہ سنچ اور لطیف گو ہندو برہم داس نامی دربار میں داخل ہوا اور بہت جلد بادشاہ کے مزاج میں دخیل اور دربار میں کرسی نشیں ہو گیا، اور مصاحب خاص کا اعزاز پا کر راجہ بیرب کے نام سے شرف و مفتخر ہوا، اس نے ہوا کا رخ دیکھ کر مذہبی معاملات میں اور نازک اسلامی عقائد و مسائل میں بیابکانہ اور استہزائی رویہ اختیار کیا، اور چونکہ یہ مسکڑا بج الوقت تھا، اس لئے ہر طرف سے داد پائی، بادشاہ کے مزاج کو دین کے معاملہ میں غیر سنجیدہ بنانے میں اس کو بھی بڑا دخل ہے۔

ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل

اس پر طرفہ یہ ہوا کہ دربار میں ملا مبارک ناگوری کی آمد و رفت شروع ہوئی، اور اس کے

۱۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۱۱ ۲۔ راجہ بیرب کے اخلاق و کیرکیر کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو دربار اکبری

از محمد حسین آزاد ص ۳۳ تا ۳۸ ۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۶۱

۴۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ملا مبارک کے اول مرتبہ دربار میں پہنچنے کو بارہویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے۔

دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کے مزاج میں ایسا درخشاں اور دربار میں ایسا اعزاز حاصل ہوا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا، ملا مبارک اور ابوالفضل فیضی تینوں کے حالات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے نہایت ذکی، اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے، علوم عقلیہ و ادبیہ پر جاوی قاری کے شاعر و انشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم، طرز تدریس و تحقیق اور رائج و مقبول علوم و فنون کے لحاظ سے لائق فاضل و دانشمند تھے، اگر اس تبحر و تفنن علمی ذہن کی دراکی طبیعت کی موزونیت اور زبان و قلم کی ہم زبانی کے ساتھ ان باب بیٹوں میں دین میں استقامت، روح فی الدین، خدا ترسی و آخرت کو شئی اور اخلاص و تلم بیت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے، اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے جس کی نظر میں مشکل ہوتی لیکن ان کے حالات اور خود ابوالفضل فیضی کے تصنیفات کے مطالعہ سے حسبِ بل حقائق کا علم ہوتا ہے۔

(۱) ملا مبارک (جو اس مشکت کا نقطہ آغاز تھے) کی طبیعت میں بے چینی اور دماغ میں فطرتاً شور و شغب تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد ان کے اندر بجائے جمع و تطبیق اور تاویل و توجیہ کے سب سے انکار و بیزاری کا رجحان پیدا ہو گیا، اور وہ اس پورے فقہی ذخیرے اسلاف کی محنت سے بے اعتقاد ہو گئے، ادھر شیراز کے مشہور فاضل معقول ابوالفضل کا ذرونی کے حلقہ میں شریک ہو کر ان پر تفلسف کا غلبہ ہوا، بجائے شارح و ائمہ فن سے سلوک و تزکیہ میں کسب فیض کرنے اور مکائد شیطان اور امراض نفس سے واقف ہونے کے تصوف و اشراق کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور ان سب کو چوں سے گزرنے کے بعد ان کے اندر ایک تلون و انتشار پیدا ہو گیا، اور ان میں ہر رنگ میں

رنگ جانے اور ”چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی“ پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، حضرت خواجہ باقی باشر کے صاحبزادہ خواجہ کلاں جن کی تربیت شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی، ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

در ہر عصر ہم مشرب و مذہب شمار
ہر زمانے کا وہ مروجہ مذہب و مشرب
وقت خودی ساخت کہ لوگ امرائے عصر
اپنا لیتے تھے جس سے امراء و ملوک
بدان مذہب رغبت داشتند
بھی رغبت رکھتے تھے۔

سرویلزی ہیگ لکھتا ہے کہ ”شیخ مبارک مختلف ادوار میں سنی، شیعہ، صوفی اور ہندی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا“

(۲) طبیعت میں حوصلہ مندی اور جاہ طلبی تھی اس لئے علم و درس کے محدود دائرہ میں محسوس رہنا ان کی موارج طبیعت کو گوارہ نہ ہوا، ان کو سرکار دربار پر اپنے علم و ذہانت کا سکہ بٹھانے کا شوق ہوا، اور وہ اکبر کے سایہ میں (جو سایہ ہما کی طرح سمجھا جانے لگا تھا) آگئے اور خود تو نہیں لیکن اپنے دونوں بیٹوں کو خیل بنا دیا۔

(۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے زمانہ (اور خاص طور پر مخدوم الملک اور شیخ عبد اللہ بنی جو دربار پر حاوی تھے) نے ان کو وہ مقام نہیں دیا تھا جس کے وہ اپنی ذہانت اور فضیلت کی بنا پر اہل تھے، اور ان کے بعض عقائد و خیالات اور تلون مزاجی کی بنا پر ان کی دینی حلقوں میں مخالفت کی گئی یا ان سے بے اعتنائی برتی گئی، اس کا زخم ان کے دل پر گہرا لگا، مولوی محمد حسین آزاد

لے خواجہ کلاں نے حضرت خواجہ حسام الدین کے گھر میں تربیت پائی تھی، خواجہ حسام الدین کی اہلیہ ملا مبارک کی دوسری

کے ادیبانہ الفاظ میں شیخ مبارک نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے کہ دل چھلنی ہو رہا تھا شیخ (ابوالفضل) اور شیخ کے باپ ملا مبارک نے مخدوم اور صدر وغیرہ کے ہاتھوں برسوں تک زخم کھائے تھے جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے دوسری جگہ لکھتے ہیں، شیخ مبارک پر جو جہتیں مخدوم کے ہاتھوں گزری تھیں، بیٹوں کو بھولی نہ تھیں، انھوں نے ان کے تدارک کی فکر کر کے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے اور اکبر کے خیالات بھی بدلنے لگے مولوی محمد حسین آزاد، آزاد خیال ہونے کے باوجود بھی لکھتے ہیں کہ فیضی اور ابوالفضل کا معاملہ ان کے باپ کی طرح گویا گورہا۔ علماء کی اس مخالفت اور زمانہ کی اس نا انصافی نے اس پورے گھرانہ کے اندر "احساس کہتری" پیدا کر دیا، جو مختلف شکلوں میں اور اکثر اوقات "احساس برتری" کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے، اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے علم و ذہانت کے سامنے کسی کا چراغ جل نہیں سکتا، اس کوشش میں اسلام اور پورا دینی نظام زد میں آ گیا، یہاں تک کہ جب سب چراغ ان دونوں بھائیوں کے علم و ذہانت کے چراغ کے سامنے گل یا ماند پڑ چکے تھے، اور اس مملکت میں انھیں کا طوطی بول رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی چین اسلام ان کی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا تو (ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق) ابوالفضل کی زبان پر یہ شعر تھے، جو بالکل حسب حال تھے۔

آتش بدوست خویش در خرمین خویش چو خود زده ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست بنم دشمن خویش اے وائے من و دوست من و دشمن خویش

ملا مبارک کے دو لائق و با کمال فرزند تھے، ابوالفیض فیضی (ولادت ۹۵۴ھ) اور

ابوالفضل علامی (ولادت ۹۵۸ھ)۔

فیضی علوم ادبیہ میں کمال رکھتا تھا، اور اس کی فارسی شاعری اور اس کے استاد ہونے میں دور میں نہیں، مولانا شبلی نے شعرا بجم میں صحیح لکھا ہے کہ فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چارونا چارانا پڑا خسرو اور فیضی۔

فیضی کو خواجہ حسین مروی سے تلمذ تھا، اور اس نے ہرفن میں کمال پیدا کیا، ۹۷۲ھ میں وہ دربار میں پہونچا اور شان نوازش سے بہرہ یاب ہوا، فیضی کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہیں کی، طیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انھیں مشغول میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۱۲ جلوس میں شہزادہ دانیال کی تعلیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اس کو ضروری مراتب سکھا دیئے، اس سن میں اکبر نے اجتہاد و امامت کے دعویٰ سے سجدی میں جا کر خطبہ پڑھا۔ خطبہ فیضی نے لکھا تھا، اکبر نے شیخ عبدالنبی کا زور نوڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیئے تھے، چنانچہ ۹۹۰ھ میں اگرہ، کالنجر اور کالپی کی صدارت فیضی کو دی گئی، ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں پر اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس مہم میں مامور کیا گیا، ۹۹۶ھ میں جو اکبر کی تخت نشینی کا ۳۳ واں سال تھا، فیضی کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۹۹۹ھ میں فیضی کو خاندیس کی سفارت پر متعین کیا گیا، اور اس نے بڑی کامیابی سے یہ خدمت انجام دی، صفر ۱۰۰۳ھ میں انتقال کیا۔

ادبی تصنیفات سنسکرت کے تراجم اور منظومات اور دیوان کے علاوہ اس کی سب سے مشہور تصنیف ”سواطع الالہام“ ہے، جو قرآن مجید کی غیر منقوٹ تفسیر ہے، دو سال کی مدت

لے لکھ کر از شعرا بجم حصہ سوم (۲۷-۷۲) فیضی نے تفسیر میں اس کی پابندی کی ہے کہ کوئی لفظ والا (باقی صفحہ پر)

میں سترہ میں مکمل ہوئی، اکبر نے اس کے صلہ میں فیضی کو دس ہزار روپے دیئے، فیضی کو اس تصنیف پر ناز تھا، اور اس سے عربی زبان و لغت پر اس کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، بدایونی اختلاف مذہبی کے باوجود اس کے کمال علمی اور تبحر کی شہادت دیتے ہیں، لکھتے ہیں:-

در فنون جزئیہ از شعرو معروض و فنون جزئیہ یعنی شعرو معروض و
 قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء
 عدیل در روزگار نداشت۔ میں یکتا سے روزگار تھا۔

کتابوں کا نہایت شائق تھا، ایک گراں مایہ کتب خانہ جمع کیا تھا، جس میں ۴ ہزار کتابیں تھیں، اور اکثر خود مصنف کی یا اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں۔

ملاحظہ القادر بدایونی اور اس زمانہ کے وہ تمام لوگ جن کے دل میں اسلام کی حیثیت تھی،

(باقی صفحہ ۹۶ کا) حرف نہ آنے پائے اور جس کی اس کے زمانہ اور اس کے زمانہ کے بعد دھوم مچ گئی، اپنی قابلیت کا ثبوت اور اس الزام کی تردید میں لکھی کہ اس کو علوم دینیہ سے اشتغال نہیں ہے، لیکن اس کام سے اس کی عربی زبان پر قدرت کا کتنا ہی اظہار اس میں کوئی علمی و ادبی افادیت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض خطاط چاول پر قلم ہوا، لکھ کر اپنی باریک نویسی اور خطاطی کا ہنر ظاہر کرتے تھے، اس تکلف کی وجہ سے تحریر میں نمک اور کلام میں کوئی لطف اور رونق نہیں ہے۔

شاید اس سے زیادہ مفید اور قابل قدر علمی کارنامہ وہ قرار پائے گا جو اسی زمانہ کے ایک شامی عالم محمد بن عبد اللہ بن عربیہ ابن الغزالی دمشقی (م ۹۸۴ھ) نے انجام دیا، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی کہ اسی ہزار اشعار میں کی، اس کا ایک منظوم خلاصہ بھی تیار کیا، اور اس کو سلیمان اعظم کی خدمت میں پیش کیا، سلیمان نے علماء کو دکھایا کہ اس میں کوئی چیز جمہور کے عقیدہ کے خلاف یا تحریف کی تو نہیں ہے، علماء نے اس کی تصدیق و تعریف کی، سلیمان نے اس پر صنف کو بڑا انعام دیا، لکھا کہ اے محمد بن عربیہ! نیز البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للعلامة محمد بن علی الشوكاني الیمینی صاحب نیل الاوطار (م ۱۲۵۰ھ) جز ثانی

اور عہد اکبری کی اس صورت حال سے سخت غم و بیزار تھے، اس بات پر متفق ہیں کہ فیضی بھی اپنے والد کی طرح عقائد میں تزلزل اور ذہنی انتشار میں مبتلا تھا، اور اس کو اکبر کو لاندہب و ملحہ بنانے میں خاص دخل ہے، مولانا عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں فیضی کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں سے مبالغہ اور انشاء پر دازی کے حصہ کو نکالنے کے بعد بھی اس کی آزاد خیالی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا، مولانا شبلی نے شعرا عجم میں اس کی طرف سے پورا دفاع کیا ہے، پھر بھی لکھتے ہیں کہ باہم وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویوں نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہے، وہ اسلام کی اصل تصویر نہیں، شیعوں کے جھگڑوں کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا، ان خانہ جنگیوں کی ہنسی اڑاتا تھا، پھر مولانا نے اس کی عرضداشت کے چند اقتباسات پیش کئے ہیں جن میں تسخر اور استہزاء کا انداز ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ فیضی اور ابوالفضل نے علمی مجلسیں قائم کرائیں جن میں درباریوں کو علانیہ نظر آیا کہ ان متعصبوں کے پاس لعن و تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کی زندگی ہی میں اس کے لمحہ نہ خیالات کی شہرت ہو گئی تھی، لوگوں نے اس کی وفات کی جو تاریخیں نکالی ہیں، اس سے اسی کا اظہار ہوتا ہے، اس کے انتقال کی روایت بھی بڑی عبرت انگیز ہے۔

ابوالفضل بھی اپنی ذہانت، طباعی اور تفنن علمی میں نوادر روزگار میں سے تھا، اور جس طرح اس کے بڑے بھائی فیضی کو شاعری میں دستگاہ کامل حاصل تھی، وہ تحریر و انشا پر دازی میں یدِ طولی رکھتا تھا، اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۴ میں وہ لکھتا ہے کہ کمسنی ہی میں اپنی خود بینی اور

۱۔ شعرا عجم حصہ سوم ص ۵۰-۵۱ ۲۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۵-۲۰۶ فیضی کے مذہب پر تبصرہ مولوی

محمد حسین آزاد کے قلم سے دربار اکبری ص ۲۷ پر ملاحظہ ہو۔

خوشتن آرائی ظاہری اور تقلید کے خلاف اس کو جنون پیدا ہو گیا تھا۔

۹۸۱ء میں وہ آگرہ میں دربار میں باریاب ہوا، اور اس نے آیۃ الکرسی کی تفسیر بادشاہ کو پیش کی پھر ۹۸۲ء میں سورۃ الفتح کی تفسیر کا ہدیہ گزارنا اس وقت اس کا تقرب برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وزارت جلیلہ و کالت مطلقہ کے منصب پر سرفراز ہوا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ آئین اکبری ہے، آئین اکبری کو تیموری دور کے ملکی، حربی، صنعتی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، خانگی، علمی اور مذہبی حالات و واقعات کا آئینہ سمجھنا چاہئے، اس کی دوسری مایہ ناز تصنیف ”اکبرنامہ“ ہے جو ہندوستان کے تیموری سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ انشاءے ابوالفضل کے نام سے اس کے خطوط کا مجموعہ اور دوسری تصنیفات ہیں، اساتذہ میں جہانگیر کے اشارہ سے بیرنگ دیو نے اس کو قتل کر دیا، اکبر کو اس کا بڑا رنج ہوا اور اس نے آنسو بہائے۔

ڈاکٹر محمد باقر اپنے مضمون ”ابوالفضل“ مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھتے ہیں:

”ابوالفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصہ دخل پیدا کیا، چنانچہ جب اکبر نے ۹۸۲ء

۹۸۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علماء کے مباحثے منسوخ کئے، عبادت خانہ قائم کیا، تو ابوالفضل

علماء کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرف داری کرتا، یہاں تک کہ

اس نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علماء سے کہیں افضل اور برتر ہیں

اور ۹۸۹ء میں دربار شاہی سے ایک محضر جاری کیا، اس کی رو سے مذہبی علماء کے اختلافات

لے بزم تیموریہ ص ۱۶۳ ۱۶۴ اکبرنامہ کے متعلق مشہور فرانسیسی فاضل کاراڈی واکس لکھتا ہے کہ وہ ایک ایسی

علمی دستاویز ہے جس پر شرقی تمدن کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے، جن انسانوں کی ذہانتوں نے اس ضخیم کتاب کے

ذریعہ اپنا تعارف کرایا ہے، وہ حکومت اور انتظام کے فن میں اپنے زمانہ سے بہت آگے معلوم ہوتے ہیں۔“

پٹانے کے لئے آخری حکم اکبر کو بنادیا گیا، عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی میں اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چڑایا، اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الہی کی بنیاد رکھی، اسے ابو الفضل نے بھی قبول کیا۔^{۱۵}

تاثراً لامراء میں ہے کہ جنت مکان یعنی جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ شیخ ابو الفضل نے میرے والد کو یہ ذہن نشین کرادیا تھا کہ جناب ختمی پناہ میں بڑی فصاحت تھی، قرآن انھیں کلام ہے، اس لئے جب وہ دکن سے آ رہا تھا، تو میں نے سرنگھ دیو سے کہا کہ وہ اس کو قتل کر دے، اس کے بعد میرے والد اس عقیدہ سے باز آ گئے۔^{۱۶}

لیکن اس بارہ میں سب سے معتبر شہادت خود ابو الفضل کی ایک عبارت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے علم و ذہانت سے کام لے کر بادشاہ کی خواہشات کو علمی جامہ پہنانے اور اس کو علمی اسلحہ فراہم کرنے اور اکبر کو فرمانروائے سلطنت کی سطح سے امام زماں اور ہادی دور کی منصب بفتح تک پہنچانے میں جو کردار ادا کیا تھا، اس پر اس کا ضمیر مطمئن نہیں تھا، اور وہ کبھی کبھی اپنی زندگی و بیلاری کا ثبوت دیتا تھا، وہ اپنے ایک خط میں جو اس نے خانخاناں کو لکھا ہے، اپنے بارہ میں لکھتا ہے:-

دو شتمہ از آلام و استقامت این قصہ پر قصہ کہ راقم سطور
اس دردناک کہانی کا ایک معمولی المیہ یہ ہے کہ
در او یہ مشاغل لایعنی منہک شد از عبد اللہی
راقم سطور مشاغل لایعنی کے جہنم میں پھنس کر بند خدا

۱۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸۸۹-۸۹۰ ۱۶ مکتبہ صباغ الدین عبدالرحمن صاحب لکھتے ہیں کہ

ترک جہانگیری کے نو کشور ایدیشن میں تو جہانگیر کا یہ بیان نہیں ہے، لیکن ترک جہانگیری کے اس انگریزی ترجمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، جو میجر ڈیوڈ برائٹس نے کیا تھا ص ۵۳-۵۴ (بزم تیموریہ ص ۱۶۶)

۱۷ ابو الفضل اپنی تصنیفات میں اکبر کے لئے امام معصوم، خلیفۃ اللہ، واقف اسرار خفی و جلی اور قاسم اوراق بندگان الہی کے جیسے ببالغہ آمیز الفاظ بے تکلف استعمال کرتا ہے، اور ان خوارق و کرامات کی نسبت کرتا ہے، جو اس کو

ما فوق الغفرت انسان ثابت کرتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ مہا بھارت فارسی)

بعد الطبعی مدد شرف آن شد که حیا از باطن
از عبد اللہ بن عبد اللہ امی والد زائری موصوف کرد
قدیم جبار آورده نام زدگی خود را ظاہر از دولت
از تردد او محاربا ناقصان بے تو گمانہ کہ فطرت و طبیعت
دریں ہی و چهار سال نیا خصوصاً درین و از وہ
سال کہ در کشکول بنایان قنارہ است نہ قدرت
تکلیف نہ قوت گریز نہ طاقت پرہیز دارد
بعبارت در آورده اعلام آن استظهار لانا می نماید
صبرے نہ کہ از عشق بہ پرہیزم من
دستے نہ کہ با قضا آویزم من
راجپوت رانیوں کا اثر

اکبر کے لئے ایک بڑی آزمائش کی بات اور اسلام سے اس کے مزاج کے منحرف ہونے کا
ایک قوی سبب یہ تھا کہ اس نے استحکام سلطنت کے لئے راجپوت راجاؤں کے ساتھ رشتے ناطے
کئے اور ان کا اعلیٰ ترین مناصب پر تقرر کیا اور ان کا پورا اعتماد حاصل کرنے اور ان کو شیر و شکر
کرنے کے لئے بہت سے ایسے کام کئے جو اس کے پیشرو سلاطین نے ابھی تک نہیں کئے تھے مثلاً
ذبح گاو کی ممانعت، آفتاب کے رخ بیٹھ کر جھروکا درشن، ڈاڑھی منڈوانا، بھدر اکروانا، تشقہ
لگوانا، ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر تمام ہندوانہ رسموں میں حصہ لینا، اکبر کی ایک بیوی راجہ
بہاری مل کی بیٹی اور راجہ بھگوان داس کی بہن تھی، دوسری جودھ بانی جودھ پور کی رانی۔
..... ان ہندو رانیوں کا اور ان کے واسطہ اور رشتہ سے ان کے بھائیوں اور

عزیزوں کا اکبر پر خاصا اثر تھا، اور یہ بالکل قدرتی بات تھی، دین کے ایوان میں سب سے پہلا

نزول جو واقع ہوا، وہ اسی تعلق کا نتیجہ تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ منہر کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا، لیکن قریب کے ایک برہمن نے راتوں رات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا، جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، قاضی عبدالرحیم نے شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی عدالت میں مرافقہ کیا، شیخ عبدالنبی نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کیا، تحقیق سے واقعہ کی تصدیق ہوئی، اور صدر الصدور نے سزائے موت کا حکم جاری کیا، لیکن وہ برہمن رانی جو دھبائی کا پروہت تھا، رانی اکبر پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو سزا سے بچالے، بادشاہ عدالتی کارروائی میں مداخلت اور صدر الصدور کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، صدر الصدور نے سزا کا نفاذ کیا، لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا، اور بقول بدایونی:-

• دختران را بھائے عظیم ہند نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے ملاؤں کو ایسا سر چڑھایا کہ وہ منشا و سلطانی کی بھی پروا نہیں کرتے، دربار میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا موت نہیں ہے، اس لئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے، جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے۔

محضر اجتہاد و امامت

یہی موقع تھا، جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا، جو اکبر اور اس کی مملکت کے رُخ کے پھرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا، اور جو ذہنی و تہذیبی ارتداد کے پوسے قصر کا صدر دروازہ کہا جاسکتا ہے، اس محضر میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ:-

۱۔ اس محضر کا پورا متن منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۴۱-۲۴۲ طبقات اکبری ص ۳۳۳-۳۳۴ میں ملاحظہ ہو، نیزہ الخوارزمی اس کا پوری ترجمہ

”خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے“ اور حضرت سلطان کہف
 الا نام امیر المؤمنین ظل الشری علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سبک زیار
 عدل والے عقل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف
 رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں نبی آدم کی آسانیوں کے مد نظر کسی ایک
 پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معین کر دیں، اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا فیصلہ
 قطعی اور اجماعی قرار پائے گا، اور رعایا اور برائے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی۔“

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۷ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا، بادشاہ کے ایام پر
 تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے اور اس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد واجب الطاعت اور
 خلیفۃ الشری قرار پایا اور یہی اس سفر کا نقطہ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے
 عناد و اختلاف پر جا کر مکمل ہوا۔

محضر پر ایک نظر

سلاطین وقت اور اصحاب اقتدار کی غیر مشروط تائید و حمایت ان کی لغزشوں اور
 بے عنوانیوں کی توجیہ و تاویل اور ان کے احکام جائزہ (اور بعض اوقات اسلام کو صریح
 طور پر نقصان پہنچانے اور اس کو بدنام کرنے والے) غلط اقدامات اور منصوبوں کے لئے علمی لائل
 اور فقہی و کلامی سندیں فراہم کرنے کی نظیروں سے مسلم سلطنتوں کی طویل تاریخ خالی نہیں، اے وقت
 سے بارہا لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور انھوں نے کسی اختیاری مصلحت یا کسی
 اضطراری ضرورت کی بناء پر اپنے منصب و مقام کے خلاف کام کیا ہے، لیکن ایسے شاہان
 وقت کی پشت پناہی بلکہ دین و شریعت کے خلاف منصوبہ بندی کے سلسلے میں اس محضر کی

جس کو شیخ مبارک اکبر کے لئے تیار کیا تھا، مشکل سے نظیر ملے گی، اس میں ایک ایسے جوان ۱۸ سال
 بادشاہ کو مجتہد سے اونچا درجہ دیا گیا ہے اور اس کو مجتہدین کے اختلافی مسائل میں ترجیح اور انتہا
 کا حق عطا کیا گیا ہے اور اس کو اعدل و اعقل و اعلم بالشرمانا گیا ہے جو ناخواندہ محض ہے
 جس کی طبیعت میں پہلے سے بے قیدی اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی ہے جس کا علمائے اسلام
 اور شارحین دین و شریعت پر سے اعتقاد و اعتماد اٹھ چکا ہے اور اپنے گھر اور دربار کے ہندوانہ
 ماحول سے بشدت متاثر اور تیزی کے ساتھ ہندوانہ خیالات و رسوم و عادات کے اختیار
 کرنے کی طرف مائل ہے جو مطلق العنان سلطنت اور کامل اختیارات کا مالک ہے اس کا فائدہ
 صرف اہل ہوی و ہوس کو یا ان درباری علماء کو پہونچتا تھا، جو بادشاہ کے نام سے اور اس کے
 احکام و فرامین کے پردہ میں آزادی و بے قیدی کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، شریعت اسلامی کو
 بازیچہ اطفال بنانا چاہتے تھے، یا اپنے پرانے دشمنوں یا حریفوں سے انتقام لینے کا خواب دیکھتے
 تھے، شیخ مبارک جیسے ذہین و فطین انسان سے اس اقدام کے عواقب و نتائج مخفی نہیں رہ سکتے
 تھے، اس لئے اس کی توجیہ بڑی مشکل ہے کہ اس محضر کے پیچھے کیا منصوبہ کام کر رہا تھا؟ ایک بالغ نظر
 مؤرخ جس کی اس طرح کے اقدامات کے نتائج و عواقب پر نظر ہے آج ملا مبارک کی روح کو مخاطب
 کر کے کہہ سکتا ہے ۔

فان كنت لا تدري فتلک مصيبة وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال

اس محضر کے صدور اور ملا مبارک کی علمی پشت پناہی اور اس کے باکمال فرزندوں فضی او

لے اس محضر کے صدور کے وقت اکبر کی عمر ۳۸ سال کی تھی ۔ لے اگر تم کو اس طرز عمل کا قدرتی نتیجہ معلوم نہیں تھا،

تو یہ ایک افسوسناک بات ہے اور اگر معلوم تھا، اور تم نے دانستہ یہ کام کیا تو معاملہ اور زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز ہے ۔

ابوالفضل کے دربار میں آنے جانے کے بعد مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور صدر الصدور مولانا عبدالنبی گنگوہی کا زوال شروع ہو گیا، مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو جو دربار کا یہ رنگ دیکھ کر خانہ نشین ہو گئے تھے ایک دن زبردستی لایا گیا اور جوتوں کی صف میں بٹھایا گیا، مخدوم الملک کے حجاز جانے کا حکم ہوا ۹۸۷ھ میں وہ حجاز گئے، وہاں کے اکابر علماء نے ان کا بڑا استقبال کیا، او استاد العلماء شیخ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کی بڑی تعظیم سے پیش آئے، مکہ معظمہ میں تقریباً تین سال قیام کر کے وہ ہندوستان واپس ہوئے، لیکن گجرات پہنچے تھے کہ ان کو زہر دے دیا گیا، اور وہیں ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں انھوں نے انتقال کیا، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ زہر خورانی کا یہ عمل اشارۃً سلطانی سے ہوا، خوانی نے مآثر الامراء میں اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ عبدالنبی نے بھی حجاز کا قصد کیا، کچھ مدت وہاں قیام بھی کیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنا جاہ و جلال اور عہد رفتہ کی یاد بھولی نہ تھی، وہ ہندوستان آئے اور بادشاہ سے عفو و گزر کی درخواست کی، ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کو حکم دیا کہ ان سے حساب فہمی کرے، راجہ نے ان کو محبوس کر لیا، اور ان سے سخت دار و گیر کی، اسی دار و گیر میں ان کا انتقال ہو گیا، لیکن مآثر الامراء میں ہے کہ بادشاہ نے ان کا معاملہ ابوالفضل کے سپرد کیا، اسی نے ان کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔

الف ثانی کی تیاری اور دین الہی کا اجراء

بادشاہ کو مجتہد مطلق اور مطاع برحق بنادینے کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ ظہور اسلام پر ایک ہزار سال گزر رہے ہیں، اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو رہا ہے، اس نئے ہزار سال سے

دنیا کی ایک نئی عمر شروع ہوگی، اس کے لئے ایک نیا دین، ایک نیا آئین، اور ایک نیا شارع اور نیا حاکم چاہئے، اور اس کے لئے اکبر جیسے صاحب تلج و نگیں اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں، ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:-

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ	بادشاہ کے ذہن میں چونکہ یہ بات
ہزار سال از زمانہ بعثت پیغمبر اسلام	راسخ ہو گئی تھی کہ پیغمبر اسلام کی بعثت
علیہ السلام کہ مدت بقا میں دین بود	کی مدت کے ہزار سال پورے ہو چکے
تمام خدو و یح مانع برائے اظہار و داعی	جو اس دین کی عمر طبعی ہے اور اب کوئی
خصیہ کہ در دل دانشمند نہ ماند	مانع ان پوشیدہ دلی تقاضوں کے
اظہار میں نہیں رہا۔	

اس فیصلہ کے بعد وہ تمام تبدیلیاں شروع کر دی گئیں جن سے یہ خیال مملکت میں عام اور پختہ ہو جائے، چنانچہ سکے پر (جو ہر ایک کے ہاتھ میں جاتا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی اشتہار نہیں) الف کی تاریخ ثبت کر دی گئی، تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے اور اس کو دور دور میں تقسیم کرنے کے لئے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا، اس میں سین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا، لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ:-

”اس صاحب زمان کا وقت آگیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے

والا ہوگا اور وہ بادشاہ کی ذات قدسی صفات ہے۔“

اسی سے دین الہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا، جس میں توحید کے بجائے (عبادت آفتاب کی

شکل میں) شرک صریح کو اکبر پرستی، ایمان بالبعث کے بجائے عقیدۂ تناسخ تھا، اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا، اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا، جس میں کہا جاتا تھا کہ :-

” میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا اور دیکھا تھا علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں، یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں !“

اس دین میں سود، جوئے اور شراب اور کم خنزیری کی حلت تھی اور ذبیحہ گاؤ کی نعت قانون نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کر دی گئی تھی، اور اس کے لئے قانون بنا دیا گیا تھا، تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی جس میں فطرت انسانی کے قانون قدیم کے مطابق اس دین اور طریقہ زندگی کا پورا اچھکا ہوا تھا، جس کی طرف طبعی میلان اور تسکین نفس کا سامان تھا، اور خارجی و ملی و سیاسی مصالح اس کی ترجیح کے حق میں تھے۔

۱۔ منتخب التواریخ ص ۱۷۳ ۲۔ اس رواداری اور صلح کل تحریک یا نئے دین و آئین میں اسلام اور ہند مذہب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ قائم نہیں رہ سکا، قدرتِ اس مذہب اور فرقہ کا پورا اچھک گیا جس کا دربار میں رسوخ اور طبیعت میں رجحان تھا، مختصر تاریخ ہند کے مصنفین، ڈبلیو ایچ، مورلینڈ اور لے، اسی اپیٹرجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے گاؤ کشی بھی بند کر دی تھی اور اس کے اس حکم کی (باقی مشاہیر)

اکبر کے دینی و مزاحی انحراف و اختلال کا نقطہ عروج

اکبر کا یہ دینی و مزاحی انحراف و اختلال کس نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اس کے لئے ہم سب سے پہلے اکبر کے عقل کل اور نفس ناطقہ ابوالفضل علامی کے اقتباسات پیش کریں گے۔ یہ اس ہمہ گیر تبدیلی اور انحراف کی متفرق کڑیاں ہیں، جو ابوالفضل کے بیانات میں پائی جاتی ہیں، ان کو جمع کر کے اس زنجیر آتشیں کا کچھ تصور کیا جاسکتا ہے، جو اس وقت اسلام کے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخوان از میں محل

آتش پرستی

کیہاں فروز روشن دل، نور دوستی را	جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے
ایزد پرستی شمار، و ستائش الہی اندیشہ	روشنی کو بید عزیز رکھتے ہیں، اور اس کی
نادان تیرہ خاطر و اور فراموشی و آذر پرستی	تعظیم و تکریم کو خدا پرستی اور ستائش الہی
خیال کنند۔	خیال فرماتے ہیں، نادان کو رباطن
	اس کو خدا فراموشی و آتش پرستی کہتے ہیں۔

(بانی مشائخ) خلافت ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں، اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے، اس کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی:

A SHORT HISTORY OF INDIA. کار و ترجمہ از مولانا محمد یوسف کوکن ص ۲۵۱

لہ آئین اکبری جلد ۱ ص ۲ (طبع لکھنؤ ۱۸۸۲ء)

وچوں روشنی بخش جہاں، نور خویش
 برگیر، خدمت گزاران سعادت
 گرے در دوازده لگن ہائے زیریں
 وسیمیں کا فوری شمعہا فروختہ در پیشگا
 حضور آورند ویکے از سرانندگان
 شیوہ زبان شش دست ایزدی سپا
 برگزار دو بگوناگون نمط سراپدوسپیں
 دعائے دولت روز افزوں بر خواندہ
 آفتاب کے غروب ہونے کے بعد خدمت
 گزار بارہ کا فوری شمعیں روشن کرتے
 ہیں۔ اور ہر چراغ چاندی او
 سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور
 میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک شریں
 زبان خوش گلو خام شمع کو ہاتھ میں لئے
 مختلف دلکش سروں میں خدا کی حمد کے
 اشعار گاتا ہے اور آخر میں خود جہاں پنا
 کے از دیاد عمر و دولت کی دعا کرتا ہے۔

آفتاب پرستی

دو آشیانہ منزل ایزد پرستش دریں
 نزہت کردہ شود، دنیایش خورشید والا
 ازین جالیش آغاز باشندہ
 می فرمودند خورشید والا را بہ فرما روایا
 عنایت ست خاص و ازین دنیا شکر کا
 بد و نمایند والہی پرستش بر مہر دند و
 کوتاہ بین در بدگمانی در افتد۔
 دو آشیانہ منزل نام کی عمارت میں
 ایزد پرستی ہوتی تھی اور یہیں سے آفتاب
 کی تعظیم کی ابتدا ہوتی تھی۔
 فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے
 حال پر ایک خاص عنایت ہے اسی
 وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت
 خیال کی جاتی ہے لیکن کوتاہ بین شخص

می فرمودند عامہ بخیال نفع چکونہ خواست
داران (مالداران) سیہ دروں را
بزرگ دازند و از نابینائی در احترام
ایں چشمہ نور کو تہی رود و بر نیایشگر زبا
پیغارہ (طعن) برکشایند اگر خرد را
آفت ز سیدہ سورہ و الشمس چرا
از یاد رفت۔

بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عوام کس لئے
سیہ دل دو لقمندوں کی اپنے نفع کی
غرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی نابینائی
کی وجہ سے اس چشمہ نور کے احترام میں
کوٹنا ہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر
طعنہ زنی کرتے ہیں، اگر خود ان کی عقل
پر آفت نہ آگئی ہے تو سورہ و الشمس
کیوں فراموش کر دی گئی ہے۔

گنگا جل

در سفر و حضر آب گنگ بر آشد و چند
از راتسان سعادت گرائے بر ساحل
آن باشند با حقیاط برگیزند و کوزہ ہا
سر بہر آید۔

بادشاہ سفر و حضر ہر وقت گنگا کا پانی
نوش فرماتے ہیں، معتمد ملازمین کا ایک
گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو
سر بہر کوزوں میں پانی بھر کر لاتا ہے۔

در آں ہنگام کہ مرکب اقبال در در اخلال
آگرہ و فتحپور بود، از قصبہ سوروں می
آوردند امروز کہ عرصہ پنجاب بقدم
شاہنشاهی آرامگاہ از ہر دوازی آزند

جب جہاں پناہ آگرہ اور فتحپور میں قیام
فرماتے ہیں تو قصبہ سوروں سے پانی
لایا جاتا تھا، اس زمانہ میں جب کہ
شاہی خیمہ لاہور میں نصب ہے ہر دوار

کے عمدہ پانی سے آبدار خانہ سیراب ہے
 باورچی خانہ میں جمنہ اور چناب کا پانی
 یا آب باران صرف ہوتا ہے لیکن ان میں
 تھوڑا پانی گنگا کا ملا یا جاتا ہے۔

و در خورش بختن آب جمنہ و چناب و
 آب باران بخرج رود و نختے از و گنگا
 نیز بر آمیزند۔

تصویر کشی

ایک روز قبلہ عالم نے خلوت کدے
 میں جہاں صرف مریدان سعادتمند کا
 مجمع تھا، فرمایا کہ ایک گروہ فن تصویر کشی
 کا دشمن ہے اور اس پیشے کے معائب
 بیان کرتا ہے، لیکن اس کے اقوال و
 دلائل کو دل قبول نہیں کرتا، بلکہ قرین قیاس
 و عقل یہ ہے کہ مصور اکثر طبقات انسانی
 سے زیادہ خدا شناس ہو سکتا ہے اس لئے
 کہ یہ شخص جانور کی تصویر اتارنے میں اس کے
 ہر عضو کی شبیہ کھینچتا ہے اور تصویر کو
 تمام کر کے جب دیکھتا ہے کہ باوجود
 اس ظاہری سحر نگاری کے وہ اس میں

برقدسی زبان رفت آنکہ برخے نکو ہش
 ایں پیشہ نمایند دل بر تابد و بخاطر
 چناں رسد کہ در خدا شناسی افزون تر
 از بسیارے بود چہ ہر گاہ جانور نگار و
 عضو عضو بر کشد و از نیکہ روحانی پیوید
 نیارد داد بہ نیرنگی جاں آفریں گراید
 و شناسائی اندوزد۔

روح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کو
خالق مطلق کی قدرت کاملہ کا اندازہ
ہوتا ہے اور صانع باکمال کے آگے
سر بسجود ہو جاتا ہے۔

اوقات عبادت

سحرگاہ کہ دیباچہ بہ روزی و عنفوان
نور پاشی است و نیمہ روز کہ فروغ آفتاب
عالم تاب جہاں را در گیر و سرمایہ نشاط
گوناگون فروغ آید و شمار گاہ مایہ دہ
روشنیہا از چشم خاکیاں پنہاں شود
صبح جو مبارک دن کا آغاز اور نور پاشی
کی ابتداء ہے، دوپہر جبکہ آفتاب عالم تاب
کی روشنی تمام عالم کو محیط ہوتی ہے اور
لوگوں میں گوناگوں نشاط پیدا ہو جاتا
ہے، اور شام جبکہ سرخسپہ روشنی (آفتاب)
لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

سجدہ تعظیمی

بندگان ارادت گرائے جو دنیا بش
افزائند و آنرا سجدہ ایزدی بر شمارند
بندگان عقیدت مند سجدہ تعظیمی کرتے
اور اسے سجدہ ایزدی شمار کرتے ہیں۔

بیعت و ارشاد

جو بایں آگہی دستار برکت سر تقدسی
جو بایں آگہی ہاتھ میں دستارے کر

پاے برہند و بزبان حال چناں سراید
 کہ بیاوری بخت بیدار و رہنوی
 ستارہ خود آرائی و خوشن گزینی کہ بنگاہ
 گوناگوں گزند بود از سرافکندہ روئے
 دل بہ نیایش گرمی آوردم۔ انہ
 سر کو پاے اقدس پر رکھتا اور زبان حال
 سے اس طرح کہتا ہے کہ بخت بیدار
 کی یاوری اور ستارہ خود آرائی و خوشن
 گزینی کی رہنمائی میں (جو گوناگوں
 نقصانات کا سبب تھا) میں دل کی
 توجہ بادشاہ کی اطاعت کی طرف
 مبذول کرتا ہوں۔ انہ

آداب ملاقات

ہنگام دیدار ہم کیے اشراف آید و
 دیگرے جل جلالہ سراپد۔
 ملاقات کے وقت ایک آدمی اشراف
 کہتا اور دوسرا جل جلالہ کہتا ہے۔

تاریخ ہجری سے تنفر

از دیر باز سریر آراے اقبال براں
 بود کہ در آباد بوم ہندوستان تازہ سال
 و مہ برے کار آید و دشواری باسانی
 گراید و نیز از تاریخ ہجری کا زناکامی
 آگہی بخشہ سرگرائی داشتند لیکن
 عرصہ دراز سے قبلہ عالم کا ارادہ تھا کہ
 ملک ہندوستان میں جدید سال و ماہ
 جاری فرما کر وقتیں رفع کریں و پہلوتیں
 بہم پہنچائیں، جہاں پناہ سنہ ہجری
 کو جوہ اس کے نقائص کے پسند نہیں فرماتے

لیکن نامعاقبت اندیش و کم فہم افراد
کی کثرت کی وجہ سے جو تاریخ و سند
کے اجزاء کو بھی ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں
حضرت کی خاطر پروردِ طبیعت نے
گوارہ نہ کیا کہ اس گروہ کی دل شکنی فرمائی
اور یہی وجہ تھی کہ قبلہء عالم ابتدا میں اپنے
خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

از انبوء کوتاہ بیان کارشناس کہ
روائی تاریخ راناگزیریوں پندارند
شاہنشاہ مدارا پڑوہ پیوند ہماگرای
شمرده اندیشہ بیرون نمی فرستادے

غیر اسلامی تہوار اور عیدین

پہلا جشن جشن نوروزی کے نام سے
موسم ہے جب آفتاب سال کا دورہ
تمام کر کے برج حمل میں داخل ہوتا
ہے اور اپنی برکات سے اہل عالم کو
مستفید کرتا ہے تو انیس روز کا مل
عشرت و نشاط کی ہنگامہ آرائی ہوتی
ہے اس زمانہ میں دو روز عید کا تہوار
منایا جاتا ہے اور بے شمار نقد اور
طرح طرح کی اشیاء بطور صدقہ اور

دور لوازم جشن نوروزی و عید ہماگرای
نمایند عید بزرگ نوروز است کہ
ابتداءے آن در وقت تحول نیز
نور بخش عالم در برج حمل است و
آغاز ماہ فروردین است عید دیگر
نوزدہم ماہ مذکور کہ روز مشرق است
و عید دیگر سوم ماہ اردی بہشت و
عید دیگر ششم ماہ خرداد و عید دیگر
سیزدہم ماہ تیر است عید دیگر ہفتم

تختہ اور ہدیہ تقسیم کی جاتی ہیں یکم فروری
 اور انیس فروری جو یوم شرف ہیں،
 عید کے لئے مخصوص ہیں پارسیوں کا
 دستور ہے کہ ہر ماہ کے اس روز جو ماہ
 کا ہمنام ہوتا ہے عید مبارک خیال
 کرتے ہیں اور اس روز جشن عشرت
 منعقد کر کے بید نغمہ نوازی و سامان
 ضیافت وغیرہ کرتے ہیں، قبلہ عالم
 نے بھی اس رسم کی تقلید کی اور ہر شہر
 ماہ ایک خاص جشن کے لئے مخصوص
 ہو گیا، ان ایام کی فہرست مندرجہ ذیل ہے
 انیس فروری، تیسری اردی بہشت
 چھٹی خورداد، تیرہ تیر، ساتویں مرداد
 چوتھی شہر پور، سولہ مہر، دس آبان،
 نویں آذر، آٹھویں، پندرہمیں اور
 تیس دس، دوسری بہمن، پانچویں
 اسفندار۔

ماہ مرداد ست، عید دیگر چہار دہم
 ماہ شہر پور ست، عید دیگر شاتزدہم
 ماہ مہر ست عید دیگر دہم ماہ آبان ست
 عید دیگر نہم ماہ آذر ست و دردی
 ماہ سعید ست، ہشتم و پانزدہم و
 بست و سوم، عید دیگر دوم ماہ بہمن
 ست، عید دیگر نجم ماہ اسفندار ست
 و عید ہائے متعارف را بدستور مکررہ
 باشد و شب نور روز و شب شرف
 بطریق شب برأت چراغاں کند و در
 اول شبے کہ صبح آن عید باشد نقارہ
 نوازند و روز ہائے عید بر سر ہر شہر
 نقارہ نوازند۔

ان ایام میں جشن منعقد ہوتا ہے اور ہر جشن میں انواع و اقسام کی زیب و زینت و

آرائش کی جاتی ہے، حاضرین فرط مسرت سے بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے نشاط بلند کرتے ہیں۔
ہر پہر کے آغاز پر نقارہ نوازی ہوتی ہے اور رباب نشاط اپنی نغمہ سرائی اور اپنے ساز
سے ہنگامہ عیش برپا کرتے ہیں۔

فرمان در منع زکوٰۃ

متصدیان حال و استقبال و کافرمان
کل و جزء ممالک محروسہ بدانند کہ دریں
ہنگام سعادت انتظام کہ از ابتدائے
جلوس براورنگ جہاں بانی کہ سند
سایح ست از قرن ثانی (دی سال
سی و ہفتم، چہ مراد از قرن درینجائی
سال است) و آغاز اجتمام بہار
دولت و اقبال و زمان انکشاف
صبح جلال و جمال است، فرمان
عدالت نشور افاضت بنیان
بارقہ بروں اشعہ ظہور یافت کہ
چوں ناموس اکبر و قانون عظم سلطنت
کہ ابد پیوند الہی جل جلال قدرہ
بمقتضائے حکمت بانوہ ازلی کہ
لما زمان حال و استقبال اور ممالک
محروسہ کے کارپردازوں کو معلوم ہونا
چاہئے کہ اس دور سعادت میں جس کی
ابتداء اس جلوس سے ہے اور جو قرن
ثانی کا ساتواں سال ہے (یعنی عشرہ
کیونکہ قرن سے یہاں تیس سال مراد
ہیں) اور جو بہار دولت و اقبال اور
صبح جلال و جمال کے ظہور کا عہد ہے
یہ فرمان صادر ہوا کہ سلطنت کی
حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ حکومت
سیاست جو مقیم و مہاجر اور ملازم و
تاجر طبقہ کے مفاد کی حفاظت کا نام
ہے اور جو خراج کا ایک ذریعہ ہے
جس پر نظام عساکر کا مدار ہے،

سلسلہ جنیان دار و گیر عالم ایجاد
 و تعبیر پرواز کن فیکون دائرہ کون و فضا
 ست چتاں اقتضا کردہ کہ ریاست
 ممالک و سیاست مدن کہ عبارت
 ست از ارتباط احوال مقیم و مہاجر
 و انتساق مصالح کا سب و تناجر
 بدستگیری پادشاہان عادل و دیدہ بانی
 شہر یاران دریا دل جلوہ نما و صورت
 پذیر باشد و یکے از وجوہ خراج کہ مدار علیہ
 نظام عساکر نصرت و جنود اقبال کہ حارسا
 اعمار و امول و حافظان عقائد و احوال
 خلایق اندماج اثیاست کہ در بازار
 بیع و شراء و چار سوئے چوں و چہ در آمد
 کہ اگر سنجیدہ میزان اعتدال ارباب
 صیانت و دیانت کہ نقادان نقود و
 اجناس کوئی الہی و مقومان اعراض نفسی
 و آفاقی اند گرد دہر آئینہ جمیع مصالح
 بمفاسد انجامد تمامی محامد بنام کشد
 للہ الحمد کہ از مبادی احوال نصفت

جو جان و مال اور عقائد کی حفاظت
 اور بازاروں کی نگرانی کرتے ہیں
 اگر ان اصحاب امانت و دیانت
 کی میزان غلط ہو جائے تو نقد و جنس
 کے پرکھنے والے ہیں تو تمام
 مصالح مفاسد سے اور اچھائیاں
 برائیوں سے بدل جائیں الحمد للہ
 کہ شروع ہی سے مابدولت کی
 توجہ رفاہ عام اور رعایا کی پرورش
 کی طرف رہی ہے جو بادشاہ
 کی اولاد معنوی اور امانت
 خداوندی ہیں المنة للہ کہ
 ہندوستان اور دیگر ممالک
 محروسہ عدل و خوشحالی کا گہوارہ
 اور مسافران عالم کی فرود گاہ
 ہیں۔

حال ہی میں مراحم خسروانہ
 سے یہ حکم صادر ہوا کہ اصناف
 غلہ و نباتات، غذائیں اور

اشتغال ہوگی نوجوب خاطر عدالت مناظر و تدبیر
 باطن جلالت موطن مادر رقابت عموم
 بریت و مراسم تربیت خصوصی رعیت کہ
 فی الحقیقت فرزندان معنوی و ودائع
 خداوندی اند معروف بودہ المنة لشکر کہ
 باضاعت لواحق عدالت سواد اعظم ہندستان
 ست اور دیگر ممالک محروسہ ہل اصناف
 ناز و نعیم و امن مسافران ہفت اہم ست
 در نیولا بموجب توسعہ مراحم ذاتی و تکملہ
 مکارم فکری حکم نافذ و امر جازم شرف
 اصدار و عزت ایراد یافت کہ از اصناف
 حیوان و غلات و نباتات از اغذیہ و
 ادویہ و روغن و نمک و مشک و اقسام عطریات
 کہ پاس و پیہ و اسباب شہینہ و ادوات
 چرمینہ و آلات مسیہ و ظروف چوب و ہمیہ
 و نئے و گاہ و دیگر اشیاء و اسباب امتنع و
 اجناس کہ مدار معاش جمہور نام و ملاک
 معشیت خواص و عوام است سوائے
 اسپ و قیل و شتر و گوسفند و بز و اسلحہ و

دوائیں، نمک و مشک، اقسام
 عطریات، کپڑے اور روئی،
 اسباب شہینہ، چرمی سامان
 و تانبہ اور لکڑی کے ظروف،
 بالنس اور گھانسی، اور دیگر اشیاء
 و اجناس سے کہ مدار زندگی ہیں
 سوائے ہاتھی، گھوڑے،
 اونٹ، بکری، اسلحہ اور ضروری
 سامان کے (جو پہلے سے مستثنیٰ
 ہیں) تمام ممالک محروسہ میں
 زکوٰۃ اور چھوٹے بڑے تمام
 ٹیکس معاف کئے جاتے ہیں۔

قماش کہ در تمامی ممالک محروسہ تنہا دباچ
وزکوۃ و صدیک و آنچه از قلیل و کثیر
می گرفتہ اند معاف و مرفوع القلم
بودہ باشند۔

ہندو متحد ہیں

روشن شد کہ انچہ زبان زد روزگار است
کہ ہندو ایزد لیے سال را انباز گیرد فروغ
راستی ندارد، اگرچہ در بر خے مطالب
و نختے دلائل جائے آویزش لیکن خدا پرستی
و وحدت گزینی اس طائفہ دشمن آئندہ
ہم پر روشن ہوا کہ یہ جو بات زبان زد
عام ہے کہ ہندو خدائے واحد کا شریک
ٹھہراتے ہیں صحیح نہیں، اگرچہ بہت سی
باتیں اور دلیلیں قابل اعتراض ہیں،
لیکن اس قوم کی وحدت گزینی اور
خدا پرستی کا یقین ہے۔

گوشت خوری

می فرمودند اگر دشوار زندگی بخاطر
نیایدے مردم را از گوشت خوردن
باز داشتے، و آنکہ خود بیک بارگی نمی
گزاریم از ازالہ ست کہ بیایے کا انا کا
فرماتے ہیں کہ اگر دشوار زندگی میرے
ذہن نشین نہ ہو جاتی تو میں انسانوں کے
گوشت خوری سے مانع ہوتا اور میں
اس بخاطر سے اس پر یکبارگی عمل کرنا

نہیں چاہتا کہ بہت کام ناتمام رہ جائیں گے
اور انسان اس سخت محنت میں یونہی ہو جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور
مثل ان کے دیگر اشخاص جن کا پیشہ
جاں شکنی ہے، ان کی قیام گاہ کو
عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے، او
ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے

خواہ گزاشت و بہ تنگنائے غم کا یوہ
(دیوانہ) خواہند شد.....

می فرمودند قصاب ماہی گیر و مانند آن جز
جان شکاری پیشہ ندارند بنگاہ اینالاز
دیگر مردم جدا باشد و از آمیزندہ تاوان
گیرند۔

خنزیر

فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث
اس کی بے غیرتی ہے تو لازم ہے کہ شیر
یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں

می فرمودند اگر سربایہ حرمت فوک
بے غیرتی باشد بایستہ شیر و مانند آن
حلال بودے۔

شراب نوشی

اس ماہ کے جشن میں بادہ ہوش افزا نوش
فرماتے تھے میر صدر جہاں مفتی، میر عدل او
میر عبدالحی نے بھی بادہ پیمائی کی اور بادشاہ
کی زبان پر یہ شعر آیا ہے

در جشن این ماہ بادہ ہوش افزای پیویدند
میر صدر جہاں مفتی، میر عدل، میر عبدالحی
نیز ساغرے در کشید گیتی خدیو را این
بیت بر زبان رفته ہے

درد و رپا دشاہ خطا بخش و جرم پوشش
قاضی قرا بہ کش شد و مفتی پیالہ نوشش

رسم ہندوانہ

مادر خان اعظم مرزا کو کہ بسخت رنجوری
در گذشت و جہاں سالار را غم در
گرفت در سوگواری موعے سروروت
ستر دند ہر چند کہ شش رفت کہ جز
فرزندان آن مہین بانہ دیگر نستر و بندگان
اخلاص مرشت پیروی کردند۔
والدہ خان اعظم مرزا کو کہ سخت بیماری کے
سبب چل بسیں اور جہاں پناہ کو ایسا
غم ہوا کہ ماتم میں سراور موکھیں ہنڈوا
دیں ہر چند کہ شش ہوئی کہ سو اس
مرحوم کے بڑے فرزندوں کے کوئی بال
نہ منڈائے مگر بندگان مخلص نے بادشاہ
کی پیروی کی۔

سین الہی کا اجراء

۹۹۲ھ میں شاہنشاہی تنویر عقل و دانش نے علم و کماں کی وہ نورانی شمع جلالی حسن نے
اپنی بابرکت روشنی سے تمام عالم کو تاباں و درخشاں کر دیا خوش نصیب حق پسند گروہ نے بالین
ناکامی سے سر اٹھایا اور یہودہ گوشت لائے افراد نے گوشہ گنہامی میں نہ چھپایا قبلہ عالم کے
نیک ارادہ نے علی جامہ پہنا اور یادگار حکماء میر فتح اللہ شیرازی نے اس کام کو انجام دینے پر کمر
ہمت باندھی علامہ شیرازی نے جدید زیچ گورگانی کو پیش نظر رکھ کر جہاں پناہ کے سال جلو

کوسنہ الہی کی ابتدا قرار دیتی:

ان بنیادی حقائق کے بعد جن سے اکبر کے دینی فکر کا پورا ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، اب کوئی حرج نہیں کہ ہم ملا عبد القادر بدایونی کی دی ہوئی بعض تفصیلات و جزئیات سے اس ڈھانچہ کو اور مکمل و مشکل کر دیں، اور دین اسلام سے انحراف نے اسلام اور صاحب شریعت اسلامیہ سے جو بُعد و وحشت بلکہ تنفر و عناد پیدا کر دیا تھا، اس کا صحیح نقشہ بھی لوگوں کے سامنے آ سکے۔

دین اسلامی کی تحقیر

ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث	ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و
و واضح آن فقراء عربان بودند کہ جملہ	بد عقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا اور اس کے
مفسدان و قطاع الطریق، و آں	بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے
دو بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی	وہ چند مفلس بد و قرار پائے جن میں
بہ طریق نقل آورده متمکمی ساختند۔	سب کے سب مفسد اور راہزن تھے اور
	شاہنامہ فردوسی کے دو مشہور شعروں
	سے سند پکڑی گئی جو اس نے بطور نقل
	کہے تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسیدست کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو	تقو باد بر چرخ گرداں تقو

لے آئین اکبری ج ۱ ص ۵۶۳ (اردو ترجمہ فدا علی طالب حیدر آباد ۱۹۳۷ء) ۵۷ منتخب التواریخ ص ۳۰۷

اسراء و معراج کا استہزاء

اب معنی را عقل چہ گوئے قبول کند کہ
 شخصے در یک لحظہ با گرائی جسم از خواب
 بآسمان رود و نو دہزار سخن گو گوئے
 یا خدائے تعالیٰ کند و بسترش ہنوز
 گرم باشد و مردم بآں دعویٰ گراہند
 ہم چنین شق و قمر و امثال آں۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی
 ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے
 باوجود یکایک نیند سے آسمان پر چلا جاتا
 ہے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کی نوے ہزار باتیں
 کرتا ہے لیکن اس کا بستر اس قریب تک
 گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ
 کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر
 وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا ہے۔
 ممکن نیست کہ تپاے دیگر برجا ماند
 استادہ توانیم اس چہ حکایتہاست؟

ناممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں
 زمین سے ٹکا نہ ہو میں کھڑا نہیں ہو سکتا
 آخر یہ میں کیا قصے؟

مقام نبوت کی اہانت

ز دن قافلہ قریش در اوائل ہجرت
 و چہار دہ زن خواستن و تحیرم شہر کرد

یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ
 کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا

اور بیویوں کی رضامندی کے لئے شہر کو
حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرنا تھا)

برائے خوشنودی زنانہ۔

اسمائے نبوی سے وحشت و گرائی

احمد و محمد مصطفیٰ وغیرہ کبریٰ و بیرونی کافروں
کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی
وجہ سے بادشاہ پر گراں گزرنے لگے
آخر کچھ دن کے بعد اپنے خاص لوگوں
کے نام — بدل بھی ڈالے مثلاً
یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے
نام سے پکارتا بھی تھا، اور لکھنے کے
وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا تھا۔

نام احمد و محمد مصطفیٰ و امثال آں
یہ جہت کافران بیرونی و زنانہ اندرونی
گراں می آمد تا بہر دور ایام اسامی چند
را از مقرباں کہ باین نام سہمی بودند
تغیر داده مثلاً یار محمد محمد خاں را رحمت
می خواندند و می نوشتند۔

نماز کی عدم اجازت

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ
علانیہ نماز ادا کر سکے۔

در دیوان خانہ هیچ کسے یارائے آں
نداشت کہ علانیہ ادائے صلاۃ کند۔
ایک جگہ لکھتے ہیں:-

نماز و روزہ و حج تو اس سے پہلے

نماز و روزہ و حج پیش از اں ساقط

شدہ بود۔

ہی ساقط ہو چکے تھے۔

ارکان اسلام کی توہین و استہزاء

پسر ملا مبارک شاگرد ابوالفضل برائل
 در باب قدح و تمسخر اس عبادات
 یہ دلائل نہ مقبول افتادہ عیث
 تربیت گشت۔

ملا مبارک کے ایک بیٹے جو ابوالفضل
 کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے
 متعلق اعتراض اور تمسخر کے سیرا میں
 چند رسالے تصنیف کئے (شاہی جت)۔
 میں اس کے ان رسالوں بڑی مقبولیت
 حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ
 یہی رسالے بن گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تازنخ کا شکیں اور خطرناک موڑ

غرض یہ کہ اس وقت ہندوستان جس میں دین فطرت کے شجرہ طیبہ کے نصب اور
 بار آور کرنے کے لئے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں
 اور اہل قلوب اور اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی
 اور تہذیبی ارتداد کے راستے پر پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت
 اور فوجی طاقت تھی جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی
 حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی

کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودھویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا لیکن۔ ع۔
مردے از غیب بروں آید و کایے بکند

ہم اس باب کو سیرت نگار نبوی اور مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ کی اس طبع عبارت پر ختم کرتے ہیں جو انھوں نے ”ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافر اسلام“ کی داستان سفر سنا تے ہوئے لکھی ہے۔

اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے، اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزاروں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر بھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی اب وقت ہے کہ ایک شاہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین فسخ ہو کر دین الہی کا ظہور ہو، جو سیوں نے آتش کدے گرائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کئے، اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس پچھیل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ”دستان مذاہب کا مطالعہ کرے، کتنے زناں داروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زناں نظر آئیں گے، اباد شاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سرسجدہ میں پڑے اور شاہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور سجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی۔

تعالیٰ شانہ ۔ اللہ اکبر

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی: ”راستہ صاف کرو کہ راستہ

کا چلنے والا آتا ہے“ ایک فاروقی مجدد، فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی تھے!

باب سوم

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حالات زندگی، از ولادت تا خلافت

خاندان

حضرت مجدد صاحب نسباً فاروقی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب ۳۱ واسطوں سے

۱۷۷۱ء حضرت مجدد کو حضرت فاروق اعظم سے اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی توجہ سمجھتے تھے، جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک عارف شیخ عبد الکریم ممینی کی ایک تحقیق کو سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں، ”مخدوم! اس فقیر رات اب استماع امثال اس بچناں نیست، بے اختیار گریہ فاروقیم در حرکت می آید مکتوب“ (دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری) ایک دوسرے مکتوب میں یہ سن کر قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جمعوں میں خلفائے راشدین کا ذکر عداوت کر دیا تحریر فرمایا، ”چوں استماع اس خبر وحشت انگیز در شورش آورد و گریہ فاروقیم را حرکت داد، بچند کلمات اقدام نمود“ (مکتوب نمبر ۵ حصہ ششم دفتر دوم)

۱۷۷۲ء سلسلہ نسب کے بارے میں ہم نے اسی خاندان والا شان کے ذی علم و صاحب تحقیق فرزند مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی اس محققانہ بحث پر اعتماد کیا ہے، جو انھوں نے مجدد صاحب کے سلسلہ نسب کے بارے میں اپنی تصنیف ”مقامات خیر“

میں حضرات آباء و اجداد کرامؒ کے عنوان سے (ص ۲۶-۳۳) کی ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ اٹھائیسویں (باقی مثلاً پر)

امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصح بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر الفاروقؓ۔ آپ کے پندرہویں جد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی اس سلسلہ کے نامور جد امجد اور مورت اعلیٰ ہیں، ہندوستان کے اکثر اکمال اور شہرہ آفاق فاروقی النسب فضلاء اور مصلحین مشائخ و اصحاب سلسلہ مثلاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر وغیرہ آپ ہی کے سلسلہ نسب میں ہیں، افسوس ہے کہ افغانستان کے علماء و مشائخ کے حالات میں کسی بسوط تذکرہ اور کتب طبقات کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، ان کے جو کچھ حالات ملتے ہیں، ان کا ماخذ وہی کتابیں ہیں جو مجدد صاحب اور ان کے خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہیں، موصوف

(باقی صفحہ ۱۲۹ کا) واسطہ عمر کے بعد جس کو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سمجھا گیا ہے، چار واسطے عام طور سے کتب انساب میں ساقط ہو گئے، اور وہ حفص، عام حضرت عبداللہ اور حضرت عمر الفاروق ہیں، غالباً شاہسویں واسطہ عبداللہ کے بعد عمر کا نام دیکھ کر مصنفین کو مغالطہ ہوا کہ یہی مشہور عبداللہ بن عمر صحابی بن صحابی ہیں، لیکن چونکہ ان عبداللہ بن عمر کے کسی فرزند کا نام ناصر نہ تھا، اس لئے یہ اشکال پیدا ہوا، اور تحقیق کی ضرورت سمجھی گئی، اس خاندان کے ایک بڑے باخبر و محقق بزرگ شاہ محمد حسن مجددی (سائیں دادندہ) اور محمود احمد صاحب جاسی کی بھی یہی تحقیق ہے اور احمد حسین خاں نے جو اہر معصومی میں بھی یہی لکھا ہے۔ لہٰذا مزید المقامات، حضرات القدس وغیرہ۔

شیخ نور الدین کے صاحبزادہ اور شیخ نصیر الدین کے پوتے تھے، اسی لئے ان کے خاندان کو بھی کابل کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، وہ اوصاف محمودہ سے متصف تھے، اسلام کی اشاعت و ترویج اور شعائر کفر و شرک کی اہانت و تذلیل میں خاص امتیاز اور خصوصی ذوق رکھتے تھے۔
والد ماجد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے اور افغانوں اور مغلوں کے تنازعات ختم کرنے میں انھوں نے سعی محمود فرمائی، دنیاوی و جاہلیت و سیادت کے ساتھ دولت باطنی سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے، ایک کثیر تعداد نے آپ سے اکتساب فیض کیا، وفات سے پیشتر زمام حکومت صاحبزادہ والاقدیر شیخ یوسف کے حوالہ کر کے ایک درہ میں جو آپ کی نسبت سے درہ فرخ شاہ کہلاتا ہے اور کابل سے ساٹھ میل مسافت پر جانب شمال واقع ہے، عزت و انزوا کی زندگی اختیار کی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

شیخ یوسف نے تحصیل علوم ظاہری کے بعد اپنے والد بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے تربیت باطنی حاصل کی، اور ان کے ترک سلطنت کے بعد ان کی جانشینی کی، عدل و صلاح اور دینداری میں نیک نام اور مقبول خاص و عام تھے، آپ کے ضمیر میں بھی عشق الہی کی وہی چنگاری تھی، جو آپ کے آباء کرام کو وقتاً فوقتاً مولانا روم کے اس شعر پر کار بند ہونے پر آمادہ کرتی رہی تھی۔

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال

ما غلامِ ملکِ عشق لا یزال

آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت و اقتدار سے دست کش ہو کر خلوت گاہ حق کو اختیار کیا، اور ان کے صاحبزادہ شیخ احمد نے سلطنت کا کاروبار سنبھالا، وہ بھی اپنے

والد ماجد کی طرح صاحب علم و تقویٰ اور لباس شاہی میں درویش صفت بزرگ تھے، آپ پر جذب الہی نے ایسا غلبہ کیا کہ سلطنت کو بالکل ہی خیر یاد کہا اور اولاد کو بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی، تھوڑا سا اثاثہ اہل و عیال کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، آپ نے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا، اور خلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

ان کے بعد خاندان کے اکابر بھی صاحب فقر و ارشاد تھے، اور اپنے اپنے زمانہ کے مقبول و عالی مرتبہ مشائخ سے تربیت سلوک اور فیض باطنی حاصل کرتے رہے، خواہ وہ کسی سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

امام رفیع الدین جو مجدد صاحب کے جد سادس اور شیخ شہاب الدین علی فرخ شاہ کی نویں پشت میں ہیں، صاحب "زبدۃ المقامات" کے بیان کے مطابق علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، تربیت باطنی اور تعلیم سلوک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری (م ۸۵۷ھ) سے حاصل کی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کی ابتدا کے بزرگ تھے، اس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں، جو کابل سے ہندوستان تشریف لائے، اور سرہند کی اقامت اختیار کی جس کا قدیم نام سہرند تھا، یہ جگہ غیر آباد اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی، اور اس کے اور سامانہ کے درمیان جہاں شاہی خزانہ جایا کرتا تھا، کوئی اور بستی نہ تھی، اس بنا پر اس کے نواح و اطراف کے رہنے والے باشندوں خصوصاً قریہ سرائیں کے ساکنوں نے جو وہاں سے ۶، ۷ کوس پر واقع ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہو کر جن سے سلطان فیروز شاہ ارادت و عقیدت رکھتا تھا، التماس کیا کہ دار الحکومت تشریف لے جا کر وہاں شہر آباد کرنے کی تحریک فرمائیں، سلطان نے آپ کی اس خواہش فرمائش

کی تعمیل کی، اور خواجہ فتح الشر کو جو امام رفیع الدین کے بڑے بھائی اور مقربان سلطانی میں تھے، اس پر تعینات فرمایا، اور خواجہ صاحب دو ہزار سواروں کے ساتھ تشریف لائے اور قلعہ کی تعمیر فرمائی، حضرت مخدوم جہانیاں نے امام رفیع الدین کو جو آپ کے خلیفہ اور امام نماز تھے، اور قصبہ شام میں مقیم تھے، ارشاد فرمایا کہ وہ اس قلعہ کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس شہر میں سکونت اختیار کریں کہ وہ وہاں کے صاحب ولایت ہیں، اس وقت سے آپ کا خاندان وہاں سکونت پذیر ہے، قلعہ کی بنیاد اور سرہند کی آبادی کا آغاز سنہ ۷۷۵ھ بتایا جاتا ہے۔

اس طرح حضرت مجدد کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے سرہند آباد چلا آ رہا تھا۔

۱۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "زبدۃ المقامات" ص ۸۵۔۸۶

۱۱ جہاں تک قدیم تاریخ کا تعلق ہے یہ بھی ضلع ستلج کا صدر مقام تھا، مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (HIUN SONG) نے بھی (جس نے ساتویں صدی مسیح میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اس کا ذکر کیا ہے اور اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ اس کے ارد گرد سونا دستیاب ہوتا ہے ہندی میں "سہ" شیر کو کہتے ہیں اور "اندہ" کے معنی ہیں جنگل، ایک زمانہ میں ہندوؤں اور غزنویوں کے لئے یہ سرحد کا کام دیتا تھا، اور اس سے آگے ہند شروع ہوتا تھا، غالباً اس نے اس کا نام سرہند مشہور ہو گیا، جو ہند کا قریب الخرج ہے (سنہ ۷۷۵ھ) میں سلطان محمد غوری نے سرہند فتح کیا، فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی تک سلاطین دہلی نے سرہند کو چنداں اہمیت نہیں دی، اس کے بجائے سامانہ زیادہ مودت و جہاں فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے سرہند کی طرف از سر نو توجہ شروع ہوئی اس کے بعد سے اہم امرائے سلطنت سرہند و فیروز پور کے ناظم بنے رہے، فوجی نقطہ نگاہ سے بھی دس کی اہمیت میں مستندہ اضافہ ہوا، بابر کنی بار سرہند آیا گیا، بہاؤں بھی سرہند آیا اور یہیں سے وہ دہلی آکر دوبارہ تخت و تاج کا مالک بنا، مجدد علیہ میں شہر کی خوشحالی اور رونق کا یہ عالم تھا کہ یہاں ۳۶۰ مساجد، سرائے، کنویں اور مقبرے پاٹے جاتے تھے۔ (لمحضر از دائرۃ معارف اسلامیہ مضمون سرہند شریف)

۱۲ حضرت مجدد نے اپنے وطن سرہند کے متعلق مکتوبات میں بڑے بلند کلمات فرمائے ہیں، اور اس میں خاص نورانیت

و سکینت کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو مکتوب ۲۲ مکتوبات و فتروم

تذکرہ و تراجم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شرفاء و علماء کے خاندان آباد ہو گئے تھے اور اس خاک سے کئی باکمال پیدا ہوئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عروج اور اسلامی علوم و فنون سے رشتہ دسویں صدی ہجری کے ابتدائیں قائم ہوا، آٹھویں اور نویں صدی میں حضرت مجدد کے خاندان کے چند برگزیدہ افراد کے علاوہ کسی بڑے سرہندی عالم کا نام کتب تذکرہ و تراجم میں نہیں آتا، لیکن دسویں صدی کے شروع ہونے کے بعد سرہندی علمی و دینی بیداری اور درس و تدریس کی گرم بازو نظر آتی ہے اور متعدد اہل کمال اور سربراہ آوردہ علماء کے نام نظر آتے ہیں، جو سند درس و ارشاد پر متمکن اور مصروف افادہ و افاضہ تھے، ان میں سب سے پہلے مشہور صاحب درس و افادہ مولانا الدوبن صالح سرہندی (م ۹۲۷ھ) کا نام ملتا ہے، ان کے بعد مولانا شیر علی قادری (م ۹۸۵ھ) اور مولانا علی شیر (م ۹۸۵ھ) مفتی احمد سرہندی (م ۹۸۶ھ) الحاج ابراہیم سرہندی تلمیذ علامہ شہاب الدین ابن حجر ستمی کی (م ۹۹۲ھ) مولانا عبد اللہ نیازی مہدوی (م ۱۰۰۸ھ) اور چند ان فضلاء کے نام نظر آتے ہیں جن کا سن وفات معلوم نہیں مثلاً مشہور استاد زمانہ مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطانپوری کے استاد مولانا عبد الغفار مولانا عبد الصمد سیمنی مرید شیخ علی عاشق جونیوری، مولانا امان اللہ، مولانا قطب الدین اور مولانا مجدد الدین، آخر الذکر کے متعلق مولانا یعقوب کشمیری استاد حضرت مجدد کی شہادت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بھر عالم تھے، بابر سے سرہندی ان کی ملاقات ہوئی اور بابر نے ان کا بڑا اعزاز کیا مولانا میر علی اور مولانا بدر الدین سرہندی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں صرف تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحییٰ بن احمد کا نام ملتا ہے، جو نویں صدی کے مصنفین میں ہیں انھوں نے تاریخ مبارک شاہی ۱۰۳۵ھ کے حدود میں لکھی وہ اپنے آپ کو اسیر ہندی لکھا کرتے تھے (اردو دائرہ ساریت اسلامیہ) ۲۔ ممکن ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں، گلزار ابرار و نزہۃ الخواطر میں دونوں کا نام معکوس ترتیب سے آیا ہے۔ ۳۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مہدوی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

یہ بی نام نزہۃ الخواطر جلد چہارم سے انقاط کئے گئے ہیں، کتاب میں ان کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ”زبدۃ المقامات“ میں حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد کا کسی قدر تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، چونکہ حضرت خواجہ حضرت مجدد کی خدمت میں مسلسل تین سال حاضر رہے، اور ان کی معلومات کا زیادہ تر ماخذ وہ اقوال اور ارشادات ہیں جو انھوں نے حضرت مجدد کی زبان سے وقتاً فوقتاً سنے، ان میں اگر کوئی اضافہ ہے تو صاحبزادگان والا شان سے حاصل کئے ہوئے معلومات کا ہے، اس لئے ان کے بیان کو ہر طرح مستند اور بالواسطہ حضرت مجدد کے ارشادات کا مجموعہ سمجھنا چاہئے، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالاحد پر عنفوان شباب اور اثنائے تحصیل علم میں طلبہ موعے اور حصول علم الیقین کا ایسا غلبہ ہوا کہ تکمیل علوم کا انتظار کئے بغیر اس عہد کے شہرہ آفاق جشتی (صابری) شیخ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور ان سے ذکر و اذکار کی تلقین اور سلوک کی تعلیم حاصل کی، جب حضرت شیخ..... کے آستانہ پر پڑ رہے تھے۔

یا جاں رسد بجاناں، یا جاں زتن برآید

کے شوق و عزم کا اظہار کیا، تو پیر روشن ضمیر نے اس کو منظور نہ فرمایا اور علوم دین و شریعت کی تحصیل و تکمیل کی تاکید کی، اور فرمایا کہ ”علم کے بغیر جو درویشی ہوتی ہے اس میں کچھ آب و نمک نہیں ہوتا، مخدوم نے حضرت شیخ کی کبر سنی کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے شبہ ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب اس آستانہ پر حاضر ہوں گا تو یہ دولت جاوید پاؤں گا یا نہ پاؤں گا؟ شیخ نے فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے وہ دولت حاصل کر لینا، مخدوم نے

لے اشارہ تھا، حضرت شیخ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کی طرف۔

تعمیل ارشاد کی اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔

تقدیری بات کہ آپ کو جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا، اور فراغت سے پہلے شیخ نے رخت سفر باندھ لیا، مخدوم نے علوم مروجہ کی تکمیل کرنے کے بعد کچھ دن مختلف مقامات کی سیروسیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا، پھر حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، منازل سلوک طے کئے اور حشری و قادری سلسلہ میں فرقہ خلافت اور تلقین و تربیت کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔

ان دو بزرگوں شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین پر وحدۃ الوجود، غیبت و نبیوی، سکرو شورش اور استغراق کا غلبہ تھا، اور وہ صاحب وجد و سماع تھے، خاص طور پر شیخ عبدالقدوس وحدۃ الوجود کے اظہار و اعلان پر اپنے کو مامور سمجھتے تھے، اور اس کے پرچوش داعی و مبلغ تھے، بایں ہمہ اتباع سنت اور عمل بالعزیمت میں قدم راسخ رکھتے تھے، غیبتی و بے نفسی کا غلبہ تھا، نہایت رفیق القلب کثیر العبادت بزرگ تھے، موت کو ہمیشہ یاد کرتے تھے، اور خاتمہ کی فکر غالب رہتی تھی۔ اپنے پیرسبیت شیخ عبدالقدوس اور شیخ رکن الدین کے علاوہ مخدوم شیخ عبدالاحد کا قادی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کمال کستھلی سے بھی ربط خاص تھا، حضرت شاہ کمال اپنے زمانہ کے بڑے باکمال اور صاحب حال بزرگ تھے۔

شیخ عبدالاحد کا یہ قول گزر چکا ہے کہ نظر کشفی سے کام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ شیخ رکن الدین نے آپ کو جو خلافت نامہ دیا وہ "زبدۃ المقامات" میں من و عن درج ہے ص ۹۲-۹۶ اس کا بڑا حصہ عربی میں ہے۔ ۲۔ کمالات اور اذواق و مواجید کے لئے ملاحظہ ہو الطائف قدوسی تالیف شیخ رکن الدین فرزند حضرت شیخ و "زبدۃ المقامات" از خواجہ محمد ہاشم کشمیری ص ۹۷-۱۰۱ و نزہۃ الخواطر ج ۴۔

۳۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۴۔

سلسلہ علیہ قادریہ میں بانی سلسلہ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد اس مرتبہ کا آدمی کم تر نظر آتا ہے ان کے پوتے شاہ سکندر بھی بڑے عالی مرتبت شیخ تھے اور حضرت مخدوم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت مخدوم جب اکتساب علوم سے فارغ ہوئے تو مردانِ خدا کی تلاش میں مختلف شہروں کا سفر کیا، سفر کرتے وقت عزم کیا کہ جہاں بدعت کے آثار نظر آئیں گے، وہاں ارادت تو درکنار صحبت سے بھی پرہیز کریں گے، اس سفر میں شیخ الہ داد کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، رہتاس میں شیخ الہ داد اور مولانا محمد بن فخر صاحب "توضیح الخواشی" سے بھی ملاقات کی اور ان کے درس میں شریک ہوئے، بنگالہ بھی تشریف لے گئے، اور جو پور بھی چند دن حضرت مجدد علی قوام (علی عاشقان) کی خدمت میں رہے، اس سفر سے واپس سرہند تشریف لائے، پھر سفر آخرت تک یہیں مقیم رہے، اور کہیں کا سفر نہیں کیا، معقولات اور منقولات کی کتب متداولہ بڑی پابندی سے اور بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھانے تھے، حضرت مجدد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم میں دسنگاہ کامل رکھتے تھے، لیکن فقہ و اصول فقہ میں ان کی نظیر نہیں تھی، جب اصول بزدوی کا درس دیتے تھے، تو امام ابو حنیفہ کی فقہ میں علوشان اور ان کی جلالت و امامت عیاں و نمایاں ہو جاتی تھی، کتب تصوف کا بھی درس دیتے تھے، خاص طور پر معروف "نوار المعارف" اور قصص اکمل کے مطالب اور دقیق مضامین کو حل کرنے میں یدِ طولی رکھتے تھے، تحقیقاً و ذوقاً بھی شیخ اکبر کے مشرب پر تھے، لیکن خدا داد عالی ظرفی اور ضبط و احترام شریعت کی وجہ سے کبھی زبان سے سکر و شطیحات کی کوئی بات نہ نکلتی، بے نفسی اور تفرید کا بڑا غلبہ تھا، تلامذہ کی کثرت کے باوجود کبھی کسی سے خدمت نہ لیتے گھر کی ضرورت کی چیزیں خود بازار سے لاتے، اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا، حتی الامکان کوئی سنت فرو گذاشت نہ ہوتی، امور عادیہ،

لباس و پوشاک میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے، عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت سے اجتناب، اگرچہ بیعت و خلافت سلسلہ چشتیہ اور قادریہ میں تھی اور ان طرق میں نسبت عالی رکھتے تھے، لیکن آپ کے اخلاص اور عالی ہمتی کی دلیل یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کا بڑا اشتیاق ظاہر کرتے تھے، اور اس کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے مثلاً اس کی دعا کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ عالیہ ہمارے ملک میں پہونچے، یا خدا ہمیں اس کے مرکز میں پہونچائے کہ اس سے استفادہ کیا جاسکے، صاحب تصنیف بھی تھے، کنوز الحقائق اور اسرار المشہد آپ کی تصنیفات میں سے ہیں۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا والد ماجد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل بیت کرام کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے، جب والد صاحب کو سکرات شروع ہوئے تو میں نے آپ کو یاد دلایا، فرمایا الحمد للہ والمنۃ کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں ۛ

الہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایساں کنی خاتمہ ہے

اشناعی سفر میں جب سکندرؑ کے مقام پر پہنچے اور وہاں کچھ دن قیام کیا تو وہاں آپ کی شرافت و نجابت اور صلاح و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت دیکھ کر ایک شریف خاندان نے

۱۔ خواجہ محمد شمس کشمی نے "زبدۃ القامات" میں "اسرار التّشہید" کے کچھ مضامین نقل کئے ہیں، مش ۱۱۵-۱۲۰ حضرت مجدد

کی زبانی حضرت مخدوم کے بعض فوائد اور تحقیقات بھی نقل کئے ہیں صفحہ ۱۲۲-۱۲۳۔

۱۲۳ زبدۃ المقامات ص ۱۲۳

معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ صوبہ اتر پردیش میں واقع تھا۔

خود رشتہ کی پیش کش کی اور اس خاندان کی ایک نیک سیرت صاحبہ خاتون سے آپ کا عقد کر دیا، حضرت مخدوم کی سب اولاد انہی سے ہوئی۔

حضرت مخدوم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد ہی کی طرح سائے فرزند عطا فرمائے تھے جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، شاہ محمد، شیخ محمد مسعود، شیخ غلام محمد، شیخ مودود و دو بھائیوں کے نام اور کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی، ان میں واسطۃ العقد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تھے، بقیہ فرزند بھی صاحب علم اور صاحب استعداد تھے، اور انھوں نے بھی علوم رسمہ اور سلوک کی تعلیم اپنے والد یا مشائخ عصر سے حاصل کی تھی۔

حضرت مخدوم نے اسی سال کی عمر میں، اربعہ عشرہ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی، قبر مبارک شہر سرہند سے مغربی جانب تقریباً ایک میل پر واقع ہے۔

حضرت مخدوم کی سیرت کا جو ہر خاص حق پسندی، انصاف، شریعت و سنت کی تعظیم و احترام اور ان پر عمل کرنے کی کوشش و اہتمام، حمیت دینی اور ترقیات باطنی میں عالی ہمتی اور بلند وصلگی کہا جاسکتا ہے، اور یہی جوہر ان کے سخت جگر کے ضمیر میں (جس کے لئے دین کی تجدید اور ہندوستان میں سرمایہ ملت کی نگہبانی کی سعادت مقدر ہو چکی تھی) ودیعت ہوا تھا، جس کو فضل ربانی نے چمکا کر اور دوسرے وہی کمالات عطا فرما کر آفتاب عالم تاب بنا دیا۔

۱۷ شیخ غلام محمد اور شیخ مودود کے نام حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد اول)

۱۸ زبدۃ المقامات ص ۱۲۲ بعض حضرات نے تاریخ وفات، اربعہ اور بعض نے، ۲ جمادی الآخرہ لکھی ہے، ہشتاد پر سب کا

اتفاق ہے۔ ۱۹ زبدۃ المقامات ص ۱۲۲

ولادت و حالات

ولادت و تعلیم

شب جمعہ ۱۲ شوال ۱۲۹۱ھ کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ "خاشع" سے سن ولادت نکلتا ہے، صغر سنی ہی سے آپ میں رشد و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی

می تافت ستارۂ بلندی

صلیائے وقت باخصوص حضرت شاہ کمال کتھلی کی (جن سے والد بزرگوار کو نسبت باطنی تھی) آپ کی طرف خاص توجہ اور شفقت تھی، اور وہ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے تھے، آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی کہ شیخ کمال نے رحلت کی آپ کو ان کا حلیہ مبارک یاد تھا، اور جس گھر میں والد صاحب کے ساتھ جا کر زیارت کی تھی، اس کا نقشہ بھی ذہن میں موجود تھا۔

تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے ہوئی، اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کر لی، پھر والد راجہ کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق مضامین کے جلد اخذ کر لینے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم کی والد بزرگوار سے اور چند کی

اپنے عہد کے بعض علماء کے بارے میں تحصیل کی کچھ عرصہ کے بعد سیالکوٹ جو اس زمانہ کا بڑا علمی و تعلیمی مرکز تھا، تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیری سے جن کو منطق و فلسفہ، علم کلام و اصول فقہ میں کمال حاصل تھا، اور جن کی ذکاوت و حافظہ، کثرت مطالعہ اور قوت تدریس کا شہرہ تھا، اور جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء اور مدرسین پیدا ہوئے اس وقت کے نصاب تعلیم کی بعض انتہائی اور اعلیٰ کتابیں (مثلاً عسندی) پڑھیں، حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب صرہ فی کشمیری سے پڑھیں، جو حدیث میں مسند وقت شیخ شہاب الدین احمد بن حجر، مینی کی کے شاگرد تھے، اور جن کی تصنیفات میں صحیح بخاری کی بھی ایک شرح ہے۔

شیخ یعقوب کو بڑے بڑے محدثین اور مصنفین کے کتب حدیث و تفسیر اور ان کی تالیفات کی اجازت حاصل تھی، آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے جو علم حدیث و تفسیر میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور حدیث میں شیخ وقت عبدالرحمن بن فہد کے تلمیذ رشید تھے، صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور دوسری کتب حدیث ثلاثہ بخاری اور حدیث مسلسل کی سند حاصل کی، نیز متقدمین کے دستور کے مطابق کتب تفسیر وغیرہ

۱۔ مولانا کمال الدین بن موسیٰ سنہ ۱۲۹۱ھ میں کشمیر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے اور تقریباً نصف صدی درس و تدریس میں

مصرف رہ کر سنہ ۱۳۸۰ھ میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (نزہۃ النواظر ج ۵ ص ۳۱۱)

۲۔ مولانا یعقوب بن احسن الصرہ فی کشمیری کی سنہ ۱۲۹۰ھ میں کشمیر میں ولادت ہوئی، تحصیل علم اور حصول طریقہ کے لئے

سمقند کا سفر کیا، جہاں شیخ حسین خوارزمی سے طریقہ کبریہ حاصل کیا، اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے،

حجاز جا کر علم حدیث حاصل کیا اور وہاں سے فقہ حدیث و تفسیر کی نفیس کتابیں اپنے ساتھ لائے، ۱۲۱۲ھ قعدہ سنہ ۱۳۸۰ھ

میں ان کی وفات ہوئی (نزہۃ النواظر ج ۵ ص ۳۱۹) اس طرح اپنے استاد مولانا یعقوب کے ذریعہ حضرت مجدد کو صحیح

کے مطالعہ اور امہات کتب حدیث سے متعارف ہونے کا موقع ملا ہوگا۔

کی سند بھی ان کے مصنفین تک پہنچائی، سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

آپ جب علوم عقلیہ و نقلیہ اور اصول و فروع سے فارغ ہوئے تو درس و تدریس کے کام کا آغاز کیا، اور عربی و فارسی میں کچھ رسائل بھی لکھے جن میں رسالہ تہلیلۃ رسالہ رد مذہب شیوہ شامل ہے، آپ دارا حکومت اکبر آباد (آگرہ) بھی گئے، وہاں ابوالفضل فیضی سے صحبتیں رہیں، لیکن اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے ان سے مناسبت نہ ہوئی بعض مرتبہ کچھ رد و کد کی بھی نوبت آئی اور ابوالفضل کے بعض بے باکانہ الفاظ پر ناگواری کا اظہار فرمایا، اور آمد و رفت موقوف کر دی ابوالفضل نے آدمی بھیج کر بلوایا اور معذرت کی، ایک مرتبہ فیضی کو جو اس زمانہ میں تفسیر غیر منقوط (سوا طع الالہام) لکھتے میں مصروف تھے، ایک جگہ مناسب (غیر منقوط) لفظ ملنے میں اور مطلب کے ادا کرنے میں دقت پیش آئی اور قلم رک گیا، حضرت مجدد سے انھوں نے تذکرہ کیا آپ نے مشکل کشائی فرمائی اور فیضی کو آپ کے طبع رسا اور وفورِ علم کا اعتراف کرنا پڑا۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل ہو گیا، والد ماجد کو شوق ملاقات ہوا، باوجود کبریا و بُعد مسافت کے آگرہ تشریف لے گئے، حضرت مجدد نے والد ماجد کے ساتھ وطن مراجعت فرمائی، دہلی و سرہند کے درمیان جب شہر تھانمیر سے گزر رہے تھے تو شیخ سلطان جوہاں کے رؤساء و عمائد اور اسی کے ساتھ علماء و فضلاء وقت میں تھے، اور ان کو تقرب سلطانی بھی حاصل تھا، اور اس وقت علاقہ تھانمیر کے حاکم تھے، اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آئے، اور اپنے بہانہ بیان رکھا اور ایک اشارہ غیبی کی بنا پر اور حضرت مجدد کے اخلاق و خصوصیات کو دیکھ کر ان سے نسبت مصاہرت قائم کرنے کی خواہش کی، والد صاحب نے اس رشتہ کو منظور فرمایا اور وہیں عقد مسنون انجام پایا، اور آپ بہو کو رخصت کر کے سرہند تشریف لائے۔

سلوک کی تربیت و تکیل و حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت و استفادہ

اس موقع پر تصوف و سلوک کی ضرورت اور اس کے شرعی و علمی ثبوت پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں کہ ”تایخ دعوت و عزیمت“ کے سلسلہ کے (جس کا یہ چوتھا حصہ ہے) قارئین کو اس کی پہلی جلد کے مطالعہ ہی سے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا عبدالقادر جیلانی اور مولانا جلال الدین رومی کے تذکرے موجود ہیں، اور تیسری جلد تو سر اسرہندوستان کے مشائخ کبار ہی کے تذکرہ پر مشتمل ہے اس مضمون سے واسطہ پڑ چکا ہے، اگر اس سلسلہ میں مزید تشفی اور اطمینان کی ضرورت ہو تو مصنف کی کتاب ”تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک“ کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں صرف اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس ماحول اور عہد میں حضرت مجدد کو اپنا نازک و دشوار تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، اس میں تصوف اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اس طرح گھل مل گیا تھا کہ وہ اس کا مزاج و مذاق بن گیا تھا، خواص تو خواص عوام بھی کسی عالم معلم یا مصلح کے اُس وقت تک قائل، اس کے عقیدت کیش اور اس کے خطاب و نفہیم سے منتفع نہیں ہوتے تھے، جب تک کہ وہ تصوف و سلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول مستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو، یوں بھی کسی نہ کسی درجہ میں تزکیہ نفس، اخلاص و یقین اور درد و سوز کے بغیر (جو عموماً کثرت ذکر و صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا) محض و فور علم اور زور تقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، عرض یہ کہ اس عہد ماحول میں تصوف و سلوک اور قوت روحانی اور نور باطنی کے بغیر اصلاح و انقلاب کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہتھیاروں اور سپہ گری کے مشق و تربیت کے بغیر کوئی شخص میدان جنگ میں اتر آئے اور کسی تربیت یافتہ اور مسلح فوج کا مقابلہ کرے، یا کوئی ایسا شخص جو قوت گویا

سے فطرتاً محرم ہو، تعلیم و تفہیم کا کام انجام دینا چاہیے، عین حکمت و تدبیر الہی کا تقاضا تھا کہ اس میدان اصلاح و انقلاب میں اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ احمد السہروردی کو تصوف و سلوک کا نہ صرف رمز آشا اور محرم راز بنایا بلکہ اہل کمال و تکمیل کی صحبت و تربیت سے پھر موہبت ربانی اور اجتباء سے خاص سے ان کو اس میں درجہ امامت و اجتہاد تک پہنچایا تاکہ وہ اس کا عظیم کوپوری تیاری اور پورے اعتماد کے ساتھ انجام دیں اور اس کا اثر دنیا کے دور دراز گوشوں اور بعد کی صدیوں تک قائم رہے، "ذلک تقدیر العزیز العظیم"

سہروردی پونچ کر آپ والد ماجد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے، ان سے پیش بہا فوائد باطنی حاصل کئے اور سلسلہ چشتیہ و قادریہ کا سلوک طے کیا، اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

اس زمانہ میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے شوق نے غلبہ کیا اور وہاں کی کشش نے مضطرب و بے آرام بنادیا، لیکن چونکہ والد ماجد کبیر السن تھے اور بظاہر ان کی رحلت کا زمانہ قریب تھا، اس لئے ایسی حالت میں ان کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ معلوم ہوا، جب ششدرہ میں ان کا واقعہ ارتحال پیش آگیا تو اب آپ کو کوئی مانع نہ رہا اور ششدرہ میں آپ نے حرمین شریفین کی حاضر کیا اور اوائے حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھ لیا، اور سہرورد سے کوچ کر کے دہلی پہنچ گئے، وہاں کے علماء و فضلاء جن کے کانوں تک آپ کا آوازہ فضل و کمال پہنچ چکا تھا، ملاقات کے لئے آئے، ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے، جن سے حضرت کا پرانا تعارف تھا، انھوں نے دوران گفتگو حضرت خواجہ باقی اللہ کے علوم مرتبہ اور قوت باطنی کا تذکرہ کیا جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے دہلی میں ورود ہوا تھا، حضرت مجدد اپنے والد ماجد سے سلسلہ نقشبندیہ کا ذکر اور اس کا اشتیاق سن چکے تھے، اس لئے آپ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، اور اس کو حرمین شریفین کی

حاضری کی تیاری اور اس کی ایک سوغات سمجھ کر حاضری کا قصد فرمایا، اور مولانا حسن کشمیری کی معیت میں وہاں حاضر ہو گئے، اس وقت ہاتھ غیب نے صدا دی ہوگی۔ ع۔

آمد آں یارے کہ مای خواستیم!

قبل اس کے کہ اس "قرآن السعدین" کا حال بیان کیا جائے اور اس کے بعد کے واقعات لکھے جائیں، حضرت خواجہ کا تعارف کرا دینا ضروری ہے، اس سلسلہ میں ہم وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو مصنف "نزهة الخواطر" نے (جلد پنجم) حضرت خواجہ قدس سرہ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ ماقبل و دق کا مصداق ہے اور اس میں مستند کتابوں اور تذکروں کا کتب باب آگیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہ)

شیخ اجل، قطب الاقطاب، امام الائمہ رضی الدین ابوالموید عبدالباقی بن عبدالسلام بخاری مشہور بہ باقی باللہ کا بلی ثم دہلوی آپ کا وجود دنیا کے لئے باعث برکت و زینت آپ کی حیات طیبہ مقصد آفرینش و غایت خلق کا مظہر آپ کی زبان حقیقت ترجمان اور آپ کی ذات خلاصہ عرفان تھی، علم و معرفت میں اللہ کی کھلی نشانی، اور ولایت و روحانیت کے منارۃ نورانی،

لے حضرت مجددۃ العمران کے احسان مند اور شکر گزار رہے کہ ان کے ذریعہ آپ کو یہ دولت جاوید حاصل ہوئی ملاحظہ ہو مکتوب ۱۹۹۷ دفتر اول۔ اس سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار باخصوص بانی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات اور سلسلہ کی خصوصیات اور نسبت خاصہ کی اجمالی واقفیت کے لئے اسی سلسلہ کے گل سرسبد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات باخصوص "الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ" اور "مجمعات" کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۱ یعنی آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ (میں نے جن و انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ

میری عبادت کریں) کی عملی تفسیر اور روشن تصویر۔

۹۶۱ھ کے حدود میں کابل میں پیدا ہوئے اور مولانا محمد صادق حلوانی سے تلمذ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر ان کے دل میں طریقہ صوفیہ میں داخل ہونے کا داعیہ پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں آپ نے رسمی علوم کی تحصیل چھوڑ دی اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے مشائخ کبار کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہے آپ نے سب سے پہلے شیخ خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہ خلیفہ مخدوم اعظم دہلوی کے دست حق پرست پر توبہ کی مگر جب آثار استقامت ظاہر نہ ہوئے تو شیخ افتخار کی سمرقند آمد کے موقع پر ان کے ہاتھ پر دوبارہ توبہ کی جو شیخ احمد سیوی کے سلسلہ کے بزرگ تھے جب دوبارہ اپنی عزیمت واستقامت میں کمی محسوس کی تو اضطراری حالت میں امیر عبداللہ بلخی کے ہاتھ پر تیسری بار توبہ کی اور کچھ عرصہ حفظ حدود کے پابند رہے مگر آخری بار یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی، اسی عرصہ میں ان کو خواب میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی زیارت ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا جہاں آپ کے لئے ممکن ہوتا وہاں جاتے رہتے تھے یہاں تک کہ کشمیر میں شیخ بابا بروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفید ہوئے ان کی صحبت میں ان ربانی فیوض کی بارش ہوئی اور اس سلسلہ کی معروف غیبت و قنائیت کے آثار ظاہر ہوئے شیخ مذکور کی وفات کے بعد آپ شہروں میں پھرتے رہے اور سیاحت واستفادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روح نے ظاہر ہو کر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور آپ کی تکمیل ہو گئی، اس کے بعد ماوراء النہر گئے جہاں شیخ محمد اسکنی سے ملاقات ہوئی جنہوں نے تین دن کے بعد اجازت و رخصت عطا کی جس کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے اور لاہور میں ایک سال ٹھہرے جہاں بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا پھر وہاں سے ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی تشریف لائے اور قلعہ فیروزی میں قیام فرمایا جس میں ایک بڑی نہر اور ایک بڑی مسجد تھی آپ وہاں اپنی وفات

تک مقیم رہے۔

آپ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ وجد و ذوق، نہایت متواضع و منکسر مزاج تھے، اعتباراً و نا محرموں سے اپنے احوال رفیعہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنے کو مقام ارشاد کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور اگر کوئی آپ کے پاس باطنی استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اس لئے آپ کسی اور بزرگ سے رجوع کریں اور اگر آپ کو کوئی شخصیت مل جائے تو مجھے بھی خبر کر دیں، غرض آپ ادعا سے دور رہ کر آنے والوں کی خدمت و تالیفِ قلب میں مشغول رہتے تھے، اور کسی ضرورت یا دقیق مسئلہ کی وضاحت ہی کے لئے لب کشائی کرتے اور مخاطب کی رہنمائی کے لئے مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے تھے، اپنے احباب کو قیامِ تعظیمی سے منع فرماتے اور اپنے کو انہیں جیسا سمجھتے تھے، اور تمام حالات میں ان سے مساوات کا معاملہ فرماتے تھے، تواضع و مسکنت کے خیال سے تنگی زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کو عجیب و غریب کیفیتِ روحانی اور قوتِ تاثیر حاصل تھی جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی اس کے حالات بدل جاتے اور پہلی ہی صحبت میں اُسے ذوق و شوق اور اہل معرفت کی روحانی کیفیات حاصل ہو جاتیں اور پہلی ہی توجہ و تلقین میں طالبین کا قلب جاری ہو جاتا تھا، آپ کا فیض اور مخلوق پر شفقت سب کے لئے اس قدر عام تھی کہ سخت جاٹے کی ایک رشتہ میں آپ کسی کام سے بستر سے اٹھ کر گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنے بھائی میں ایک بلی کو سوتا دیکھ کر اسے جگانے اور ہٹانے کے بجائے صبح تک بیٹھے رہے، اسی طرح آپ کے قیام لاہور کے زمانہ میں فحط پڑا تو اس عرصہ میں آپ نے کچھ نہیں کھایا، آپ کے پاس جو کھانا آتا اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے، لاہور سے دہلی جاتے ہوئے راستہ میں ایک معذور شخص کو

دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور اُسے سوار کر کے اور پچانے والوں سے بچنے کے لئے

چہرہ چھپائے ہوئے اس کی منزل مقصود تک پیدل گئے اور پھر سوار ہوئے، غلطی کے اعتراف اور اپنے کو خطا کار سمجھنے میں کوئی تاثر نہ کرتے تھے اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں بلکہ عوام سے بھی اپنے کو ممتاز نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان ہر قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا، مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت کرتے رہے کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلوی نے حکام سے اس کی شکایت کی اور انھوں نے اسے پکڑ کر بند کر دیا جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ان مرید پر ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی، انھوں نے عرض کیا "حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے" اس پر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح و تقویٰ تھے، اس لئے آپ نے اس کا فسق و فجور محسوس کر لیا، مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوششوں سے حکام نے اسے رہا کیا، اور وہ تائب ہو کر اہل صلاح میں سے ہو گیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ میری ہی غلطی تھی، جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی، عبادات و معاملات میں احتیاطی پہلو اختیار کرتے اس لئے ابتدا میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں اور قوی دلیلیں ہیں۔

یہ چند چیزیں ان کے فضائل و کمالات کا صرف ایک معمولی حصہ اور ان کے بحر شائل کا صرف ایک قطرہ ہیں، اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ قلیل مدت میں کتنے انسانوں کو آپ کے فیض باطنی پہونچا، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس سلسلہ مبارک کو آپ ہی کے ذریعے

فروغ حاصل ہوا، جسے آپ سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

شیخ محمد بن فضل الشربہ بانپوری کہتے ہیں کہ آپ وعظ وارشاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کیونکہ کل تین چار سال کی مدت میں اپنے افادات کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلا دی، اس کی تفصیل ملا ہاشم کشمی کی "زبدۃ المقامات" میں ہے، آپ نے کل چالیس سال کی عمر پائی اور ہندوستان آنے کے بعد کل چار سال حیات رہے اور اس ٹھوڑی مدت میں آپ کے اصحاب و رفقاء کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے یہاں تک کہ انھوں نے گزشتہ سلسلوں کے آثار محو کر دیے، اور طریقہ نقشبندیہ تمام سلسلوں پر غالب آ گیا۔

محمد بن فضل الشربہ نے خلاصۃ الاثر میں لکھا ہے کہ "حضرت شیخ الشربہ کی ایک نشانی و روشنی اور سیر الہی اور علم ظاہر و باطن اور تصرفات کے حامل تھے، خاموش طبع متواضع اور ایسے خوش اخلاق تھے کہ لوگوں میں اپنے کو ذرا بھی ممتاز نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے احباب کو بھی قیام تعظیمی سے روکتے اور معمولی سلوک کی تلقین کرتے تھے۔"

مُجتبیٰ کا کہنا ہے کہ آپ سے بڑے تصرفات ظاہر ہوئے جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی یا داخل سلسلہ ہوتا تو اس پر محویت و فنائیت کا غلبہ ہو جاتا، اگرچہ اسے اس راہ سے پہلے کوئی مناسبت نہ ہوتی، لوگ آپ کے دروازہ پر مدہوشوں کی طرح پڑے رہتے بعض لوگوں

اس سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان دو طریق سے پہنچا، ایک امیر ابو العلاء اکبر آبادی کے ذریعہ جن کو اپنے چچا عبداللہ اتراری طریقہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت تھی، اس طریق میں شہتیت و نقشبندیت باہم مخلوط ہیں، کالپی، مارہرو، دانا پور وغیرہ کا ابو العلاء سلسلہ انہی سے چلتا ہے، دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، اصلاً اس سلسلہ کی ہندوستان میں اشاعت حضرت خواجہ کی آمد اور حضرت مجدد کے اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہوئی، پھر وہ سارے عالم میں پھیل گیا۔

(ثقافت اسلامیہ فی الہند، تالیف مولانا سید عبدالحی مصنف تزیینۃ الخواطر)۔

پر پہلے ہی وہ لمبے میں عالم ملکوت منکشف ہو جاتا جو غیبی کشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کے مریدوں میں طریقہ مجددیہ کے امام و بانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ تاج الدین بن سلطان عثمانی سنبھلی، شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بدشتی، شیخ الداد دہلوی جیسے جلیل القدر مشائخ اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

آپ کی تصنیفات میں نادر رسالے قیمتی مکاتیب اور پاکیزہ اشعار ہیں جن میں کتاب "مسلسلۃ الأحبار" ہے جس میں آپ نے فارسی میں اپنی عرفانی رباعیات کی شرح کی ہے۔ چہار شنبہ ۱۴ جمادی الآخرۃ ۱۳۱۷ھ کو دہلی میں چالیس سال چار ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر مغربی دہلی میں قدم رسولؐ کے قریب ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

بیعت و تکمیل

حضرت مجدد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ گویا آپ کے انتظار ہی میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی غمور اور دیر آشنا واقع ہوئی تھی کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے، لیکن یہاں طالب خود مطلوب تھا، اور خدا کو حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجدد کی روحانی تکمیل کر کے اور اس نسبت خاص کو عطا کر کے جس کا طریقہ نقشبندیہ اس عہد میں حامل تھا، اور جس کی سلوک باطنی کی دنیا اور ہندوستان کے اس روحانی ماحول میں ضرورت تھی، ایک نئی نوعیت و طرز سے دین کی تجدید کا کام لینا، طریقت کو شریعت کے تابع بنانا، منازل سلوک کو طے کرانا اور وسائل سے مقاصد تک پہنچانا مقصود تھا، حضرت خواجہ نے خلافت معمول فرمایا کہ آپ چند روز ہمارے یہاں رہیں، ایک ماہ ایک ہفتہ ہی سہی۔

حضرت خواجہ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا تھا، استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے ان کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا، وہ اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر دے رہا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ اکنکی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا، اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔^۱

حضرت مجدد کے لئے اس ارشاد کے بعد انکار و معذرت کی کیا گنجائش تھی کہ ان کے اندر خود خضر طریقی اور حشیہ حیواں کی طلب موجود تھی، آپ نے یہ دعوت قبول فرمائی اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ کو منجر ہوا، اس صحبت میں طریقہ نقشبندیہ کے اکتساب و تحصیل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بلا تامل قبول فرمایا اور خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی، اور آپ کی توجہ سے اسی وقت ذکر قلبی جاری ہو گیا اور ایسی حلاوت و لذت محسوس ہوئی جو یونانیوں یا بلکہ آنا فانا ترقی کرتی رہی، حضرت خواجہ نے ان حالات اور برق رفتار ترقی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہی وہ طوطی خوشنوا ہے جو غلاب میں دکھایا گیا تھا، اور اسی کی خوش نوائی و خوش ادائی سے ہندوستان کے چین بلکہ چین اسلام میں گیارہ آئے گی۔^۲ جہاں نے راہ گرگوں کو دیک مرد خود آگاہ ہے

اس دو ڈھائی مہینہ میں حضرت مجدد کو جو باطنی کیفیات و ترقیات حاصل ہوئیں اور جو مراحل سلوک طے ہوئے ان کا بیان کرنا اور الفاظ کے ذریعہ ان کا سمجھنا یا سمجھانا ممکن نہیں ہے۔

۱۔ زبدۃ المقاتل ص ۱۴۱-۱۴۲، حضرات القدس ص ۲۶-۲۷ ۲۔ اگر کسی کو اس کے دیکھنے کا شوق ہو تو وہ مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ چہارم بنام حضرت خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبد اللہ فرزند ان حضرت خواجہ باقی باللہ نیز مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ پنجم بنام مولانا محمد باقی کشمی کا مطالعہ کرے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

حضرت مجدد اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی اور یوٹا فیوٹا ترقی ہونے کی امید ہے، دوسری مرتبہ جب دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی، اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجدد اس کے بعد سیری اور آخری مرتبہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے بہت دور باہر نکل کر استقبال کیا اور بڑی بشارتیں دیں، اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص سیری طرف متوجہ نہ ہو کرے، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب صنعت بہت معلوم ہوتا ہے، امید جیسا بہت کم ہے، اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبداللہ کو جو اس وقت شیرخوار تھے اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیکھئے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

حضرت مجدد کے علوم مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو اس تعلق کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا کہ شیخ احمد نے جو سرہند کے باشندے کثیر العلم قوی العمل بزرگ ہیں، فقیر کے ساتھ چند دن نشست و برخاست

کی فقیر کے مشاہدہ میں ان کے عجیب کمالات و اوصاف آئے، امید ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہو جائے گا، ان کے احوال کاملہ پر میرا یقین استوار ہے۔
 خود حضرت مجدد کو پہلی ہی توجہ و تلقین سے یقین ہو گیا کہ وہ اس راہ کے مدارج عالیہ تک پہنچیں گے اسی کے ساتھ دیدِ قصور اور اپنی نفی بھی دل میں راسخ تھی، اسی کے ساتھ شعر بھی و در زبان تھا۔

ازیں نورے کہ از تو بردم تافت
 یقین دادم کہ آخر خواہم تافت

حضرت مجددان ترقیات باطنی اور فضائل علمی و عملی کے ساتھ اپنے شیخ و مرشد کا نہایت درجہ ادب کرتے تھے کسی وقت اگر شیخ نے ان کو طلب فرمایا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، ادھر شیخ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو گیا جو کم تر کسی شیخ کا اپنے مرشد کے ساتھ ہوا ہوگا، ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں سیارگان در ضمن ایشان گم اند (شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔)



باب چہارم

اہم واقعات و حالات ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وقت

سرہند کا قیام

اس اکتساب فیض اور تکمیل کے بعد حضرت مجدد نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی، ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا بہ شدت احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھیں اور طبیعت عروج کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مشکل تھی جس کے لئے نزول شرط ہے جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ (اس حالت میں) اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا جو طالب میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کفرسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوال منتظرہ عطا فرما دیئے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ آپ کا فیض عام ہو، اور طالبین کی تکمیل اور ارشاد کا کام

شروع ہو، مجدد صاحب اپنے احوال مسترشدین اور برادران طریقت کی ترقیات باطنی کی تفصیل شیخ کو لکھتے رہے، ایسی بشارتیں منامات اور کیفیات بھی ظاہر ہوئیں جن سے آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور آپ سے دین کی کوئی عظیم الشان خدمت وجود میں آئے گی، تیسری حاضری کے بعد حضرت خواجہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

لاہور کا سفر

حضرت مجدد نے کچھ عرصہ سرہند مقیم رہ کر شیخ کے اشارہ و ارشاد پر لاہور کا سفر اختیار فرمایا، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی و دینی مرکز تھا، اور وہاں بکثرت علماء و مشائخ تھے، ان میں سے ایک جم غفیر نے آپ کی آمد کی خبر سن کر آپ کا پر جوش استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے، مولانا طاہر لاہوری (جو بعد میں حضرت مجدد کے اجلہ خلفاء میں ہوئے) مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، ذکر و مراقبہ کا حلقہ قائم ہوتا اور مجالس صحبت گرم رہتیں۔

حضرت مجدد ابھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی اطلاع ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک اضطرابی و اضطراری حالت میں دہلی کی طرف عنان سفر موڑ دی، راستہ میں سرہند پڑتا تھا، لیکن گھرنہ گئے پہلے اپنے شیخ و مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشد زادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز دہلی میں قیام

۱۵ زبدۃ المقامات ۱۵۴

۱۵ ملاحظہ ہو مکتوب ۳۷ دفتر دوم

۳۷ زبدۃ المقامات ۱۵۵، روضۃ القیومیہ میں ہے کہ اس سفر میں خان خاناں اور مرٹھے خاں (سید فرید)

بھی حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے ۱۵۶

فرمایا، اور تربیت و ارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے ارتحال سے سونی ہو گئی تھی، دوبارہ آباد اور منوم و مجروح دل شکستہ اور تازہ ہو گئے۔

کچھ روز قیام فرما کر آپ سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، آخر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) بعض شہروں اور مقامات سے آپ کا گزرنا ہوا، تو وہاں کے اہل طلب اور اہل شوق آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔

تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات اور رجوع عام

۱۰۲۶ھ میں آپ نے اپنے بہت سے خلفاء تبلیغ و ہدایت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے، ان میں سے ستر مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کئے گئے، چالیس حضرات مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراسان گئے، اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

بہت سے نامی گرامی علماء و مشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشواری گزار منزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے، اور بیعت استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر خدشی طالقان کے

جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صاحب کولابی، شیخ احمد برسی، مولانا یار محمد، اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو خلافت و اجازت عطا فرما کر دعوت و ارشاد کے لئے اپنے مقامات کو واپس کیا۔

ہندوستان میں بھی آپ نے جا بجا اپنے خلفاء کو دعوت و ارشاد پر مامور فرمایا، خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا، ان کی خالقاہ میں کئی کئی سو سوار اور بے شمار پیادہ ذکر و مراقبہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرما کر پہلے سہارنپور پھر شاہی لشکر گاہ (مسکر) آگرہ میں متعین کیا، ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزار ہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی، میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں تھے، تجدید بیعت و اجازت نامہ مرحمت فرما کر برہان پور روانہ فرمایا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے، اور لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی، شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے (جو ہندوستان کا دوسرا علمی و سیاسی مرکز تھا) طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے روانہ فرمایا، اور ان سے اس دیار میں بڑا فیض پہنچا، شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرما کر شہر ٹیہر روانہ فرمایا اور ان سے ان دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادۂ علوم و دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا، شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرا کے اور تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر بنگالہ روانہ کیا، شیخ طاہر بخشی کو تکمیل حال کے بعد تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر جوہنپور روانہ کیا، مولانا احمد برکی تعلیم و تربیت میں مجاز ہونے کے بعد برک

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روضۃ القیومیۃ ص ۱۲۸، ۱۲۹ حضرات القدس میں بھی خلفاء کے ضمن میں متفرق طور پر ان کے خلف

مقامات کی طرف روانہ کرنے اور ارشاد و تربیت پر مامور کرنے کا ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حضرات القدس ص ۲۹۹ تا ۳۰۸

پہونچ کر ارشاد و تربیت میں مشغول ہو گئے، اور اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب حضرت کی خدمت میں لکھتے رہے، شیخ عبدالحی حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندہ تھے، مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے، حضرت نے آپ کو تعلیم و طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، شیخ عبدالحی شہر کے درمیان تشنگان طریقت کی پیاس بجھاتے تھے، اور شیخ نور محمد دریائے گنگا کے کنارے ارشاد و تربیت کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے، شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طرق و سنت پر مامور تھے، سید محب الشرائف پوری کو خلافت عطا کر کے مانپور روانہ کیا، پھر حضرت کی اجازت سے وہ الہ آباد منتقل ہو گئے، شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی توجہات خصوصی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہو گئے، ۱۰۲۷ھ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مجدد کی جلالت شان اور قوت ارشاد و حسن تربیت کا آوازہ بیرون ہند تک پہونچ چکا تھا، لوگ جوق در جوق زیارت و استفادہ کے لئے آنے لگے، اوراء النہر، بدخشاں، کابل اور بعض دوسرے بھی ممالک کے بہت سے شہروں میں آپ کے خلفاء موجود تھے، اور عرب ممالک تک بھی آپ کی شہرت پہونچ گئی تھی، ہندوستان میں تو شکل سے کوئی شہر ہوگا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی الشریعہ والے موجود نہ ہوں۔

سلطان وقت جہانگیر کا رویہ

۱۰۲۷ھ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نور الدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ ہوا، اور اس عظیم ملک میں (جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادمین اسلام کے پسینہ، اور اہل باطن و

۱۰۲۷ھ حضرات القدس المحضۃ الثانیۃ عشرۃ فی بیان احوال خلفائہ، و دیگر کتب۔

اہل قلوب کے اشک سحرگاہی سے سیراب و بار آور کیا گیا تھا) اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا، وہ آپ کے دردمند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن کچھ تو اپنی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لئے کہ وہ فتنہ اپنے شباب پر تھا، اور ابھی وہ سر ہاتھ میں نہیں آیا تھا، جس کے ذریعہ آپ سلطنت اور اس کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں، آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا، اور اگر فرمایا تو تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خان خانانہ سید صدر جہاں اور مرثضیٰ خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو تبعہت آمیز پیغامات بھیجے ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل تھا، اور حضرت مجدد کی عظمت و عقیدت بھی ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

جہاںگیر کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی عناد نہ تھا، بلکہ ایک طرح کی سلامت روی اور حسن اعتقاد تھا، اور اس کو کسی نئے دین و آئین کے جاری کرنے سے کوئی دھچپی نہ تھی اس کا عمل اپنے جدا مجد کی اس ہدایت پر تھا کہ

بار بعیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے بادشاہ کی اس سادہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے، اور جس کی تفصیل آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ آپ یہ انقلاب نگیز کام شروع کریں، گواہیاری کی اسیری کا واقعہ پیش کیا

جو کئی حیثیتوں سے حضرت مجدد کی حیات اور اس عہد کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔

بعض سروسواں کی عام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جہانگیر کے سامنے مکتوبات کے وہ نازک مضامین پیش کئے گئے جن کا سمجھنا تصوف کی اصطلاحات و دقائق اور لکھنے والے کے غرض و نشاء کے سمجھنے پر موقوف ہے اور جو درحقیقت وہ عبوری مکشوفات و محسوسات تھے جو سالک کو اپنے سروسلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں اور جن کی اپنے شیخ و مرلی کو اطلاع دینی ضروری ہے۔ جہانگیر کے لئے ان مضامین میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھے اور جن میں ایک سادہ لوح سنی العقیدہ مسلمان کے لئے جو کشف واقعہ اور عبور و استقرار کے فرق کو نہیں جانتا، وحشت و تشویش کے پورے اسباب موجود تھے اس نے ان میں بڑے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور ان کو جمہور مسلمین و اہل سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف سمجھا اور ادعاء و خود پرستی پر محمول کیا، اپنی توزک میں اس نے جہاں واقعہ کا ذکر کیا ہے اس میں اس کی حیرت و استعجاب صاف جھلکتا ہے، مجدد صاحب کا ذکر اس نے بہت نامناسب انداز اور کسی قدر تحقیر آمیز طریقہ پر کیا ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱ و فتراول بنام حضرت مرشد خواجہ باقی بانسہ۔

”جہانگیر کے علاوہ جو اس کو چہ سے نا بلند تھا بعض اچھے راسخ العلم حضرات کو بھی ان مضامین کو پڑھ کر بڑا اشکال پیش آیا، ان میں اس عہد کے نامور عالم ناشر علم حدیث اور جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ عبدالحق بنیاد دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عرصہ تک ان کو اس بارہ میں بڑا تردد رہا اور ان کی اور حضرت مجددی کی مرسلت بھی ہوئی، آخر میں ان کو اس بابے میں اطمینان شرح صدر ہو گیا جس کا اظہار انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا، ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق کی روایت ہے کہ یہ پاپا یہ تحقیق کو پہونچی ہے کہ ایک شخص حسن خاں نامی پٹھان جو حضرت شیخ (مجدد) کے مریدوں میں تھا کسی بات پر آزرده اور ناراض ہو کر چلا گیا اور شیخ کے مکتوبات میں جن کا ایک قلمی مجموعہ اس کے پاس تھا، تحریف و اضافہ کر کے نسخہ شدہ حالت میں جا بجا پھیلادیا۔ (مناقب العارفین از شاہ فتح محمد فتحپوری ہشتی ص ۱۲۶)

غلط فہمی اور اس ہنگامہ کی بنیاد یہ تحریف شدہ مکاتیب بھی ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو توزک جہانگیری ص ۲۶۲-۲۶۳ و قانع منہ جلوس ۱۲ ص ۲۸

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجدد صاحب کے مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے اور وہ ایک تورانی مغل امیر کے قلم سے جو مسلمانوں کے عام عقائد کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور اپنے کو ان کا حامی و محافظ سمجھتا ہے، بے تکلف اظہار خیال کر رہا ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو لشکر شاہی میں جو قبولیت حاصل ہوئی تھی اور اعیان سلطنت کی ان کے یہاں بکثرت آمد و رفت شروع ہو گئی تھی، اس کو بھی لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، اور اس سے خطرہ ظاہر کیا، یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مجدد شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں، اور بغاوت کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ بدیع الدین سے اپنے جوش عقیدت میں بھی بعض بے احتیاطیاں ہوئیں، اور انھوں نے اپنے بعض وقائع و کثوف "کلموا الناس علی قدر عقولہم" کی نصیحت پر عمل نہ کرتے ہوئے ایسے بیان کئے جو خواص کا عوام اور عوام کا لالعام کے فہم و ادراک سے بالاتر اور محل قیل و قال تھے، اس کا اثر حضرت مجدد تک بھی پہونچا، جہاںگیر اس کو چہرے سے بالکل نا آشنا تھا، اور دربار میں اس کے کان بھرنے والے بھی موجود تھے، اور چونکہ مجدد صاحب تشیع کے ان اعتقادی اور عملی اثرات کا مقابلہ کرتے تھے، جو ایرانی عنصر کے ہندوستان میں آنے اور دربار پر حاوی ہو جانے کے بعد سے مسلم معاشرہ پر چھائے چلے جا رہے تھے، اور عقائد اہل سنت کی صاف صاف تبلیغ فرماتے تھے، اس سے اگر دربار کے بارسوخ ایرانی عنصر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا ہو تو تعجب نہیں، مسئلہ کو سیاسی رنگ دینے کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی، اور جہاںگیر نے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا، اور آپ کی

سرگرمی و مصروفیت اور اسی کے ساتھ شہرت و مقبولیت نقطہ عروج پر شاید اس میں بھی

حکمت الہی تھی کہ اس عظمت و عروج کے عین شباب کے زمانہ میں آپ کو اس ابتلاء و امتحان میں ڈال کر وہ مقاماتِ عبادت طے کرائے جائیں اور روحانی ترقی کے اس مقام پر پہنچا جائے جو عادتاً اس مجاہدہ و امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

گوالیار کی اسیری کے اسباب

تاریخ و سوانح کی عام کتابوں میں اسیری اور قلعہ گوالیار میں نظر بند کئے جانے کا سبب اسی خاص مکتوب کے (جو حضرت نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا تھا) وہ نازک مضامین، مکاشفات اور سیر و سلوک کے سلسلہ کی ان دقیق باتوں ہی کو ٹھہرایا گیا ہے جن سے آپ کا بہت سے اکابر امت سے عالی مقام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لیکن راقم سطور کو اس میں بہت شبہ ہے کہ حضرت مجدد کو یہ ابتلاء محض اس غلط فہمی میں پیش آیا، اور اس کا سبب جہانگیر کی دینی حمیت اور جہور اہل سنت کے عقائد و مسلمات کی حمایت تھی، یا یہ محض علماء و دربار یا اس عہد کے قابل احترام علماء و مشائخ کے اصرار و تقاضہ سے کیا گیا، جہانگیر کسی زمانہ میں بھی اس دینی مزاج کا آدمی نہیں تھا، اور اس کی دینی حس کبھی اتنی تیز اور نازک نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھا، اور جس کا امور سلطنت اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایک ایسی بلند پایہ دینی شخصیت کے خلاف اتنا بڑا اقدام کرے جو ہزاروں آدمیوں کی محبت و عقیدت کا مرکز تھی۔

اس سے پہلے اس کے والد اور دادا کے زمانہ میں شیخ محمد غوث گوالیاری معراج کا دعویٰ کر چکے تھے، اور اس کی وجہ سے علماء کے حلقہ میں شورش و بچینی تھی، اور ان پر فتوے

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد مسعود صاحب کی کتاب "شاہ محمد غوث گوالیری" مطبوعہ کراچی

لگائے جا رہے تھے، لیکن نہ ہمالیوں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور نہ اکبر نے، خود جہانگیر کے زمانہ میں بہت سے مشائخ وحدۃ الوجود کے آخری حدود عینیت اور مساوات تک پہنچ گئے تھے اور اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اسی کے زمانہ میں شیخ محب اللہ آبادی نے عربی میں کتاب "التسویۃ" لکھی اور فارسی میں اس کی شرح کی، لیکن جہانگیر نے ان تحقیقات و غریب اقوال کا کوئی نوٹس نہیں لیا، یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ تنازعہ فہمکتوب (جس کو اس پورے قصہ کی بنیاد بنایا گیا ہے) حضرت خواجہ کے نام ۱۲۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے اور گرفتاری سولہ سال بعد ۱۲۰۸ھ میں عمل میں آئی۔

راقم سطور کے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت مجدد کے ارکان سلطنت اور امراء دربار سے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے اور ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی، جو ایک ایسے ذکی احس حکمراں کے لئے جو اپنے والد کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا، اور بیٹوں سے زور آزمائی کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، وسوسہ اندازی کے لئے کافی تھا، یہی ممکن ہے کہ جہانگیر کو ان موثر اور ولولہ انگیز خطوط کا بھی علم ہو گیا ہو، جو حضرت مجدد نے ان ارکان سلطنت کو اصلاح حال اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی حمیت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے تھے۔ ان امراء دربار اور اراکین سلطنت میں خان اعظم مرزا عزیز الدین خان جہاں خاں لودھی، خان خاناں مرزا عبدالرحیم، مرزا داراب، قلیج خاں وغیرہ تھے۔

مغل سلاطین مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت، رجوع عام اور ان کے گرد لوگوں کے پروانہ وار جمع ہو جانے سے ہمیشہ خائف رہے،... مجدد صاحب کے خلیفہ کبیر حضرت سید آدم بنوری کے ساتھ یہی پیش آیا، وہ جب ۱۵۲۰ھ میں لاہور تشریف لے گئے تو ان کی

لے متوفی ۱۵۲۰ھ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جہانگیر نرک میں خود لکھتا ہے کہ شیخ کے خلفاء ہر دیار اور

ہم کالی میں دس ہزار سادات و مشائخ اور مختلف طبقوں کے عقیدت مند تھے اس وقت شاہجہاں لاہور ہی میں تھا، اس کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی، غالباً یہی وجہ تھی کہ جہانگیر نے گوالیار کی نظر بندی ختم کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت کو اپنے لشکر میں سفر و حضر میں ساتھ رکھا تا کہ وہ امراء و ارکان سلطنت کے تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ کر سکے اور اس کا اطمینان کرے کہ آپ سے سلطنت و اقتدار کے لئے کوئی خطرہ نہیں اور نہ آپ سے کوئی مخالف عنصر یا حوصلہ مند یا طالع آزا فائدہ اٹھا سکے گا، اس کو جب حضرت کے طرز عمل سے اس کا اطمینان ہو گیا، اور اس نے آپ کے اخلاص، تلہیت، بے لوثی اور بے غرضی اور علم و مقام کا مشاہدہ کیا، اور اس کو بچشم خود دیکھ لیا کہ آپ دنیا کی شوکت و حشمت کو خس و خاشاک کے برابر نہیں سمجھتے تو اس نے آپ کو سر ہند میں آزادانہ طریقہ پر قیام کی اجازت دی۔

قلعہ گوالیار کی نظر بندی

بہر حال جہانگیر نے حضرت مجدد کو اپنے مستقر پر طلب کیا اور حاکم سر ہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے آپ کو وہاں بھجوائے، آپ حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے، بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا، اپنے محل کے قریب خمیہ نصب کرایا، اور ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا، آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آداب شاہی جو خلافت شرع تھے آپ نے ادا نہ کئے، ایک ناخدا تارس درباری نے بادشاہ کو متوجہ کیا اور کہا کہ جہاں پناہ شیخ نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی، بادشاہ نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا کو

رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو، آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا، بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔^{۲۴}

اس واقعہ سے پہلے شاہ جہاں نے (جس کو حضرت سے عقیدت و خلوص تھا) علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن مفتی کو کتب فقہ اور اس پیغام کے ساتھ حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا کہ سجدہ تحیہ سلاطین کے لئے آیا ہے، اگر آپ سجدہ کر لیں تو میں اس بات کا ضامن و ذمہ دار ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ صحت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔^{۲۵}

گرفتاری کا یہ افسوسناک واقعہ ربیع الثانی سنہ ۱۰۲۸ھ کی کسی تاریخ کو پیش آیا، اس لئے کہ جہانگیر نے اسی مہینہ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے، قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کر لی گئیں، متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔^{۲۶}

زندانی گوالیار میں سنت یوسفی

گوالیار کی یہ نظر بندی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتوں اور دینی مصالح پر مبنی تھی، اور ترقیات باطنی و ازویا و مقبولیت و محبوبیت کا موجب، یہاں اس یوسف زندانی نے یوسف کنعانی کی طرح اپنے رفقاء زندان میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے

لے یہ درباری سجدہ اکبر کے زمانہ سے رائج تھا، احمد شاہی آداب میں شامل تھا، اور نگ زیب نے اس کو ختم کیا۔

۲۴ حضرات القدس ص ۱۱۱ ۲۵ ایضاً ص ۱۱۶ ۲۶ توڑک جہانگیری ص ۲۴۲-۲۴۳ و مکتوب ص ۲ دفتر سوم۔

مشرع کر دیا، اور پس زندان "یا صَاحِبِ السِّجْنِ اُذْ بَابُ مُتَّقَرِّقُونَ خَيْرًا لِّلّٰهِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" کی آواز اس بلند آہنگی سے بلند کی کہ قلعہ کے در و دیوار گونج اٹھے اور ان کی آواز باہر بھی سنی گئی کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت تبلیغ اور صحبت و تربیت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سیکڑوں قیدی ارادت و صحبت سے سرفراز ہو کر درجہ عالیہ تک پہنچے، ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں ہے:-

”شہنشاہ بھانگیر (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے، جو شیعہ عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کر دیا، دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقاء زندان میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنایا۔“

(ص ۴۲ طبع ثالث)

اس طرح انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (ENCYCLOPEDIA OF RELIGION - AND ETHICS) (مذہب و اخلاقیات کا دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے:-

”ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا، جو ناجن قید کر دیئے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔“

ج ۸ ص ۷۲۸

لے ماخوذ از مضمون ”حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں“ بقلم مولانا عبد الماجد دریا بادی

”الفرقان“ مجد ذہبیہ ۱۲۵ھ

دوران اسیری کی نعمتیں اور لذتیں

زندگان گویا بار کے اس چند روزہ مہمانی سے حضرت مجدد پر انعامات الہیہ کی جو بارش ہوئی اور آپ کو جو باطنی ترقیات، حقیقی شکستگی اور وارستگی کی لذت اور خلوت میں جلوت کی جو نعمت حاصل ہوئی، اس کا حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام خطوط میں تحدیث بالنعمت کے طور پر بڑے مزے لے لے کر ذکر کیا ہے، میر محمد نعمان کے نام ایک طویل مکتوب میں جو قلعہ گویا بار سے بھیجا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”اگر محض فضل خداوندی سے فیوض و اردات الہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات و عطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدہ میں مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ پاس و ناامیدی کی حد کو پہنچ جاتا، اور رشتہ امید شکستہ ہو جاتا، حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلاء میں عاقبت عطا فرمائی، اور ظلم و جفا میں عزت بخشی، مشقت و تکلیف میں مجھ پر احسان کیا، اور راحت و مصیبت میں شکر کی توفیق دی، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں اور اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا، اس سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اولاً اور ان کے قبیحین پر ثانیاً“

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے حکم سلطانی سے محبوس ہونے کی شہرت جب عام ہوئی تو اس پر طرح طرح کے تبصرے شروع ہوئے، لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے اور

لے مکتوب ۳۰ دفتر سوم حصہ ہفتم، اردو ترجمہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کے مضمون ”امام ربانی“

قیاس آرائیاں کیں، خدام و مجبین کو اس سے قدرِ ثناء و ذیت پہنچتی، اس تنقید و ملامتِ خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مخلص شیخ بدیع الدین کو اسی قید خانہ سے لکھتے ہیں:-

”جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو اوائلِ حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامتِ خلق کے انوارِ شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے درپے پہنچ رہے ہیں، اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جا رہے ہیں، برسوں تربیتِ جمال سے میری منزلیں طے کرائی گئیں، اب تربیتِ جمال سے قطعِ مسافت کرائی جا رہی ہے، لہذا آپ مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں رہیں، اور جمال و جلال کو مساوی جانیں!“

حضرت صاحبزادگان والا شان کو بھی قید خانہ سے صبر و تسکین اور شکر و رضا کی ہدایت فرماتے رہے، اور توجہ الی اللہ، دعا و مناجات اور ذکر و تلاوت اور ماسوا اللہ کی نفی اور اپنی تعلیم و تکمیل میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے اس عیس بے جا کا اثر ہندوستان کے صحیح الاعتقاد امراء اور اراکین سلطنت پر بڑا پڑا، بعض جگہ شورش اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے، عبدالرحیم خان، خانانا، خان اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی وغیرہ بھی جہانگیر کے اس اقدام سے آزر دہ تھے، اس شورش و انتشار کی معاصر تاریخ سے زیادہ شہادتیں نہیں ملتیں، اور وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا حضرت مجدد کی

۱۷ مکتوب ۱۷ دفتر سوم حصہ ہشتم ۱۸ مکتوب ۱۷ دفتر سوم حصہ ہشتم بنام حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم۔

۱۹ اس سلسلہ میں مہابت خاں کی بغاوت کا بھی حوالہ دیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ مہابت خاں کی بغاوت کا واقعہ

۲۰ ۱۷۰۳ء کا ہے، جب کہ حضرت مجدد کی رہائی کو ۱۷۰۲ء میں ہو چکے تھے، اور آپس دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

اسیری سے کتنا تعلق تھا۔

بہر حال بادشاہ کو (کسی وجہ سے بھی) اپنے اس اقدام سے ندامت ہوئی یا اس نے اتنی مدت کی اسیری کو کافی سمجھا اور آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے تشریف لانے کی دعوت دی حضرت مجدد کامل ایک سال قلعہ گواہا میں رہے، اس طرح آپ کی رہائی جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ (مئی ۱۶۲۰ء) میں ہوئی ہوگی۔

شکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات و برکات

حضرت مجدد بڑی عزت و احترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے، تین یوم سرسند قیام فرما کر مسکر شاہی آگرہ میں تشریف لے گئے، اولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا، مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، آپ نے منظور فرمایا، اس رفاقت سے بادشاہ اور اہل لشکر کو بہت نفع پہونچا، جہانگیر نے اپنی توڑک میں لکھا ہے کہ میں نے خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور جانے اور ساتھ رہنے کا اختیار دیا، انھوں نے ہر کالی کو ترجیح دی۔

حضرت مجدد نے لشکر کی اس رفاقت اور اس کے فوائد و برکات کے متعلق صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ لشکر میں اس طرح بے اختیار ویے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں، اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔

لے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کو خواب میں زیارت نبوی ہوئی اور اس نے دیکھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بطور تأسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ "جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا"

لے مکتوب ۳۴ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرسوسستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔^۱ ایک شاہی مجلس کے بارے میں جو اسی زمانہ میں پیش آئی تھی، ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”فرزندان گرامی کا صحیفہ شریف پہنچا، اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحبت و عافیت سے ہے، ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں، اچھی طرح سماعت کریں، آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا، ایک پہر رات گزری وہاں سے واپس آیا، اور تین سی پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، دو پہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ غیند میسر ہوئی۔^۲ ایک دوسرے مکتوب میں جو خواجہ حسام الدین کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

”برخورداران و رفقاء میں سے جو بھی ساتھ ہے، ان سب کو وابستگی حاصل ہے، اور ان کے احوال میں ترقی ہے، ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے۔^۳

شکر شاہی کے ساتھ لاہور پہنچے، وہاں سے سرسند کوچ ہوا، سرسند میں حضرت نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، حضرت کی خواہش سرسند رہ جانے کی تھی لیکن بادشاہ نے

۱۔ مکتوب مرقوم دفتر سوم ۲۔ مکتوب مرقوم عبارتوں کے تراجم حضرت مجدد الف ثانیؒ ”تالیف

مولانا سید زوار حسین سے ماخوذ ہیں۔ ۳۔ مکتوب مرقوم دفتر سوم۔

آپ کی جدائی گوارانہ کی وہاں سے دہلی روانگی ہوئی، دہلی سے بنارس، پھر اجمیر قیام رہا۔

جہانگیر پر اثر

بعض کتابوں میں جو زمانہ حال میں حضرت مجدد کی سوانح حیات میں لکھی گئی ہیں جہانگیر کی حضرت کے ساتھ گہری عقیدت اور باقاعدہ بیعت و ارادت کو دکھایا گیا ہے لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت نہیں ملتا، توڑک میں جہانگیر نے کئی مقامات پر جس انداز میں حضرت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، وہ نشہ و سلطانی میں کتنا ہی مست ہو اور اس کا انداز تحریر کیسا ہی شاہانہ ہو وہ اپنے شیخ کا اس انداز میں ذکر نہیں کر سکتا، پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب (صفحہ ۳۶۱) میں بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جہانگیر کی ارادت ثابت نہیں، اور اس میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا، دوسرے قدیم سوانح نگاروں نے جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے، نہ شاہ جہاں کی، البتہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہانگیر نے اس رفاقت سے فائدہ اٹھایا، اس کے اندر نئے دینی رجحان پیدا ہونے، منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دیکھی میں اس کو بہت دخل تھا، ۱۶۱۳ء میں قلعہ کانگرہ کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا، اور وہاں شعائر اسلام کا اجراء کرایا، اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جس کو مجدد صاحب کی شرف ہمراہی کا فیض کہا جاسکتا۔

قرب سفر اور اس کے انتظامات

خواجہ محمد کشمی لکھتے ہیں کہ ۱۳۲۰ھ تھا، اور آپ جمیر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ سفر آخرت کے دن قریب ہیں، مخدوم زادگان کو جو اس وقت سرہند میں تھے، ایک خط میں تحریر فرمایا کہ ایام القرائن عمر نزدیک و فرزندان دور (زندگی کے اختتام کے دن قریب ہیں اور فرزندان دور) صاحبزادگان اس خط کو پاتے ہی اجمیر حاضر ہوئے ایک دن خلوت میں دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) سے فرمایا کہ مجھے اب اس دنیا سے کسی طرح کی بچسپی اور اس کی طرف التفات نہیں، اب اس عالم کا خیال غالب ہے اور سفر کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں!

حضرت مجدد کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں دس ماہ ۸ یا ۹ دن رہا، جب جمیر سے سرہند معاودت فرمائی تو وہاں پہنچ کر تمام تعلقات سے انقطاع فرمایا اور خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین مخصوص خادموں کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی، سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے باہر تشریف نہیں لاتے تھے، سارا وقت ذکر و استغفار اور ظاہری و باطنی مشغولی میں گزرتا جو ”وَبَدَّلَ إِلَيْهِ تَبَيُّلاً“ (اور سب سے منقطع ہو کر

لے زبدة المقامات ۲۸۵ ۲۸۶ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۶۴-۱۶۵

۲۸۷ انہی خوش نصیبوں میں خواجہ محمد ہاشم کشمی بھی تھے لیکن وہ وفات سے ساٹھ ماہ پہلے رجب ۱۳۲۳ھ میں اپنے اہل بیال کو دکن سے لانے کے لئے (جہاں اس زمانہ میں بدامنی و انتشار تھا) چلے گئے، اس عرصہ میں شیخ بدرالدین سرہندی حاضر خدمت رہے اور زندگی کے آخری ایام کے حالات زبدة المقامات میں انہی کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں اس میں صاحبزادگان الاثنا کی دی ہوئی معلومات بھی ہیں۔

اسی کے ہو رہی کی تفسیر تھی۔

وسط ذی الحجہ سے ضیق النفس کے عارضہ میں شدت ہوئی، گریہ کا غلبہ ہوتا، اور جب ضعف کی شدت ہوتی تو ”اللہم الرفیق الاعلیٰ“ زبان پر جاری ہوتا، اسی عرصہ میں چند دن صحت کے ساتھ گزرے، اور غموم و بحروح دلوں کو کچھ تسکین ہوئی، اسی حالت میں فرماتے تھے کہ ”ضعف کی شدت میں وہ صلاوت و لذت محسوس ہوتی تھی جس کا اس چند روزہ صحت میں پتہ نہیں۔“ اس حالت میں بکثرت صدقہ اور خیرات فرمائی، ۱۲ محرم کو فرمایا کہ ”مجھے بتایا گیا ہے کہ پینتالیس دن کے اندر تمہیں اس عالم سے دوسرے عالم کا سفر کرایا جائے گا، اور مجھے قبر کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے۔“ ایک دن صاحبزادگان نے دیکھا کہ آپ پر گریہ غالب ہے، انھوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ شوق وصال! صاحبزادوں نے کہا کہ ہمارے حق میں اس قدر (خلاوت معمول) بے مہری و بے التفاتی کیوں ہے؟ فرمایا کہ اللہ کی ذات تم سے زیادہ محبوب ہے۔“

۲۲ صفر کو خدام و اعزہ سے فرمایا کہ آج چالیس دن پورے ہو گئے، دیکھا چاہئے کہ اس ساٹھ دن میں کیا پیش آتا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غایات اور انعامات بے حساب کا تذکرہ فرماتے رہے، ۲۳ صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدام کو تقسیم کر دیئے، جسم مبارک پر چونکہ کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا، ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا، اور دوبارہ بخار ہو گیا، اور جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بیماری سے قلیل افاقے کے بعد دوبارہ ناساز ہوا، یہ سنت بھی ادا ہوئی۔

اس ضعف کی حالت میں علوم عالیہ کا افاصلہ شدت کے ساتھ تھا، صاحبزادہ عالی قد

لے ہیضہ غالباً نومبر کا تھا، اس لئے کہ انتقال دسمبر کے ہیضہ میں ہوا ہے، اس علاقہ میں یہ ہیضہ سردی کا ہے۔

خواجہ محمد سعید نے عرض کیا کہ حضرت کا ضعف اس گفتگو کا متحمل نہیں، ان حقائق و معارف کے بیان کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھیں! فرمایا کہ فرزند عزیز! اب وقت و فرصت کس کو ہے کہ دوسرے وقت پر ان مضامین کو اٹھا رکھا جائے؟ غلبہ ضعف کے ان دنوں میں بھی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں فرمائی، صرف زندگی کے آخری چار پانچ دنوں میں لوگوں کے کہنے سننے سے تنہا پڑھی، ادویہ اور ادما ثورہ اور ذکر و مراقبہ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا، شریعت و طریقت کے آداب و احکام میں سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، ایک رات ثلث اخیر میں اٹھ کر وضو فرمایا، تہجد کھڑے ہو کر پڑھی، فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے، اور یہی ہوا کہ اس کے بعد تہجد کی نوبت نہیں آئی۔

وصال سے کچھ پیشتر غیبت اور استغراق کا غلبہ ہوا، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ یہ استغراق و غیبت آپ کو ضعف کی وجہ سے ہے یا استغراق کی وجہ سے؟ فرمایا استغراق کی وجہ سے، بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں، اس حالت ضعف و شدت و علالت میں سنت کی پابندی، بدعت سے اجتناب اور دوام ذکر و مراقبہ کی وصیت فرماتے تھے، ارشاد فرماتے تھے کہ سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہیے، فرمایا کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الذین النصیحة کے مطابق امت کی خیر خواہی اور نیک صلاح کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دین کی معتبر کتابوں سے متابعت کامل کا راستہ حاصل کرنا اور اس پر کاربند ہونا چاہیے، فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے کوئی سنت ترک نہ کی جائے، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ چونکہ میری رحلت تمہاری رحلت سے پہلے ہوتی معلوم ہوتی ہے، اس لئے میرے کفن کا سامان اپنے مہر سے کرنا، یہ بھی فرمایا کہ میری قبر کسی گناہ جگہ پر بنائی جائے، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ پہلے تو حضرت کی

وصیت تھی کہ ہمارے برادر اکبر خواجہ محمد صادق جہاں دفن ہیں وہیں دفن کیا جائے، اب حضرت یوں فرماتے ہیں، فرمایا کہ ہاں، اس وقت مجھ پر یہی شوق غالب ہے، جب آپ نے دیکھا کہ صاحبزادے یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ان کو اس میں تردد ہے تو فرمایا، اگر ایسا نہ کر سکو تو بیرون والد بزرگوار کے پاس یا باغ میں کہیں دفن کر دینا میری قبر کو خام رکھنا، تاکہ تھوڑے دنوں میں اس کا نشان باقی نہ رہے، اس پر بھی جب دیکھا کہ صاحبزادے سوچ میں پڑ گئے تو مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے۔ ہاں مناسب سمجھو سپرد خاک کر دینا۔

شنبہ کی شب اور ۲ صفر کی تاریخ تھی جس کے اگلے روز سفر آخرت تھا، ان خدام سے جنہوں نے راتوں کو جاگ کر خدمت اور تیمارداری کی تھی، فرمایا کہ تم نے بڑی محنت کی بس اس رات کی محنت اور رہ گئی ہے، پھر فرصت! آخر شب میں فرمایا: "صبح یلدا" (رات کسی طرح صبح کر) دن ہوا تو چاشت کے وقت پٹیاب کے لئے طشت منگوایا جس میں ریت نہیں تھی، پھینٹیں آنے کے خیال سے اس کو واپس کر دیا، کسی نے کہا کہ حکیم کو قارورہ دکھانا چاہئے، فرمایا میں وضو شکست نہیں کرتا، مجھے بستر پر ٹاڈو، آپ کو گویا اس کا انکشاف ہو گیا کہ اب کچھ ہی دیر کے بعد اس عالم سے کوچ ہے، وضو کی فرصت نہ ہوگی، جب بستر پر ٹاڈا گیا تو طریقہ مسنون کے مطابق دائیں رخسارے کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے، مخدوم زادوں نے سانس کی تیزی دیکھ کر عرض کیا کہ مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ہم اچھے ہیں! فرمایا کہ میں نے جو دو رکعت نماز پڑھی ہے کافی ہے، اس کے بعد سوائے اسم ذات کے ذکر کے کوئی بات نہیں فرمائی، ایک کے بعد جان جاناں کو سپرد کر دی، یہ واقعہ روز شنبہ چاشت کے وقت ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۲ھ کا ہے۔

۱۷ حضرت مجدد کے فرزند اکبر جن کا انتقال ۹ ربیع الاول ۱۰۳۲ھ میں ہوا۔

۱۸ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۳ء (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین)۔

صفر کا وہ مہینہ ۲۹ کا تھا، اگلے دن ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو رہا تھا کہ روح نے قفسِ عنقریب سے اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کی: **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ لِلطَّعْنَةِ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** اس وقت عمر مبارک ۲۳ سٹھ سال تھی۔

جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے یاٹیں ہاتھ کی کلائی پر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے ہیں، مخدوم زادوں نے انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دیئے لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک پہلی ہیئت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ مہم فرما رہے ہیں گویا یہ

ہم چناں زری کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں شوند تو خنداں

ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آجاتے، تجزیہ و تفسیر کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور جسد مبارک کو آخری آرام گاہ میں پہونچا دیا گیا۔

عادات و معمولات

خواجہ محمد ہاشم کشمیری نے جو حضرت مجدد کی خدمت میں ان کی آخری حیات میں تین سال سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، حضرت کے عادات و معمولات کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔

لے مولانا زید ابوالحسن صاحب کی تحقیق ہے کہ عمر شریف قمری حساب ۸۵ سٹھ سال چار ماہ چودہ دن اور قمری حساب ۸۶ سٹھ سال چار ماہ

یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے، قدسے اضافہ مولانا بدرالدین سرہندی کی کتاب "حضرت القدر" سے کیا گیا ہے۔

"حضرت کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے وہ سب فضل خداوندی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جاسکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے جس پر مدار کارہمتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے، اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، جزئیاً و کلیاً، اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس وجہ سے کہ بحکم بشریت اتباع کامل میں نقص و فتور ہونے کی وجہ سے، ایک روز فرمایا کہ ایک دن سہواً جائے ضرور میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صاحب خٹلانی سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سی لونگیں لے آؤ! وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ و ترویجیت الودع" رعایت و ترستحب ہے، مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا و آخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دے دیا جائے جو اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنائیے، انھوں نے کہا کہ مجھ بے بصیرت کو کیا نظر آسکتا ہے، لیکن میں نے اتنا دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فرو گذاشت نہیں فرماتے، کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت مشکل ہے۔

لہٰذا حضرات القدر کی عبارت وادین "کے درمیان کر دی گئی ہے اور اس کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا

ہے اس کے علاوہ جو کچھ مضمون ہے وہ زبدۃ المقامات سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسرے حاضر باش نے کہا کہ ان حضرات کے احوال باطنی ہمارے ادراک سے بالاتر ہیں، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کے حالات دیکھ کر اولیائے متقدمین کے حالات پر (جو کتابوں میں لکھے گئے ہیں) یقین آگیا، اور معلوم ہوا کہ ان میں مبالغہ نہیں تھا، بلکہ احساس ہوا کہ لکھنے والوں نے کم لکھا ہے، سارا دن اسی مشغولی میں گزارتا، ایک خادم خاص نے (جس سے وضو جانا، نماز اور عبادات کے سلسلہ کی خدمات متعلق تھیں) کہا کہ صرف قیلولہ کے وقت اور رات کے ثلث دوم میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام و رفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے، اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اور مزرعہ آخرت حضور باطن کو آداب و اعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہئے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علو مرتبہ کے) پائے مبارک کثرت عبادت سے متورم ہو جاتے تھے۔ اگرچہ حضرت کو مسائل فقہیہ کا استحضار تھا، اور اصول فقہ میں مکتہ تارتہ لکھتے تھے، لیکن برہنہ احتیاط مسائل میں معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے، اور سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھتے، عمل مفتی بہ قول اور فقہائے کبار کے ترجیح دیئے ہوئے مسئلہ پر ہوتا، اکثر خود امامت فرماتے، اور اس کی حکمت ایک مرتبہ ارشاد فرمائی کہ "حضرات شافعیہ و مالکیہ کے یہاں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے وہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، اور بہت سی احادیث صریحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ کے یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اور جمہور فقہائے حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے، چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے اس کی آسان صورت یہی معلوم ہوئی کہ خود امامت کروں۔"

۱۔ خواجہ محمد ہاشم کشمیری نے اسی فصل میں دوسری جگہ لکھا ہے "وفاتہ خلف الامام بھی خواندندوں راستگی بھی

گرمی ہو سردی ہو حضرت کا سفر و حضر میں یہ مولیٰ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے اس وقت کے لئے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں، وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام و احتیاط (اباغ وضو) کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پورے طور پر پہنچ جائے دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے، اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں، وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور و جمعیت اور طول قرأت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد شوع و استغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے، تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے "سنت و فرض کے درمیان برتری طریقہ پڑ سبحان اللہ و بحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم" پڑھتے رہتے، فجر کی نماز آخر غلس (اندھیرے) اور اول اسفار (روشنی) میں ادا کرتے تاکہ غلس و اسفار کے باسے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہو جائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پڑھتے تھے، فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور سیاحت و ادعیہ ماثورہ سے فایغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لاتے، اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر خبر لیتے، اور جو امور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے، اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت کے بعد طالبین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق و ہدایات فرماتے، اسی وقت انھیں اصحاب کو بلا کر مضامین و علوم خاصہ

۱۔ سورہ ہجرات سے سورہ البروج تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں ۲۔ حضرات القدس ص ۷۷

ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے، اور وہ اپنے حالات و کیفیات سے مطلع کرتے، اور آپ ان کو علو ہمت، اتباع سنت، اور دوام ذکر حضور اور اخفاءِ حال کی تاکید فرماتے، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ساری کائنات اس کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتی جو ایک قطرہ کی دریائے محیط کے سامنے ہے، خدام و حاضرین کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید اور علماء سے احکام شریعت کی تحقیق کی ترغیب فرماتے۔

فرماتے تھے کہ کشف میں ایسا نظر آتا ہے کہ سارا عالم بدعات کے گرداب ظلمانی میں ڈوب گیا ہے، اور اس میں سنت کا نور کریمک شب تاب (جگنو) کی طرح چمک رہا ہے، غیبت اور مسلمانوں کی عیب چینی سے سخت احتراز تھا، خدام بھی آپ کے احترام و ہیبت آپ کے سامنے کسی کی غیبت نہیں کر سکتے تھے، اپنے حالات و کیفیات کا بے انتہا اخفاء فرماتے تھے، میں نے دو سال کی مدت میں صرف تین چار بار ایسا دیکھا کہ اشک کے چند قطرے چہرہ مبارک پر ٹپک پڑے، ایسے تین چار بار مضامین عالیہ بیان کرتے وقت رخسار مبارک اور آنکھوں میں نمی دیکھی۔ ”صنوعہ کبریٰ“ اور نماز چاشت کے بعد حرم سرالشریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، صاحبزادوں یا اہل تعلق میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو پیش کرتا، فرزندان اور خدام میں سے اگر کوئی اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے، کھانے پر اکثر کھلانے میں مشغولی رہتی اور زیادہ وقت دوسروں کی خبر گیری اور خاطر میں گزارتا، بعض اوقات برائے نام تناول فرماتے، معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی احتیاج نہیں، محض سنت کی پیروی

۱۔ صنوعہ کبریٰ صبح صادق اور غروب آفتاب کے ٹھیک بیچ کا وقت (انتصاف النہار الشرعی) وهو صنوعہ

مقصود ہے "آخری زندگی میں جب گوشہ نشینی اختیار کی اور روزہ رکھتے تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے، کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا (جیسا کہ عام طور پر رواج ہے) معمول نہیں تھا، اس لئے کہ صبح احادیث میں نہیں آیا ہے "فرائض کے بعد بھی فاتحہ پڑھنے کا جیسا کہ بعض مشائخ کے یہاں دستور ہے معمول نہیں تھا۔"

دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، ہوزن ظہر کے اول وقت اذان دیتا، آپ وضو کر کے سنت زوال پڑھتے، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر کسی حافظ سے ایک پارہ یا کم و بیش سنتے، اور اگر درس ہوتا تو درس دیتے، نماز عصر بھی مثلین ہو جانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب تک اصحاب و خدام کے ساتھ سکوت و مراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے، نماز مغرب کی سنت کے بعد اوابین ادا کرتے، کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نماز عشاء شفق ابیض کے زوال کے بعد فوراً پڑھ لیتے، وتر کی دعائے قنوت میں احناف و شوافع کی دعائے قنوت کو جمع کر کے پڑھ لیتے، نماز وتر کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر کبھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے، آخر زمانہ میں شاذ و نادر یہ دو رکعتیں پڑھیں، وتر کے بعد دو سجدے جو متعارف میں نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے اور ادعیہ مانورہ پڑھنے میں مشغول ہو جاتے درود کثرت سے پڑھتے، خاص طور پر شب جمعہ اور روز جمعہ، شب دو شنبہ اور روز دو شنبہ تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے، نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے، یا جن آیات یا تعجب و تنہام آید،

اس کا انداز و لہجہ پیدا ہو جاتا، نماز میں تمام سنن و مندوبات اور آداب کی رعایت فرماتے،
نیتہ الوضوء اور نیتہ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے
ادانہ کرتے، لوگوں کو شب عاشور یا شب قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے
منع فرماتے۔

مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، زیارت
قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے بعض اعلیٰ دینی کتابوں (مثلاً تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری
مشکوٰۃ المصابیح، فقہ، و اصول و کلام میں ہدایہ، بزدوی، موافقت اور نصوت میں عوارف العوارف
کا درس دیتے لیکن اس میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال نہ ہوتا، اخیر عمر میں درس سے اشتغال کم
رہ گیا تھا، طلباء کو تحصیل علوم دینی کی تاکید فرماتے، اور تحصیل علم کو سلوک و طریقہ پر مقدم رکھنے،
کثرت سے حمد و استغفار کرتے اور کھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے، مہینے سے کم ختم قرآن نہ کرتے، خود حافظ قرآن تھے اس لئے
غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے، افطار میں جیسا کہ
احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس کا اہتمام فرماتے۔

ادائے زکوٰۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذر آتی تو حولان حول یا سال
گزرنے کا انتظار نہ کرتے، ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے، اور ان میں
اہل اصلاح، بیوگان اور اہل قرابت کو ترجیح دیتے، حج کا کئی بار عزم مصمم فرمایا، لیکن نوبت نہ آئی
ہمیشہ اس شوق میں رہے اور اسی شوق میں اس دنیا سے سفر کیا۔

اخلاق و تواضع اور خلق الشریفیت، رضا و تسلیم کی خواہش درجہ پر پہنچی ہوئی تھی،

آپ کے اعزہ اور اہل تعلق کو ظالم حاکموں سے بڑی ایذا پہونچی لیکن تسلیم و رضا سے کام لیا، اور کبھی اس کی شکایت زبان پر نہیں آئی، اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے، اور صدر مجلس میں اس کو جگہ دیتے، اور اسی کے ذوق و مناسبت کی باتیں کرتے غیر مسلموں کی تعظیم خواہ وہ حاکم ہوں اور جاہ و اقتدار رکھتے ہوں نہیں کرتے تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، یاد نہیں آتا کہ کسی نے سلام میں آپ سے سبقت کی ہو، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے۔ کسی کے انتقال کی خبر آتی تو متاثر ہوتے اور کلمہ ترجیع (انا لله وانا الیہ راجعون) پڑھتے، اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے، اور دعا و ایصالِ ثواب فرماتے۔

”آپ کا لباس ایک کرتہ جس کے دونوں کاندھوں پر چاک ہوتا تھا، اس کے اوپر ایک عبا لیکن گرمیوں میں اکثر کرتہ ہوتا، دستار سر پر پیٹ لیتے، جیسا کہ سنت ہے، اور شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان پٹھ پڑا ہوتا (سوائے استنجا اور قضا کے حاجت کے وقت) پانچ ماہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، جمعہ اور عیدین میں لباس فاخر پہنتے تھے، جب نیا جوڑا زیب تن کرتے تو پہلا کسی خادم یا عزیز یا مہمان کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ ستر آدمیوں کے قریب ہمیشہ علماء، عارفین، مشائخ، حفاظ و شرفاء و سادات میں سے رہتے تھے، اور سب کو آپ ہی کے مطبخ سے کھانا پہونچتا تھا۔“

حلیہ مبارک

شیخ بدرالدین سرہندی نے جو حضرت کے خلفاء میں ہیں اور سترہ سال آپ کی صحبت میں رہے، حضرات القدس میں آپ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے :-

حضرت کا رنگ گندم گوں مائل بہ بیاض تھا، پیشانی اور رخسار پر ایسا نور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، کشادہ ابرو تھے، ابرو کمان کی طرح جھکی ہوئی، دراز سیاہ اور باریک آنکھیں فراخ اور کشادہ جن میں سیاہی کی جگہ بہت سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت سفیدی، بینی مبارک بہت باریک، لب سرخ نازک، دہانہ دراز نہ کوتاہ، دانت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، اور نعل بدخشاں کی طرح چمکتے ہوئے، ڈاڑھی گھنی، باوقار، دراز و مربع تھی، رخساروں پر ریش مبارک کے بال حد سے بڑھے ہوئے نہیں، میانہ قد، نازک اندام تھے۔

اولادِ امجاد

حضرت مجدد کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے، ان میں دو صغیر سنی میں حضرت کی حیات ہی میں فوت ہو گئے، شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، اور شیخ محمد اشرف جو زمانہ شیرخوارگی میں داغ مفارقت دے گئے، فرزند کلاں خواجہ محمد صادق تکمیل علوم و سلوک کے بعد ۱۰۲۵ھ میں پچیس سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے، تین صاحبزادگان عالی قدر خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، اور خواجہ محمد یحییٰ، رونق بخش حیات رہے، ان چاروں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا۔

ایں سلسلہ از طلائے ناب ست

ایں خانہ تمام آفتاب ست

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو دیکھ کر بلند الفاظ فرمائے تھے، اور ”جو اہر علویہ“ اور

”شجرہ طیبہ“ سے تعبیر کیا، اور فرمایا تھا ”فقراء باب اللہ اند دلبائے عجیب دارند۔“

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادق، حضرت مجدد کے سامنے ہی درجہ کمال پہنچ گئے تھے۔

حضرت نے ان کے متعلق بڑے بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اور ان کی اعلیٰ علمی و باطنی استعداد کی شہادت دی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "فرزند عزیز فقیر کے معارف کا مجموعہ اور جذب و سلوک کے مقامات کا صحیفہ ہے۔"

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ^{رحمۃ اللہ علیہ} میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۲ ہجری الآخرہ ^{۱۸۵۵ء} میں راہی ملک بقا ہوئے، انھوں نے بھی حضرت مجدد کے سلسلہ کی اشاعت اور اہل ارادت و اہل طلب کی تعلیم و تربیت میں خاصہ حصہ لیا۔

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم تھے جو اپنے والد نادر کے علوم کے حامل و شارح، رازدار و امین اور خلیفہ و جانشین تھے، آپ سے طریقہ مجددیہ اور اس کی تعلیم و اثرات کی ایسی عالمگیر اشاعت ہوئی کہ کہنے والے نے صحیح کہا ہے۔

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

منور از فرد غش ہند تا روم

دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی (اور جس کی مسند ارشاد پر اپنے اپنے وقت میں خواجہ سیف الدین، مرزا منظر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی اور حضرت شاہ احمد سعید متکلم رہے) آپ ہی کے سلسلہ کی تھی، اسی خانقاہ سے مولانا خالد رومی کردی حضرت شاہ غلام علی صاحب سلسلہ کوئے کرشام و ترکی پہونچے جن کا سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں شہر شہر اور گھر گھر پھیل گیا۔

۱۷ مکتوب ۲۷۷ دفتر اول، فضائل و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ص ۳۰۳-۳۰۶

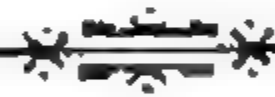
۱۸ آپ کے حالات و کمالات کے لئے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات ص ۳۰۸-۳۱۵

۱۹ ملاحظہ ہو ان کے مناقب میں علامہ شامی صاحب شرح درمختار کی کتاب سئل المحام البندی نعمۃ مولانا خالد نقشبندی (باقی صفحہ ۱۸۴ پر)

آپ کے مکاتیب ہر سہ اجزاء "مکتوبات امام ربانی" کی ایک طرح سے شرح اور تفصیل اور علوم و نکات کا ایک خزانہ ہے، آپ کے حالات و کمالات کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔
سفینہ چاہئے اس بحر سیراں کے لئے

سلطان محی الدین اورنگ زیب کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا، اور آپ ہی کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین نے اس کی سلوک میں تربیت کی، آپ نے اس کو ہندوستان کا مسلمان حکمران بنے اور اکبری اثرات سے پورے طور پر پاک کرانے کے لئے تیار فرمایا تھا، اور آپ اس کو اپنے مکتوبات میں "شہزادہ دین پناہ" کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۹۷۷ھ میں ہوئی اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو۔
پوتھے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے، امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال کی تھی، تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی، وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔



(باقی صفحہ ۱۸۳ کا) اس وقت بھی اس سلسلہ کے مشائخ شام و عراق، ترکی اور کردستان میں جو وہیں راقم سطور نے ان میں سے

متعدد کی زیارت کی ہے ان میں شیخ ابراہیم غلامی، شیخ ابوالخیر میدانی، شیخ محمد بہان، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ کتاب کے آخر میں آپ کا مستقل تذکرہ (ترتیبہ انخواطر) سے ماخوذ و مقتبس ملاحظہ ہو۔

۲۔ بھوپال کے حضرت شاہ روؤف احمد اور ان کے پوتے حضرت شاہ پیر ابوالاحد اور ان کے پڑپوتے حضرت شاہ

محمد یعقوب انہی کی اولاد میں ہیں۔

باب پنجم

حضرت مجدد کے دائرہ "تجدید" کا مرکزی نقطہ

نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جنکی گیارھویں صدی (جس سے الف ثانی ہزارہ دوم کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے، اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے

لے جس پر کتاب کے پہلے دو ابواب میں اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے۔

لے سنن ابی داؤد کی مشہور روایت ہے "ان الله عز وجل يبعث لهذه الامة على رأس كل مئة سنة من يبعث دلها دينها" (اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا) (ابوداؤد وغیرہ) اس حدیث کی شرح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب جامع المجددین (از مولانا

عبد الباقی ندوی) پر مولانا سید سلیمان ندوی کا فاضلانہ مقدمہ ص ۱۶-۲۴

کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔
یہ کام کیا تھا؟ روح و فکر اسلامی کی جلاوطنی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدبآ
اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتقاد اعتماد
بحال کرنا، ریاضت و اشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدا رسی کی
کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو، ہمراہی
اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو و مبالغہ اور اشاعت و مقبولیت
کے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار
پیدا ہو رہا تھا، اور اس کے متوازی "وحدۃ الشہود" کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں
پیش کرنا، بدعات (جنہوں نے ایک مستقل تشریح کی شکل اختیار کر لی تھی) کی کھلی ہوئی تردید
و مخالفت حتیٰ کہ "بدعت حسنہ" کے وجود سے بھی انکار اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے
اکھڑتے ہوئے قدموں کے جانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان
میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجہ میں ایک
طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوئے، دوسری طرف حکیم الاسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی
اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویج کتاب و
سنت ان کی تفہیم و ترجمانی، اور ان کے سلسلہ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ و
تربیت باطنی، اصلاح عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد دینی اعلیٰ
کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شجر اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا،
بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (باخصوص علم حدیث) اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا۔

لیکن اس عظیم وسیع تجدیدی دائرہ عمل کا نقطہ مرکزی اور حضرت مجدد کا وہ اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا جس کو ان کے سارے تجدیدی کارناموں پر اولیت و فوقیت حاصل ہے؟ لوگوں نے اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اس کا جواب دیا ہے۔

وللناس فیما یحشون مذاہب

ان میں تین گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ایک گروہ جو کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لئے دوبارہ بازیاب کیا، اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود میں جلانے کے بجائے دوبارہ محمد علی صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حجازی کی تولیت و نگرانی میں دیا، اور اس کو گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کی اہم صدی میں اس انجام اور حشر سے بچا لیا جو اس کا تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ہونے والا تھا، بلکہ درحقیقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس ہمہ گیر اعتقادی، ذہنی، اور تہذیبی ارتداد کے فوری خطرہ سے محفوظ کر دیا جو اکبر کی جیسی باعزم اور قوی الارادہ شخصیت اور اس کے یگانہ روزگار شیروں (علامہ بارک، فیضی اور ابوالفضل) کی ذہانت سے ایک امر واقعہ بن کر سامنے آگیا تھا، یہ معنوی و روحانی انقلاب اور یہ ذہنی و تہذیبی ارتداد اس سیاسی زوال اور اقتدار کے خاتمہ سے کہیں زیادہ سنگین، دیرپا اور دور رس تھا، جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کی نوخیز غیر مسلم طاقتوں کے ابھرنے سے اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریزوں کے تسلط اور اقتدار سے پیش آیا، شاید اقبالؒ نے اپنے اس شہور شعریں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

۲۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُر از اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ انداز اور اس وقت و ضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، اور سلوک و طریقت کے حلقہ میں شریعت سے استغناء و بلکہ کہیں کہیں انحراف اور ریاضت و مجاہدہ اور باطنی حواس اور طاقتوں پر کئی اعتماد کا جو فتنہ شروع ہو گیا تھا، اور جس کا (جوگ اور سنیاں) کا ایک اہم مرکز ہونے کی بنا پر ہندوستان سب سے بڑا نشانہ تھارک گیا، اور ان کے بعد پھر کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ "شریعت و طریقت کے کوچے الگ الگ ہیں" اور طریقت پر شریعت کے پیرے نہیں بٹھائے جاسکتے۔

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے "وحدۃ الوجود" کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی، اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے اس سیلاب کو روک دیا، بلکہ اس کا منہ پھیر دیا جس نے آخری صدیوں میں پوری علمی و روحانی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور جس کے خلاف کسی پڑھے لکھے آدمی کا لب کشائی کرنا بھی اپنی جہالت کا ثبوت دینا اور نصف النہار میں دن ہونے کا انکار کرنا تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنے معرکہ الآراء مضمون "ہزارہ دوم" یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ میں صحیح لکھا ہے کہ۔

"وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی فنی نکتہ نوازیوں یا شریعت و طریقت کی تالیانہ و

صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح دل مل گئے ہیں کہ آج حضرت قدس سرہ العزیز کو

مجدد العثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی امر مہم پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔^۱

نبوت محمدی اور اس کی ابدیت اور ضرورت پر اعتقاد کی بحالی

لیکن حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کی تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں، اور دریائیں کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں، وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر امت میں اعتقاد و اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجتہد نے انجام نہیں دیا، شاید یہ اس لئے بھی کہ اس کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور اس کے خلافت کوئی منظم تحریک یا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سد باب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرہ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نکل لینے کے لئے تیار تھے، ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں، جنہوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلافت کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا، اور اعلان کیا تھا کہ "نبوت محمدی کا ایک ہزار سالہ دور ختم ہوا، اور اب نئی رہائی

۱۔ تذکرہ امام ربانی مجدد العثانی قدس سرہ، مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص ۲۔

۲۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وضاحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے یہاں ملتی ہے، خاص طور پر ان کی جلیل نقد کتاب "النبوات" اور "نقص المنطق" اور "الرد علی المنطقیین" میں، لیکن وہ چیز بھی اشارات و اجال

سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ نکل مقام مقال۔

اور زندگی کی تشکیل جدید اور آئین سازی کا وہ دور شروع ہونے جا رہا ہے جس کی اساس عقلیت و فلسفہ پر ہوگی جس کی قیادت محمود پیچوانی اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں اور جس کا مرکز ایران و ہندوستان ہوگا۔ ان فتنوں میں کبر کا "دین اکبری" اور "آئین جدید" بھی شامل ہے، جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا، دینی زندگی، اعمال و عبادات، اور معاشرہ و تمدن کی وہ دینی بدعات بھی داخل ہیں، جو ایک متوازی شریعت بنتی جا رہی تھیں، اور جن کی ایک مستقل "فقہ" مدون ہو رہی تھی، اور وہ بھی درحقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے لئے ایک چیلنج اور منصب شریع کی مدعی تھی۔

اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے، جو اپنے داعیوں اور علمبرداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا، اور جس کے متعلق اس کے غالی معتقدین بھی اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالاعلان تبلیغ کی، اور آپ نے صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام نے اپنے بعد کے لوگوں کو اس کی دعوت دی، یہ فلسفہ اور دعوت بھی نبوت کی پیش کی ہوئی دعوت، اس کی واضح تعلیمات اور اس کے مقاصد کا (دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر) حریف بنتی جا رہی تھی اور اس کو جس قدر کامیابی حاصل ہوتی تھی، اور اس کی جڑیں دل و دماغ اور اسلامی معاشرہ میں پیوست ہوتی جاتی تھیں، احکام شریعت پر عمل کرنے، اسلام کے واحد دین حق اور ذریعہ نجات ہونے کے عقیدہ میں ضعف پیدا ہوتا اور اتحاد و زندہ حریت و اباحت تعطل و بے عملی کے لئے راہیں کھلتی تھیں، خواہ اس کے محتاط و متقی قائل صوفیہ و مشائخ خود شریعت کے کتنے ہی پابند اور اس کا کتنا ہی احترام

کرتے ہوں اور اس طرز عمل کے کتنے ہی مخالف ہوں۔

اس ضمن میں فرقہ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے اور جو امام کی ایسی تعریف کرتا ہے اور اس کے ایسے صفات و خصوصیات بیان کرتا ہے جو اس کو قریب قریب نبی کا ہمسرو مساوی بنادیتی ہیں، اسی طرح صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے متعلق ایسی رائے رکھتا ہے جس سے ذات نبوی کی تاثیر صحبت اس کی انقلاب انگیزی اور لیبیا اثری پر دھبہ آتا ہے اور جو *هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ* کے منافی ہے، اس فرقہ کے اثرات مختلف سیاسی و علمی وجوہ سے ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہے تھے، اور مسلم معاشرہ (جس کی

لے فرقہ امامیہ کی معتبر کتابوں سے "امام" کے بارے میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "امام ظاہر و باطناً معصوم عن الخطا و ظاہر و مظهر ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اس کے ہاتھوں حجرات کا ظہور ہوتا ہے اس کو متعلقات شریعت کا علم محیط (جس سے کوئی چیز خارج نہیں) علم لدنی کے طور پر حاصل ہوتا ہے اور وہ قیامت تک الشریک حجت کے طور پر ہر زمانہ میں ظاہر ہوگا، (مقتبس از کتاب الشافی للشریفات المتفنی، تلخیص الشافی للطوسی، واصل الشیعۃ و اصولہا للعلامة الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء)۔

علامہ محمد ابو زہرہ اپنی فاضلانہ کتاب تاریخ المذاهب الاسلامیہ (ج ۱) میں ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فرقہ امامیہ کے تمام علماء اس پر متفق ہیں ان کے نزدیک امام کے مرتبہ کے نبی کے مرتبہ کے قریب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں انھوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ "وہی" اور "نبی" میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہی "پر وحی نہیں آتی" (ص ۵۹) سورہ جمعہ آیت ۲ (ترجمہ) وہ پاک ذات جس نے ناخواندوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (ان کے اخلاق و نفوس کو) سنوا زنا اور بناتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اکثریت سنی العقیدہ تھی) اس کے عقائد تصورات افکار و خیالات اور رسوم و عادات سے گہرے طریقہ پر متاثر ہو رہا تھا۔

اس طرح انھوں نے "نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید" کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری اور پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی و ایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجا کئے تھے، ایک تیر سے ان سب فتنوں کو شکار کیا، جن کا مسلمانوں کا ذہن طبقہ نشاۃ بنا ہوا تھا۔

عقل و کشف کا غیبی اور مابعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکار رہنا مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل و کشف دونوں کو غیبی "اوراء عقل علوم، ذات و صفات الہی کی صحیح معرفت" لاریبی علم اور قطعی الثبوت حقائق کے یقینی ادراک سے عاجز اور قاصر ثابت کیا، اور یہ کہ ان کے حاصل کئے ہوئے نتائج شک و شبہ اور خطا لغزش اور غلط فہمی سے مبرا نہیں، اللہ کی معرفت صحیح انبیاء ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جس طرح "عقل" کا مرتبہ "حواس" سے "اوراء" ہے، اسی طرح "نبوت" کا مرتبہ "عقل" سے "اوراء" ہے، خدا کی تعظیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، معرفت الہی میں عقلائے یونان نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، اور مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں، جس طرح عقل خالص اور عقل مجرد کا وجود نہیں، کشف خالص اور کشف مجرد بھی، (جو اندرونی خواہشات اور خارجی اثرات سے محفوظ ہو) نہایت دشوار بلکہ عقدا صفت ہے، اور اہل اشراق و صفائی نفس نے اسی طرح ٹھوکریں کھائی ہیں، اور وہم و جہالت کا شکار ہوئے ہیں، جیسے مدعیان عقل و فلسفہ، عقل و اشراق دونوں حصول یقین

لے مصر افلاطونیت جدید (NEO PLATONISM) کا بڑا مرکز تھا جس میں فلاطینس (PLOTINUS) پارفری (PARPHYRY)

پراکلس (PROCLUS) وغیرہ پیدا ہوئے اور ایک نئے مذہب "افلاطونیت جدیدہ" کی بنیاد پڑی۔

اور وصول الی الشرح کے لئے ناکافی ہیں، بعثت ہی الشرح کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔

انھوں نے اعلان کیا کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں، اور وہ بھی داخلی عقائد و مسلمات اور خارجی عوامل و اثرات سے متاثر ہوتی ہے، اور اس کے بہت سے فیصلے اور نتائج ان خارجی رنگوں سے رنگین و مزین ہو کر سامنے آتے ہیں، جو اس کے اندرون و بیرون میں پائے جاتے ہیں، انھوں نے ثابت کیا کہ عقل حجت ہونے میں ناقص ہے، حجت کامل انبیاء کی بعثت ہے، بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن ہی نہیں۔

انھوں نے صفائی نفس اور صفائی قلب میں حد فاصل قائم کی اور دونوں کا فرق بتایا، انھوں نے ثابت کیا کہ انبیاء کی رسالت کا تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے، انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا نبوت کا انکار ہے، انھوں نے اس نکتہ کی وضاحت کی کہ مخالف عقل ہونا اور چیز ہے اور ماوراء عقل ہونا اور چیز۔

مجدد صاحب کی یہ تحقیقات جو عقل و کشف دونوں پر مبنی ہیں، اور جن میں تائید الہی اور مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کیا ہوا نور شامل ہے، علمی و روحانی دنیا میں ہلچل ڈال دینے والے، فکر و عقل کا ایک نیا دروازہ کھولنے والے، عقلی و علمی دنیا کے بہت سے رائج الوقت سکوں کو کھوٹا ثابت کرنے والے، نبوت و شرائع سماویہ کی صداقت و عظمت کا اعلان کرنے والے، اور ان پر از سر نو اعتماد بحال کرنے والے علوم و معارف اور ایک ایسا تجدیدی و انقلابی اور علمی و تحقیقی کارنامہ ہے، جو تنہا اس وقت کے نظام تعلیم، علمی ماحول اور دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ ان میں وہ باتیں کہی گئی ہیں جن میں بعض تک فلسفہ اور فکر کی دنیا صدیوں کے بعد پہنچی ہے، اور جن کی صداقت پر بالآخر علم اور روحانی

تجربہ نے ہر تصدیق ثابت کر دی ہے، یہ محض اس تائید الہی اور ہدایت ربانی کا کرشمہ تھا، جس نے ان کو ہزارہ دوم کے آغاز پر تجدید دین اور نبوت و شریعت محمدی کے دفاع کے لئے انتخاب کیا، اور اس اخلاص، حمیت دینی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کا فیض جس پر وہ شروع سے کامزن تھے۔

اس اجمالی کی تفصیل اور ان اشارات کی توضیح کے لئے اس پس منظر اور صورت حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس میں ان تحقیقات کی قدر و قیمت پورے طور پر واضح ہوگی۔

بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ

دین و دنیا کے اہم ترین اور اولین سوالات جن کے صحیح جواب پر اس زندگی کی درستی اور صحیح انتظام اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، یہ ہیں کہ دنیا کا بنانے والا کون ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے، اور ہمارا اس سے کیا اور کیا تعلق ہونا چاہئے؟ اس کی پسندیدگی اور خوشی کی چیزیں کیا ہیں اور ناپسندیدگی اور ناراضگی کی کیا؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے، اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

ان سوالات کے جواب کی تفصیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال، عالم کے حدوث و قدم، آخرت، جنت، دوزخ، وحی اور فرشتوں کے وجود کی بحث اور بعض وہ دوسرے مابعد الطبیعیاتی مباحث پیش آجاتے ہیں، جو عقائد اور مذہب کے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب اور ان مسائل کے حل کے عموماً دنیا میں دو تجربے کئے گئے ہیں ایک

عقلی دوسرا اشراقی، پہلے کا نتیجہ فلسفہ ہے، اور دوسرے کا نتیجہ اشراقی تصوف۔

لیکن اصولی اور تنقیدی حیثیت سے دونوں تجربے اور کوششیں بنیادی طور پر غلط اور چند ابتدائی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں، مکتوبات کے اقتباسات سے پہلے تمہید کے طور پر اس کی مختصر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔
عقل محض اور کشف خالص کی تنقید کا انقلابی کارنامہ

عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (الکشف) و تحقیق اور استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے، اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج ہے، اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے، اور اپنے ذخیرہ معلومات اور مبادی و مقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کر کے وہ اس نتیجہ تک پہنچے جو اس کو ابھی تک حاصل نہیں تھا، اور محض جو اس و تجربہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہوگی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انہیں حقیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہنچتی ہے، جو بلا کسی عقلی اور علمی ترتیب کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے جو اس قطعاً کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس کے پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو، اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ و تجربہ نہ ہو، اور جہاں قیاس کی بنیادی موجود نہ ہو، وہاں اس کی عقل و ذہانت اور اس کا قیاس کب کام کر سکتا ہے؟ وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا، اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہن آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا اور وہ اس کے حروف تہجی

(ALPHABET) سے بھی نا آشنا ہے کتنا ہی ذہین اور جلیس (عبقری) ہو اور ہزار عقل و قیاس اور عرق ریزی سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا، بعینہ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اس کے مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت اور اس کا عمل محدود ہے، اس کا ایک دائرہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جاسکتی جس طرح انسان کے ہوا اس کے علاحدہ علاحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے، حائث بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کر سکتا، اسی طرح دوسرے ہوا اس، پھر اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرہ عمل میں بھی ان ہوا اس کی قوت اور ان کا عمل غیر محدود نہیں۔

اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان ہوا اس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے لیکن بہر حال محدود ہے ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ میں :-

”عقل ایک صحیح ترازو ہے اس کے فیصلے یقینی ہیں جن میں کوئی دروغ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید اور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الہی“ اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے، یہ لا حاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پیازوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی ہون نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی وہ اثر اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔“

تیسری بات یہ ہے کہ عقل میں پوری بے آمیزی اور اس کے فیصلوں اور نتائج میں مکمل غیر جانبداری بہت مشکل ہے، اہل حقیقت جانتے ہیں کہ ”عقل خالص“ اور عقل مجرد سے زیادہ عقدا صفت چیز دنیا میں مشکل سے کوئی ہوگی، جذبات و خواہشات، ماحول، خاص تعلیم و تربیت مخصوص اعتقادات و نظریات، وہم و خیال، سہو و نسیان کے اثر سے وہ مشکل سے آزاد ہوتی ہے اس لئے اس کے فیصلوں میں ہمیشہ صداقت اور اس کے نتائج میں قطعیت پیدا ہونا اتنا آسان اور عمومی نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ فلاسفہ نے ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موضوع کے تعین میں غلطی کی اور خدا کی ذات و صفات اور اس کے متعلقات پر بلا کسی سامان و اسباب اور بلا کسی علم و روشنی کے ایسی تفصیل و تدقیق اور ایسے وثوق و علم سے بحث کی جو ماہر کیمیا اپنے کیمیاوی تجربوں اور تحلیل و تجزیہ کے بعد کرتا ہے ان کے یہ مباحث و تحقیقات تمام تر فرضیات تخمینیات اور خیالی طلسمات کا مجموعہ ہیں، اور محض قیاس برقیاس پر مبنی ہیں، یہ ”الہیات“ کا ایک اچھا خاصہ ”طلسم ہوشربا“ اور ”فسانہ عجائب“ ہے جس کا کچھ نمونہ آئندہ آئے گا۔

اس عقلیت و فلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش ہے جس کا نام ”اشراق“ ہے اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے عقل، علم اور برہان و استدلال مفید نہیں، بلکہ مضربیں، صداقت و حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک اندرونی حالت کو پیدا کرنے سے ممکن ہے جو روحانیات اور ماوراء طبعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری تاںکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں، اور یہ حالت اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب مادیت

کو بالکل فنا اور جو اس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے، خالق کی تحصیل اسی خالص و بے آمیزی

عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضتوں، نفس کشی، مراقبہ اور تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان میں یہ حاستہ باطنی موجود ہے، ممکن ہے ایسے اور دوسرے اس بھی ہوں لیکن بہر حال یہ ایک انسانی حاستہ ہی ہے اسی طرح کمزور اور محدود، خطا پذیر اور متاثر ہونے والا، جس طرح انسان کی ساری طاقتیں اور انکشاف علم کے سارے ذرائع، اس کے محسوسات اور مشاہدات میں بھی غلطی اور خود فریبی ہوتی ہے، جیسے دوسرے اس کے نتائج میں ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل اشراق و مشاہدہ کے مکاشفات و تحقیقات میں وہ عظیم الشان تعارض و تناقض اور بڑے بڑے اہم مسائل میں لغزش اور غلط روی ممکن نہ ہوتی جو غیر مسلم اور مسلمان اشراقیوں کے یہاں ملتی ہے۔

بہر حال عقل کی طرح اس "عقل خاص" کا خالص ہونا بھی بہت مشکل ہے اس پر بھی اسی طرح خارجی اثرات اور ظاہری اور باطنی چیزوں کا عکس اور پرتو پڑتا ہے اور یہ آئینہ بھی حقیقت کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا، اشراقیوں کے ماحول، ان کے عقائد و مسلمات کا ان کے مشاہدات پر یہی اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے حکماء اشراق کو اپنے کشف و مشاہدہ میں بہت سے ان یونانی اور مصری اوہام و خیالات کی تائید نظر آتی تھی جن کا کوئی سرچرہ نہ تھا اور بہت سے ایسے مفروضات حقیقت بن کر نظر آتے تھے جن کا عالم خارجی میں کہیں وجود نہیں ہے۔

پھر جس طرح مندرجہ بالا سوالات فلسفہ کے موضوع و حدود سے خارج ہیں، اسی طرح

۱۔ تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب تمدن" باب اول عنوان "اشراقیت"۔

۲۔ ملاحظہ ہو "مذہب و تمدن"۔

اشراق کے حدود سے بھی اس سے صرف عالم ارواح کے اسرار و عجائبات کی سیر ہوتی ہے، کچھ صورتیں نظر آتی ہیں، کچھ رنگ نظر آتے ہیں، کچھ آوازیں سنتے ہیں، آتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے منشا کا تفصیلی علم، اس کے قوانین شریعت، عالم آخرت کی منزلیں، اور اس کے احوال سے وہ اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح عام انسان۔

درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے، دونوں حقیقت کو اپنی کوشش سے پیغیروں کے واسطہ کے بغیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، منزل و نوا کی ایک ہے، طریقہ سفر مختلف ہے، ایک ہوا میں اڑ کر (خیالی پرواز سے) وہاں پہنچنا چاہتا ہے، اور ایک کسی مخفی زمین دوز راستہ سے (روحانی طریقہ سے)۔

لیکن حقیقت اور علم کا لب لباب یہ ہے کہ یہ حقائق پیغیروں کے واسطہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے، جن کو اللہ منصب رسالت سے سرفراز فرماتا ہے، ان کو اپنی ذات و صفات اور ملکوت السموات والارضین، زمین و آسمان کی بادشاہی کا سب سے بڑا علم بخشا ہے، اور اپنی پسندیدگی اور اورنا پسندیدگی اور احکام کا براہ راست علم عطا کرتا ہے، اور ان کو اپنے اور انسانوں کے درمیانی واسطہ بناتا ہے، ان کی رسالت و نبوت دنیا کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، ذات و صفات الہی کا جو عظیم الشان علم وہ بلا رحمت اور بلا قیمت عطا کرتے ہیں، اس کے ایک ذرہ کو بھی ہزاروں برس کی فلسفیانہ غور و فکر اور بحث و استدلال اور سالہا سال کے مجاہدہ و مراقبہ و تزکیہ نفس سے نہیں حاصل کیا جاسکتا: ذالک من فضل اللہ علینا و علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون۔

یہ بالکل صحیح فرمایا کہ و لکن اکثر الناس لا یشکرون، فلاسفہ اور حکماء اشراق اس نعمت نبوت کی ناقدری و ناشکری کرتے ہیں، اور ان حقائق تک اپنی محنتوں سے پہنچنا

چاہتے ہیں، جن سے اللہ نے ان کو مستغنی کیا تھا، ہزاروں برس کی ان کاوشوں اور مجاہدوں کا نتیجہ وہ متعارض و متناقض اور مضحکہ خیز اقوال و تحقیقات ہیں جو الہیات کا سرمایہ ہیں، اور جنہوں نے اپنے مشتغلین اور متبعین کو خدا سے بجائے قریب متعلق کرنے کے خدا سے اور زیادہ دور اور اس کی ذات و صفات سے نا آشنا اور اس سے بیگانہ اور مستغنی کیا.....

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحْلَوْا فَاْوْمَهُمْ ذٰلِكَ الْبَوَارُ

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و روحانیت دونوں کو چوں سے اچھی طرح واقف ہیں، دوسری طرف علوم نبوت کے وارث اور وحی رسالت کے مرتبہ شناس ہیں، آپ نے حکماء اور اشراقیوں کے اس طرز عمل کی بڑی مبصرانہ تنقید کی ہے، جو آپ کی جامعیت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے، یہ بحث آپ کی تجدید کا مرکزی و بنیادی شعبہ ہے اس لئے کہ پوری شریعت الہی اور پورے نظام دینی کی بنیاد اسی بحث کے فیصلہ پر ہے کہ علم قطعی اور حصول یقین کا ذریعہ اور حتمیہ اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اپنے آغاز و انجام اور اپنی فلاح و نجات کے ضروری علم کا صحیح مأخذ کیا ہے؟ آیا وہ غور و فکر اور عملی بحث و استدلال (جس کا نائندہ فلسفہ ہے) یا اندرونی روشنی، نفس کشی... صفائی اور مشاہدہ اور علم جو باطنی جو اس اور روحانی طاقتوں سے حاصل ہوتا ہے جس کو حکمت اشراق کہتے ہیں، یا ان دونوں کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی تقلید انسان پر ایمان یہی وہ نقطہ آغاز ہے، جہاں سے راستے ایک دوسرے سے کٹ کر تین مختلف سمتوں کی طرف جاتے ہیں، اور جو آگے جا کر پھر کہیں نہیں ملتے اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِیْ ذٰلِکُمْ وَصَآلَتُہُمْ بِتَعَلُّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اس سلسلہ میں مجدد صاحب کے قلم سے جو نادر تحقیقات اور اعلیٰ علوم و معارف نکلتے ہیں

اور ان کے مکتوبات کے ضخیم دفتر میں منتشر ہیں، ان کا ترجمہ مختلف عنوانوں کے ماتحت پیش کیا جاتا ہے۔

عقل کا عجز صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں

”اس الشکر کا شکر ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات و صفات کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ سے اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہے اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے ذہنی اور اخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرما دیا ہے اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کا رخانہ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں در ماندہ ہوتیں، اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچانے میں عاجز و ناکام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے، عالم کے بنانے والے کے منکر تھے اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں نمرود کا مباحثہ حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ”فرعون بد بخت کہتا تھا“ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي“ (اے اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم و معبود کا علم نہیں) نیز اس نے حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کر کے کہا ”لَيْسَ إِلَٰهًا غَيْرِي“ (اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم

ٹھہرا یا تو میں تم کو بھی قیدی بنا دوں گا) ہامان سے اسی بد بخت نے کہا ”یا ہامان ابن لی صرماً لعلی
 ابلغ الأسباب السبب فاطلع الى الرب موسى و الى لاظننا کاذباً“ (اے ہامان میرے لئے
 ایک اونچا محل تیار کر تا کہ میں پہونچوں رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانک دیکھوں موسیٰ کے
 معبود کو اور میں تو اس کو خیال کرتا ہوں بھوٹا) خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے
 ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرکار استہ پانے
 سے عاجز ہے!

معرفت الہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں

خالق و مدبر کائنات کے وجود جس کو فلاسفہ یونان مبداً اول کے نام سے یاد کرتے ہیں،
 اور اس کے عمل خلق اور کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق ان فلاسفہ نے جو عقلی موثکافیاں
 کی ہیں، اور تخیلات و مفروضات کا جو نقشہ تیار کیا ہے، اور پھر اس ہوائی بنیاد پر جو فلک لوس
 عمارتیں تعمیر کی ہیں، ان کی تشریح و تفصیل تو فلسفہ کی کتابوں میں اور ان پر تبصرہ و تنقید عقائد و
 علم کلام کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

لیکن حضرت مجدد کے افکار و علوم عالیہ کے سمجھنے کے لئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان
 تخیلات و مفروضات کی تردید میں جو محض یونانی ذہن کی تخلیق اور قوت تخیلہ کی ایجاد ہے،
 ان کے قلم میں اتنا زور اور ان کے بیان میں اتنا جوش کیوں پیدا ہو جاتا ہے، عقل فعال کا جو
 فلاسفہ یونان کے نزدیک درحقیقت عالم کی مدبر اور کائنات کے اندر موثر ہے ”نسب نامہ“
 پیش کر دیا جاتا ہے، جو ان حکماء نے جو بزرگ کیا ہے اور جس پر انھوں نے سارے خلق و امر کی

بنیاد رکھی ہے، اس کے ایک ایک لفظ پر موافق اور مخالف دلائل کا انبار ہے، لیکن یہاں صرف
فہرست شجرہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

”مبدأ اول (واجب الوجود) چونکہ تمام وجوہ سے واحد ہے اور یہ مسلم ہے کہ واحد سے صرف
واحد کا صدور ہو سکتا ہے اور عالم مختلف چیزوں سے مرکب ہے اس لئے اس کا صدور اس سے
نہیں ہو سکتا، اس کے وجود سے اس کے بلا ارادہ و اختیار اور علم عقل اول کا اس طرح فیضان
ہوا جس طرح چراغ سے روشنی کا فیضان ہوتا ہے اور انسان کے ساتھ سایہ ہوتا ہے عقل اول
ایک ایسا موجود ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے نہ تو وہ جسم ہے اور نہ کوئی جسم اس کا محل ہے
اس کو اپنے نفس کی معرفت ہے اور اپنے مبدائی بھی، اس کا نام خواہ فرشتہ رکھا جائے خواہ عقل
اول، خواہ کچھ اور اس کے وجود سے تین چیزیں لازم آتی ہیں، عقل ثانی اور فلک علی (یا فلک الافلاک)
(جو نواں آسمان ہے) کا نفس اور اس فلک کا جرم، پھر عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک کو اکب کا
نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر اس عقل ثالث سے عقل رابع اور فلک زحل کا نفس اور اس کا
جرم وجود میں آیا، پھر عقل رابع سے عقل خامس اور فلک مشتری کا نفس اور اس کا جرم وجود میں
آیا، پھر عقل خامس سے عقل سادس اور فلک مریخ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سادس سے
عقل سابع اور فلک شمس کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل سابع سے عقل ثامن اور فلک ہرہ کا نفس
اور اس کا جرم وجود میں آیا، پھر عقل ثامن سے عقل تاسع اور فلک عطارد کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا،
پھر عقل تاسع سے عقل عاشرا اور فلک قمر کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا، یہی عقل خیر ہے جس کا نام عقل فعال ہے
اس سے فلک قمر کا حشو لازم آیا جو ایک مادہ ہے، جو عقل فعال اور طبائع افلاک کے اثر سے
کون فساد کو قبول کرتا ہے، پھر ان مواد میں کو اکب کی حرکات کے سبب مختلف طرح کے
امتزاج ہوتے ہیں جن سے معادن، نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں، یہ عقول عشرہ

اور افلاک تسعہ ہیں۔

یہ دراصل یونانیوں کا وہ علم الاصنام ہے جس کا نام انھوں نے فلسفہ اور الہیات رکھ دیا اور لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور مباحثہ شروع کر دیا یا محض فرضی داستان گوئی اور افسانہ آرائی ہے جس پر بے اختیار قرآن کی یہ آیت یاد آتی ہے۔

مَا أَشْهَدُ تَهُمُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلَا خَلَقَ أَنْفُسَهُمْ وَمَا كُنْتَ مُتَّبِعًا
الْمُضِلِّينَ عَصَاةَہ

میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر اور
خود ان کی پیدائش پر گواہ نہیں بنایا اور میں
گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے

(الکہف ۵۱) والا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ نے (اس نقشہ کو نقل کرنے کے بعد) سچ لکھا ہے کہ ”یہ محض دعاوی و حکمت ہیں، بلکہ درحقیقت ”ظلمات فوق ظلمات“ تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں، اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب ہی دیکھنا بیان کرے تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں ”مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ عقلاء جو اپنے خیال میں مخلوقات میں بال کی کھال نکالتے ہوں۔“ ان فلاسفہ نے اللہ سے تمام صفات کمال اور تمام مخلوقات کی خلق و صنعت کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و غیر مختار ثابت کیا اور یہ سب اپنے نزدیک ذات واجب الوجود کی تعظیم و تنزیہ کے لئے کیا، امام غزالیؒ اس موقع پر بے اختیار ہو کر لکھتے ہیں:-

”جو اس پر قانع ہو کہ اللہ کے بارے میں اس کے قول کا حاصل یہ مرتبہ ہو تو اس نے اس کو

ہر اس موجود سے بھی زیادہ حقیر قرار دیا جس کو اپنے نفس کا بھی شعور ہے اس لئے کہ جس کو دوسرا

اور اپنا شعور ہوگا وہ اس مرتبہ میں بلند ہوگا جس کو اپنے سوا کسی چیز کا شعور نہ ہو، تعظیم میں یہ موشگافی ان کو یہاں تک لے گئی کہ انھوں نے عظمت کے تمام معانی اور مفہومات کو باطل کر دیا اور اس کو ایسے مردہ کے درجہ کو پہنچا دیا جس کو کچھ خیر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، بس صرف اتنا فرق ہے کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو یہ بھی نہیں ہوتا) اللہ اس طرح لوگوں کو سزا دیتا ہے، جو اس کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں، اور ہدایت کے راستہ سے کترا کر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قوں مَا أَشْهَدُ تَهُمُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر گواہ نہیں کیا) کے منکر ہیں، جو اللہ کے ساتھ براگمان رکھتے ہیں، جن کا اعتقاد ہے کہ امور ربوبیت کی حقیقت و گہرائی کو انسانی طاقتیں پورے طور پر پاسکتی ہیں، جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں جن کا خیال ہے کہ عقل کے ہوتے ہوئے انبیاء اور ان کے تابعین کی تقلید کی ضرورت نہیں، اس کا لامحالہ نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے مقولات، کالب باب وہ نکلا، اگر خواب کے طور پر بھی بیان کیا جائے تو تعجب ہو!

ان سب چیزوں کو دیکھ کر نعمت رسالت کی قدر آتی ہے کہ مَا كُنَّا لِنُفْقِدَ لَوْ لَا اَنْ مَدَّ اَنَا اللّٰهُ نَقْدُ جَاءَتْ رُسُلٌ بَيْنَا بَالِحَتِي“ یہ عقل کی بے بسی اور عقلاء و حکماء (جن کی حکمت و عقل علوم ریاضیہ اور علوم علمیہ میں کامیاب ہوئی) کی ان مسائل الہیہ میں ناکامی کا پُر عبرت نمونہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف کس طرح ان چیزوں کی نسبت کی جن کی نسبت وہ اپنی طرف اور حقیر ترین مخلوقات کی طرف پسند نہیں کرتے اور اس کو کس طرح معطل، بے اختیار اور لاعلم قرار دیا، اور اس کو اس کی تعظیم کا عین تقاضا سمجھا: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“

اب حضرت مجدد کے مندرجہ ذیل ارشادات پر نظر ڈالئے جو ان کے مختلف مکاتیب سے اقتباس کئے گئے ہیں فرماتے ہیں:-

”عقل اگر معرفت الہی کے مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدی بنایا ہے مگر اہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے، اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار و معطل سمجھ لیا اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے اس کو کسی چیز کا فاعل اور خالق نہیں مانتے اور وہ بھی (ان کے خیال کے مطابق) اس سے اضطرار نہ کہ اختیار اور وجود میں آئی ہے، انہوں نے اپنی طرف سے عقل فعال تراشی ہے، حوادث کو زمین و آسمان کے خالق سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اثر کو موثر حقیقی سے روک کر اپنی تراشیدہ چیز (عقل فعال) کا اثر مانتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک معلول علت قریبہ کا نتیجہ ہوتا ہے، علت بعیدہ کے لئے معلول کے حصول میں وہ کوئی دخل و اثر نہیں مانتے، اور اپنی نادانی سے ان اشیاء کی اللہ کی طرف نسبت نہ ہونے کو اللہ کی صفت کمال جانتے ہیں، اور اس کو بیکار و معطل ماننے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کو خود زمین و آسمان کا خالق کہتا ہے، اور ”ذَبَّ الْمَشْرِقِ وَ ذَبَّ الْمَغْرِبِ“ کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔

ان بے عقلوں کو اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج نہیں، اور نہ اس کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے، مجبوری اور ضرورت کے وقت چاہئے کہ یہ اپنی ”عقل فعال“ کی طرف رجوع کریں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں، اس لئے کہ اصل قدرت اور اصل اختیار ان کے نزدیک اسی کا ہے، بلکہ عقل فعال بھی ان کے خیال کے مطابق اپنا عمل کرنے میں مجبور اور غیر مختار ہے، اس لئے اس سے بھی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہنا غیر معقول بات ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَامُوْنِيْ لَهُمْ (ان کافروں کا کوئی سر پرست اور کارساز نہیں) ان کا بھی کوئی حامی و ناصر نہیں، خدا بھی نہیں اور عقل فعال بھی نہیں، عقل آخر کیا چیز ہے جو چیزوں کا انتظام کرتی ہے اور حوادث کے ظہور و خلق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، محض اس کے ثابت ہونے اور اس کی ہستی میں ہزاروں اعتراض و کلام ہیں، کیونکہ اس کا ثبوت و وجود محض فلسفہ کے گڑھے ہوئے مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے قواعد صحیحہ کی رُو سے نامکمل اور ناقص ہیں، کوئی احمق ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر و مختار جل شانہ سے ہٹا کر اسے محض ایک فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کرے گا، بلکہ خود ان چیزوں کو اس بات سے ہزار ہزار تنگ و عار ہے کہ وہ اپنے خلق میں فلسفہ کی ایک تراشی ہوئی بے حقیقت چیز کی طرف منسوب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اپنے نابود ہونے پر راضی و مسرور ہوں گی، اور ان کو موجود ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوگی، اس بات کے مقابلہ میں کہ ان کے وجود کی نسبت ایک بے حقیقت فرضی شئی کی طرف ہو اور وہ قادر و مختار کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہو جائیں (قرآن مجید میں ہے) کَبُوْنُ كَلِمَةً فَخُجُوْ مِنْ اٰفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، یہ محض جھوٹ کہتے ہیں) دارا عفر کے کافر اپنی بت پرستیوں کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے مشکل کے وقت التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اس کے حضور میں شفاعت کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف

حکماء کا ان لقب دینا جن کا سر یا یہ چل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں البتہ طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے؟

عقل خالق دینی کے ادراک میں نا کافی ہے

”اس الشکر کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی اور ہم کو ہدایت نہیں ہو سکتی تھی اگر الشکر خود ہماری ہدایت نہ کرتا، بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے، انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بھیجنے کے احسان کا شکر کس زبان سے بجا لایا جائے، اور کس دل سے اس محسن کا اعتقاد کیا جائے اور وہ اعضاء و جوارح کہاں ہیں کہ اعمال حسنہ کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی مکافات کی جائے اگر ان حضرات کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ہم کو تاہم فہم انسانوں کو زمین و آسمان بنانے والے کے وجود اور اس کی یکتائی کی طرف کون رہنمائی کرتا، متقدمین فلاسفہ یونان باوجود اپنی ذہانتوں کے زمین و آسمان کے بنانے والے (جل شانہ) کے وجود کی طرف راستہ نہ پاسکے، اور کائنات کے وجود کو انھوں نے دہر (زمانہ) سے منسوب کیا اور جب روز بروز انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی دعوت روشن ہوتی چلی گئی، متاخرین فلاسفہ نے ان انوار کی برکت سے قدام کے مذہب کی تردید کی اور صالح جل شانہ کے وجود کے قائل ہو گئے اور اس کی توحید کا بھی اقرار کیا پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی امداد کے بغیر اس کام سے بے بس اور ہمارا فہم انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے وجود کے توسط کے بغیر اس معاملہ سے دور ہے؟

۱۷ مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

۱۸ مکتوب ۲۵۹ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عید۔

نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے

”نبوت کا طریق عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے جن امور کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان کا ثبوت نبوت کے طریق سے ہوتا ہے، اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کس لئے مبعوث ہوتے ”صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین“ اور آخرت کے عذاب کو کیوں ان کی بعثت کے ساتھ وابستہ کیا جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا“ (ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کسی پیغمبر کو نہ بھیجیں) عقل اگرچہ حجت ہے، لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور اپنے حجت ہونے میں کامل نہیں ہے، حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے اور اس نے مکلفین کی زبان عذر بند کر دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الْبَرَاءَةِ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“ (پیغمبر بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے، انبیاء کی بعثت کے بعد اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے) جب بعض مسائل میں عقل کے ادراک کا حجز اور کوتاہی ثابت ہو گئی پس تمام احکام شرعیہ کو عقل کی ترازو میں تو لانا مستحسن نہیں، ہمیشہ ان مسائل و احکام کو عقل سے مطابق کرنے کی کوشش اور اس کی پابندی عقل کے کافی ہونے کا فیصلہ کرنا ہے اور نبوت کے طریق کا انکار اللہ ہم کو اس پناہ میں رکھے!

عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الہیہ کی دریافت

کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں

حیرت انگیز بات یہ ہے (جس کی تائید الہی اور اعلیٰ درجہ کی سلامت فکر کے سوا کوئی

توجیہ ممکن نہیں) کہ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں جب ساری دنیا

پر اور خاص طور پر ایران اور ہندوستان پر فلسفہ و حکمت کی اس تعلیم کے اثر سے جس کا انحصار

فلسفہ یونانی پر تھا اور جس نے افلاطون و ارسطو کو مقام تقدس اور درجہ عصمت تک پہنچا

دیا تھا، دماغوں پر عقلیت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ مقدمات عقلیہ سے منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو

ثابت کر دینے پر اور فلاسفہ یونان نے جن چیزوں کو بدیہی اور قطعی بتایا ہے، ان کا نام

لے لینے کے بعد زبانیں گنگ اوزنگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں، بلکہ پرستار ان حکمت و عقلیت

ان مزعومہ "حقائق" کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

مجدد صاحب نے (ہمارے علم میں کم سے کم علماء اسلام میں) پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی

کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا جسم عنصری کے تعلق اور ماحول میں پھیلے ہوئے اوہام و

تخیلات، عقائد و مسلمات نیز باطنی رجحانات اور اسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد

ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق و صفائی نفس کی رفاقت و مدد بھی

حاصل ہو تب بھی اس کا باطنی و خارجی اثرات تعلیم و تربیت اور معاشرہ یا ماحول میں

جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کر لیا ہے، ان کے اثر سے آزاد ہو کر حقیقت

نفس الامری تک پہنچنا اور بے لاگ فیصلہ صادر کرنا "اشاذ کالمعدوم" کا حکم رکھتا ہے

اور جس کا کچھ اعتبار نہیں، مجدد صاحب کی تحقیق اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر

زور دینا یہ اس عہد اور ان کے ماحول کے لحاظ ہی سے نہیں، بلکہ علمی و فکری دنیا میں ایک دریافت اور ایک ایسا انقلابی اور جرأت مندانہ اعلان ہے جس کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر ابھی تک نہیں کیا گیا، حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کو بحث و تحقیق اور شرح و تفصیل کا موضوع بنایا جاتا۔

عجیب تو ارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دو سو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی ایمنول کانٹ (IMMANUEL KANT. 1724-1804) نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول، ورثہ اور عادات و معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا اس نے عقل کے حدود کی جرأت و وضاحت کے ساتھ تعین کی اور ۱۷۸۱ء میں اپنی معرکہ الآراء کتاب ”تنقید عقل محض“ (CRITIQUE OF PURE REASON) شائع کی جس نے دنیا کے فکر و فلسفہ میں لہلہ ڈال دی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ میں ”روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا“ مغرب میں اس کے اس کارنامہ کی عظمت کا شاندار طریقہ پر اعتراض کیا گیا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کا سب سے بڑا عطیہ تھا، تاریخ فلسفہ جدید کا مصنف ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈینگ اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”یہ کتاب فلسفہ کا ایک غیر فانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گریوں میں انگشت رہنما کا کام کیا“

۱۔ اس کتاب کا ترجمہ جو اصل جرمن زبان میں تھی، ”تنقید عقل محض“ کے نام سے ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور کامیاب مترجم ڈاکٹر سید حامد حسین صاحب نے کیا، اور انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔

THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM. P. 5 ۵۲

۵۲ تاریخ فلسفہ جدید ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جلد دوم ص ۳۸

کانٹ کے نزدیک فکر اپنا عمل ادا عالی طور پر شروع کرتا ہے اسے غیر ارادی طور پر اور اکثر سادہ لوحی سے اپنے قویٰ اور اپنے مفروضات و مقدمات کی صحت پر اعتماد ہوتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میں تمام مسائل کو حل کر سکتا ہوں اور کائنات کی کنہ تک میری رسائی ہو سکتی ہے..... اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تعمیرات فکر افلاک تک نہیں پہنچ سکتیں اور ہندسوں میں ان کے نقشوں کے متعلق اتفاق رائے نہیں ہو سکتا یہ تشکیک کا زمانہ ہے اس نے دیکھا کہ ابھی ایک ایسا کام باقی ہے جسے ادعائیں اور تشکیکین دونوں نے نظر انداز کر دیا تھا وہ یہ کہ ہم اپنی عقل اور اپنے علم کی ماہیت کے متعلق تحقیق کریں اور دریافت کریں کہ ہمارے اندر فہم اشیاء کے لئے کس قسم کے صورت قوی پائے جاتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم کہاں تک جاسکتے ہیں۔

اب اس کے بعد ایک مسلمان عالم و مفکر کا جو ہندوستان کے محدود علمی و مدرسی ماحول میں رہا اور جس نے حکمت و فلسفہ کے بجائے علوم نبوت اور معرفت و رضائے الہی کے حصول کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا عقل خالص کی تنقید میں فلسفہ کے پیچ و خم سے دور رہتے ہوئے عام فہم و دل نشین بیان پڑھے۔ مجدد صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ عقل اپنی ذات سے اگرچہ احکام الہی میں ناقص و ناتمام ہے مگر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ صفائی نفس اور تزکیہ کے بعد عقل کو ایک مناسبت اور ذات الہی سے ایک بے کیف اتصال پیدا ہو جائے جس کے ذریعہ سے وہ وہاں سے احکام اخذ کرے اور بعثت کی ضرورت ہو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے نہ پڑے۔

تحریر فرماتے ہیں:-

” (جواب) عقل خواہ وہ مناسب و اتصال پیدا کرے مگر جو تعلق وہ جسم عنصری سے رکھتی ہے وہ کلیۃً زائل نہیں ہوتا اور مکمل آزادی و بے آمیزی وہ نہیں پیدا کر سکتی و اہمہ ہمیشہ اس کا مانگیر رہتا ہے اور تخیل اس کے خیال کو کبھی نہیں چھوڑتا، غصہ اور خواہش کی قوتیں سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں اور جس و ہوس کی صفات مذہوم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، بھول چوک جو انسان کے لوازم میں سے ہے اس سے علیحدہ نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو اس زندگی کے خواص میں سے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے پس عقل اعتماد کے لائق نہیں اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام و ہم و تصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں اور بھول چوک کی آمیزش اور غلطی کے شہ سے محفوظ نہیں، بخلاف فرشتہ کے جو ان صفات سے پاک ہے اور ان نقائص سے بری پس لا محالہ وہ اعتبار کے لائق ہے اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام و ہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و غلطی کے شہ سے محفوظ ہیں، بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ وہ علوم جن کو اس نے روحانی اخذ و تحصیل کے ذریعہ حاصل کیا ہے، قوی اور جو اس تک ان کو پہنچانے میں بعض ایسے مقدمات جو اس کے نزدیک مسلم ہیں (لیکن غیر واقعی ہیں) اور وہ ہم و خیال یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں) بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ اس وقت بالکل اس کی تمیز نہیں ہونے پاتی، دوسرے وقت کبھی اس کا امتیاز عطا ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا پس لا محالہ ان علوم میں ان مقدمات کی شمولیت کی وجہ سے غیر واقعیت اور عدم صداقت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اعتبار کے لائق نہیں رہتے۔“

اہل اشراق و صفائی نفس

حصول یقین علم صحیح تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس اور اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی تنظیم اور صالح تمدن کی تعمیر کا ایک بے خطا اور معصوم ذریعہ قدیم زمانہ سے اشراقیت و روحانیت کو سمجھا گیا، زمانہ قدیم میں مصر و ہندوستان اس کا بہت بڑا مرکز تھے، اس تحریک کے فروغ اور اس کی ہر دلعزیزی میں وہ رد عمل بھی کام کر رہا تھا، جو ایک طرف غالبانہ عقل پرستی دوسری طرف مجنونانہ حواس پرستی کے خلاف یونان و روم میں پیدا ہو گیا تھا، اور بالآخر اس نے اسکندریہ (مصر) کو جو مشرقی و مغربی عقلیت و مذاہب کا سنگم تھا اپنا مرکز بنایا۔

اس فلسفہ اور تحریک کے داعیوں اور پیروؤں کا کہنا یہ ہے کہ حصول یقین و علم صحیح کا سب سے بڑا ذریعہ مشاہدہ ہے، اور وہ نور باطن صفائی نفس اور باطنی حواس کو بیدار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، حقائق کا حصول اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے، جو ریاضت، مخالفت نفس اور مراقبہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر یہ قول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر جو اس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹا حاستہ (باطنی) عمل کرنے لگتا ہے، اور اس کے نتائج (مشاہدات) غیر مریئی الوار غیر مجموع اصوات اور پہلے سے غیر معلوم حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ حاستہ انسان کے دوسرے حواس کی طرح محدود اور غلطی و غلط فہمی میں مبتلا ہونے والا نہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کے نتائج میں تعارض و تضاد کا وجود اور شک و احتمال نہ پایا جاتا، لیکن اشراقیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس حاستہ باطنی کے محسوسات اور وہ جن نتائج و عقائد

تک پہنچاتا ہے، ان میں اسی طرح سے تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ فلاسفہ یونان اور مشرق کے حکماء و عقلمین میں پایا جاتا ہے، اشراقیت قدیم کو چھوڑ کر (جس کی تاریخ محفوظ نہیں) اشراقیت جدیدہ (NEO - PLATONISM) کو لے لیجئے اس کے پیشواؤں کے مذہبی عقائد پر مرتب ہونے والے اعمال میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے، پلاٹینس (PLOTINUS) اپنے زمانہ کے مذہبی نظام اور مروجہ عبادات کا قائل نہیں، اور آزاد مشرب فلسفی ہے، جو عمل کے بجائے تفکر اور مراقبہ پر زور دیتا ہے، لیکن اس کا شاگرد رشید پارفری (PORPHYRY) ایک زاہد خشک صوفی ہے، PLOTINUS انسانی روح کے جانوروں کے حیون میں ظاہر ہونے کا قائل ہے، بسکس PORPHYRY اس کا منکر ہے، اس مسلک کا تیسرا نامور پیشوا پراکلس (PROCLUS) پوپے مصری روم، دینی و مذہبی تقریبات کا پابند تھا، اور دن میں تین دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا، اس کا مذہب مختلف مذاہب و اعتقادات کا مجموعہ مرکب تھا، اور یہ سب اہل مشاہدہ اور یقین تھے۔

PORPHYRY نے مسیحیت کی مخالفت کی اور رومی بت پرستی اور جاہلیت (PAGANISM) کے احیاء کی تحریک میں شہنشاہ روم کی تائید کی، اور اس کو نور باطن نے شرک و بت پرستی کے اس ڈوبتے ہوئے جہاز کے ساتھ اپنی قسمت و البتہ کر دینے سے روکا نہیں۔

مسلمانوں میں بھی جن کو اشراق اور قوت کشفیہ پر پورا اعتماد تھا، ان کے باطنی محسوسات و کشوفات میں بھی بکثرت تعارض ملتا ہے، ایک صاحب کشف دوسرے صاحب کشف سے اختلاف کرتا ہے، اس کے کشف کو امر واقعی کے خلاف بتاتا ہے، اور بھی اس کو سکرا و غلبہ حال پر مہمول کرتا ہے، عقول (جن کا ذہن اور کتب فلسفہ کے علاوہ) کہیں وجود خارجی نہیں، ان سے یہ اہل کشف مصافحہ کرتے ہیں، اور ان سے اپنی ملاقات ثابت کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، تصوف

کی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول

ان مسلمان اہل اشراق میں چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کا اشراقی حکیم شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی (۵۲۹-۵۸۷) معروف بالمقتول خاص شہرت رکھتا ہے، جو اپنے مخالف اسلام اور انتشار انگیز عقائد و خیالات کی بنا پر الملک نظاماں کے حکم سے ۵۸۷ء کو قتل کیا گیا، وہ اپنے کو مشائی و صوفی کہتا تھا، اس کے یہاں مشائی تصورات کے ساتھ بقول (S. V. DEN BERGH) "وہ سارا متصوفانہ فلسفہ موجود ہے جو مسلمانوں نے یونانی نظریہ تطبیق، معتقدات اور اتحاد مذاہب کے اخذ کیا" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مذکورہ بالا مقالہ نگار کے بقول "در اصل یہ نوافلاطونی نظریہ نور ہے، جس کو اشاعہ کی بنیادی حقیقت تصور کیا جاتا ہے۔"

شہر زوری لکھتے ہیں "وہ دونوں فلسفے یعنی فلسفہ ذوقیہ (اشراقیہ) اور فلسفہ بحثیہ (فلسفہ مشائخہ) کا جامع تھا" اس کی اہم کتاب حکمت الاشراق ہے، جس کی شرح علامہ قطب الدین شیرازی نے کی اور وہ "شرح حکمت الاشراق" کے نام سے علمی و درسی حلقوں میں مشہور ہے۔ شیخ الاشراق کے نزدیک عقول کی تعداد دس میں محدود نہیں بلکہ ہر نوع کے لئے ایک عقل ہے، جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شیخ الاشراق ان کو انوار مجرہ کہتا ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک آسمان ایک زندہ مخلوق ہے، اس میں نفس مجرہ پایا جاتا ہے، جو اس کو حرکت دیتا ہے، وہ عدم و فساد سے محفوظ ہے، آسمان میں نفس ناطقہ پایا جاتا ہے اس لئے اس میں جو اس بھی پائے جاتے ہیں، اس کے نزدیک کل آسمان ایک زندہ مخلوق ہیں، اور انوار عالیہ یعنی عالم مجرد آکا

اثران پرستاروں کے ذریعہ سے پڑتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے قوائے جسمانیہ حرکت میں آتے ہیں۔
 سب سے بڑا ستارہ سورج ہے، اشراقیین کے مذہب میں اس کی تعظیم واجب ہے، عالم کائنات
 میں بالذات وبالواسطہ نور ہی نور کی حکومت ہے، حرکت و حرارت نور سے پیدا ہوتی ہے، اور
 آگ میں یہ دونوں اوصاف اور عناصر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں جس طرح نفس عالم ارواح
 کو روشن کرتا ہے، اسی طرح آگ عالم اجسام کو روشن کرتی ہے، خدا نے ہر عالم میں اپنا ایک خلیفہ
 مقرر کیا ہے، عالم عقول میں عقل اول، عالم افلاک میں ستارے اور ان کے نفس ناطقہ، عالم
 عناصر میں نفوس بشریہ اور ستاروں کی شعاعیں اور آگ بالخصوص (رات کی تاریکی میں) اس کے
 خلیفہ ہیں یعنی اس کی اصلاح و تدبیر کرتی ہے، خلافت کبریٰ انبیاء کے نفوس کاملہ کو حاصل
 ہوتی ہے، خلافت صغریٰ آگ سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ تاریک راتوں میں وہ انوار علویہ اور
 ستاروں کی شعاعوں کی قائم مقامی کرتی ہے، غذا اور خام چیزوں کو پختہ کرتی ہے شیخ الاشراق
 کے نزدیک عالم قدیم ہے زمانہ ازلی وابدی ہے، وہ تناسخ کا قائل نہیں لیکن اس کا انکار
 بھی نہیں کرتا (کیونکہ اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل تسلی بخش نہیں ہیں)

اس طرح اپنے وقت کا ممتاز اشراقی حکیم جس نے مشرق میں شیخ الاشراق کا لقب پایا
 اور جس کی ذہانت، تبحر علمی اور زہد و تجرد اس کے معاصرین کو بھی تسلیم ہے، اس کو اس کی اشراقیت
 و صفائی نفس، یونانی مفروضات اور ایرانی و مجوسی مزخرفات کے اختیار کرنے سے باز نہیں رکھ
 سکی، وہ بعثت مجددی اور اس پر مرتب ہونے والی ہدایت، فلاح دینی و دنیوی اور معرفت صحیحہ سے
 محروم رہا، اس نے ایک غیر متوازن، انتشار و اضطراب سے بھری ہوئی ناکام زندگی گزاری اور
 وہ اپنے پیچھے ہدایت اور نفع خلائق کا کوئی نظام چھوڑے بغیر دنیا سے رخصت ہوا۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حکماء اسلام ج ۲ از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم۔

عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں

کانٹ (KANT) نے عقل خالص کے وجود میں بہت شبہ ظاہر کیا ہے، اور ثابت کیا کہ اس کا بے آمیز اور اندرونی و بیرونی اثرات سے آزاد ہونا تقریباً ناممکن ہے، لیکن وہ کشف و علم باطنی کی دنیا سے نا آشنا تھا، اس لئے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا، مجدد صاحب نے جو اس دریا کے بھی خواص تھے ایک قدم آگے بڑھ کر کشف خالص اور الہام خالص کے مشکل اور نادر الوجود ہونے پر مفصل روشنی ڈالی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اشراق اور صفائی نفس کے ذریعہ بھی ان غیبی حقائق اور لاریبی علوم تک رسائی ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی بعثت کے راستہ سے عوام و خواص کو حاصل ہوتے ہیں، اس طرح بعثت کے بغیر نہ وصول الی المرتبہ ہوتا ہے نہ حصول نجات، نہ حقیقی تزکیہ اس سلسلہ میں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پڑھئے:

”ان نادانوں (حکماء) کے ایک گروہ نے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے راستہ کی پابندی کے بغیر صوفیہ الہیہ (جو ہر زمانہ میں انبیاء کے پیرو اور تبع رہے ہیں) کی تقلید میں ریاضت اور مجاہدہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر قریب کھایا، اور اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیا، اور اپنے خیالی کشف و کشوف کو اپنا مقتدی بنایا، صلوٰہا ضلوا“

(خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) یہ نہیں جانتے کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راستہ دکھاتی ہے، نہ کہ صفائی قلب جو کہ ہدایت کا دریچہ ہے، اس لئے کہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی پیروی سے وابستہ ہے، اور نفس کا تزکیہ (اصلاح و تصفیہ) قلب کی صفائی کے ساتھ مربوط ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفس کی اصلاح و تربیت کرتے قلب جو ذات باری تعالیٰ کے انوار کا مظہر ہے، اس کی ظلمت کے ساتھ نفس جو صفائی پیدا کرے گا اس کا حکم اس چراغ کا سا ہے جس کو اس لئے روشن کیا گیا ہوتا کہ

پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین (اس کی روشنی میں) گھر کو تاراج و برباد کر دے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ نظر و استدلال کے رنگ میں اس وقت اعتبار و اعتماد پیدا کرے گا جب وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تصدیقات کے ساتھ ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ فرماتے ہیں اور اس کی مدد ان کی امداد کرتی ہے ان حضرات کا نظام ایسے ملائکہ کے نزول کی وجہ سے (جو غلطی اور گناہ سے محفوظ ہیں) دشمن لعین کے کمرے محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ **إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ** (بے شک میرے خاص بندے تیرا (اے ابلیس) ان پر کوئی زور نہیں) اور یہ بات دوسروں کو عیسائی نہیں اور اس لعین کے نامبارک حال سے ان کی رہائی متصور نہیں سوائے اس کے جو ان حضرات کی پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے ۵

محالست سعدی کہ راہ صفا

تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

”سعدی سلامتی کے راستہ پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر جلیبا محال

ہے“ اللہ کا درود و سلام ہو ان پر اور ان کی آل اور ان کے تمام برادران انبیاء علیہم السلام پر۔

کشف میں آمیزش

”یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کشف کی غلطی ہمیشہ القاء شیطانی ہی کی بنا پر نہیں ہوتی، اکثر ایسا ہوتا

ہے کہ بعض غیر واقعی اور صداقت سے عاری احکام متخیلہ میں جاگزین ہو جاتے ہیں، وہاں

شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا، لیکن (یہ خیالات) خارج میں متحمل ہو کر آتے ہیں، اسی سلسلہ کی

یہ چیز ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں (جو شریعت کے ثابت شدہ مسائل اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوتے ہیں) اس صورت میں القاء شیطانی متصور نہیں ہے، علماء کی تحقیق یہ ہے کہ شیطان آپ کی صورت میں متشکل نہیں ہوتا تو اس صورت میں صرف متخیلہ کا تصور ہوتا ہے جس نے خلاف واقع کو واقع سمجھ لیا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

”نفس خواہ تزکیہ کے ذریعہ نفس مطمئن بن گیا ہو لیکن وہ اپنی صفات سے پورے طور سے بھر نہیں ہوتا اس لئے غلطی کو اس کے اندر بھی راہ پا جانے کا موقع ملتا ہے۔“

فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد

انتا تحریر فرمانے کے بعد آپ فلاسفہ و انبیاء کی تعلیمات کے درمیان اس کھلے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے اور جن میں تطبیق ممکن نہیں اور یہ کہ ان کی عقلی مساعی اور بلند پروازیاں ”کوہ کندن و گاہ بر آوروں“ کے مرادف ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں:-

”فلاسفہ کی عقل ناقص گویا نبوت سے بالکل ضد اور مقابل بسرے پر واقع ہوئی ہے، ابتداءً عالم کے بائے میں بھی اور آخرت کے بائے میں بھی، ان کے مسائل و مباحث انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تعلیمات کے بالکل مخالف ہیں، انھوں نے نہ ایمان باللہ درست کیا نہ ایمان بالآخرت، عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ تمام اہل ادیان“

۱۔ مکتوب ۱: بنام محمد صادق کشمیری۔ ۲۔ مکتوب ۱۴: بنام شیخ مدویش۔

اہل مل کا اجماع ہے کہ عالم حادث ہے، اپنے تمام اجزاء کے ساتھ اسی طرح آسمانوں کے پھٹ جانے، تاروں کے جھڑ جانے، پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، سمندروں کے بیڑنے کے قائل نہیں جس کا بروز قیامت وعدہ ہے، اسی طرح اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور قرآن کی تصریحات کا انکار کرتے ہیں، ان کے تاخرین جو اپنے کو اہل اسلام کے گروہ میں شامل کرتے ہیں، اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر جمے ہوئے ہیں، اور افلاک و کواکب اور اسی طرح دوسری چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، اور ان کے فنا و ہلاک نہ ہونے کے مدعی، ان کی خوراک قرآنی تصریحات کی تکذیب، اور ان کا رزق دین کے اصولی مسائل کا انکار ہے، عجب طرح کے مومن ہیں کہ خدا و رسول پر ایمان لاتے ہیں، لیکن خدا اور رسول نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے، اس سے بڑھ کر حماقت نہیں ہو سکتی، کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ۷

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

فلسفہ چوں کہ اس کے لفظ کا بڑا حصہ "سفہ" (حماقت ہے) اس لئے وہ کل حماقت ہی ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔

اس جماعت نے اپنی عمر ایسے آلہ (منطق) سیکھنے سکھانے میں صرف کی جو فکری غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے، اور اس بارے میں انھوں نے بڑی زحماتیں اٹھائیں، مگر جب ذات صفات و افعال باری تعالیٰ کی بحث کو پہنچے جو مقصد اعلیٰ ہے تو انھوں نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے، اور اس آلہ کو جو غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے، ہاتھ سے دیکر ٹھوکریں کھانے لگے، اور گمراہی کے دشت و بیابان میں بھٹکنے لگے، جیسے کہ ایک شخص برسوں جنگ کے سامان و آلات کو

تیار کرتا رہتا ہے اور عین جنگ کے وقت ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا ہے اور اس سے کچھ بتا نہیں۔
لوگ علوم فلسفہ کو بہت باقاعدہ اور منظم سمجھتے ہیں اور غلطی و خطا سے محفوظ جانتے ہیں
اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ حکم ان علوم کے بارے میں ہوگا جن میں عقل تنہا کافی ہو سکتی ہے
جو یہاں بحث سے خارج ہے اور مالا یعنی (غیر مفید مطلب) کے حکم میں ہے اور آخرت سے
جو دائمی ہے کچھ واسطہ نہیں رکھتے اور نجات اخروی ان سے وابستہ نہیں گفتگو ان علوم
کے بارے میں ہے کہ عقل ان کے ادراک میں عاجز و قاصر ہے اور وہ طریقہ نبوت سے مربوط
ہیں اور نجات اخروی ان سے وابستہ ہے پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:-

”علم منطق جو ایک ایسا علم ہے جو (بعد کے علوم عالیہ کے لئے) ایک آلہ کے طور پر ہے
اور اس کے متعلق لوگوں نے کہا ہے کہ وہ خطا سے حفاظت کرنے والا ہے ان کو کام نہیں آتا
اور مقصد اعلیٰ میں ان کو خطا اور غلطی سے اس نے باہر نہیں نکالا، وہ ان کے کام نہ آیا تو
دوسروں کے وہ کیا کام آئے گا، اور غلطی سے کسی طرح نکالے گا؟

(اللہ تعالیٰ سے اسی کے الفاظ میں دعا ہے) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو
کج نہ کر اس کے بعد تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش بے شک تو بڑا
بخشنے والا ہے۔)

بعض آدمی جو علوم فلسفہ میں کچھ دخل در معقولات رکھتے ہیں اور فلسفیانہ ملمع سازوں
کے فریب میں ہیں اس جماعت کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا ہم سراور
مقابل سمجھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والتسلیمات کی شریعتوں پر مقدم رکھیں، الشہم کو بڑے اعتقاد سے بچائے، تو ہاں حقیقت

ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں، خواہ مخواہ اس بلا میں گرفتار ہوتے ہیں، اس لئے کہ حکمت نام ہے کسی شے کے اس علم کا جو حقیقت واقعی کے مطابق ہو، پس جو علوم (مثلاً انبیاء کی شریعتیں) ان علوم حکمت کے مخالف ہوں گے، وہ ان حکماء کے خیال میں حقیقت واقعی کے خلاف ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء کی تکذیب اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے علوم کی تکذیب ہے، اس لئے کہ یہ دونوں (حکماء اور انبیاء کے) علوم ایک دوسرے سے بالکل مقابل سرے پر واقع ہوئے ہیں، ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے، جو چاہے انبیاء کے دین کا پابند ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے ہو اور اہل نجات میں سے ہو اور جس کا جی چاہے فلسفی ہو جائے، اور شیطان کے گروہ میں سے ہو اور نامراد و ناکامیاب ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا اَحاطَ بِهَمُ سُرَادِقُهَا وَاَنْ تَبْتَغُوا مِنْهَا شَرَابًا يَشْرَبُوْنَ اَوْ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا شَرَابٌ مُّزَقَّقًا (جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے، بیشک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی قناتوں نے ان کو گھیر لیا ہے، اور اگر وہ پیاس سے فریاد کریں گے تو ان کی دادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو گچھے سید کی طرح ہوگا جو منہ کو جلا دے گا اور وہ بری چیز ہوگی) اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی پابندی کی، ان پر اور ان کے برادران انبیاء کرام و ملائکہ عظام پر مکمل ترین اور اعلیٰ ترین درود و سلام ہو:

اے مکتوب میں بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں

”ہم یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ و تزکیہ ان نیک اعمال سے وابستہ ہیں، جو مولیٰ جل شانہ کو پسندیدہ اور اس کے یہاں مقبول ہوں اور یہ بات جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا بعثت پر موقوف ہے، پس بعثت کے بغیر صفائی اور تزکیہ کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی!“

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا

مجدد صاحب بعثت انبیاء و رسل کی ضرورت ہدایت کے لئے اس کے ناگزیر ہونے اور تنہا عقل کے (خواہ وہ کتنی بلند پایہ ہو) ناکافی ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت دنیا والوں کے لئے رحمت ہے اگر ان حضرات کے وجود کا ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اللہ تعالیٰ (جو واجب الوجود ہے) کی ذات و صفات کی پہچان کی طرف کون رہنمائی کرتا، اور اس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے کاموں میں کون امتیاز پیدا کرتا؟

ہماری ناقص عقلیں ان حضرات انبیاء کی دعوت کی روشنی کی مدد کے بغیر اس مطلب سے عاجز اور ہماری ناتمام سمجھ ان حضرات کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس اور درماندہ ہے۔

ہاں عقل ضرور حجت ہے، لیکن حجت ہونے میں نامکمل اور تاثر و تکمیل کے درجہ کو

نہیں پہنچتی حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت ہے جس سے دائمی عذاب و ثواب اخروی وابستہ ہے۔

بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے

”بعثت رحمت ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان حاصل کرنے کا سبب ہے، جو تمام دنیوی و اخروی سعادوں پر مشتمل ہے بعثت کی اسی دولت سے اس بات کا علم و امتیاز ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ کے مناسب شان کیا ہے، اور نامناسب کیا ہے، اس لئے کہ ہماری بے بصیرت اور عاجز عقل جو امکان اور حدوث کے داغ اور نقص سے داغدار ہے اس کو کیا معلوم کہ حضرت باری جو قدیم ہے کون سے اسماء و صفات اور افعال اس کی شان کو مناسب ہیں، جن کا اطلاق کیا جائے اور کون سے نامناسب جن سے احتراز کیا جائے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے نقص کی وجہ سے ہماری عقل کمال کو نقص اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ امتیاز (جو نبوت پیدا کرتی ہے) خاکسار کے نزدیک تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، بڑا بد بخت ہے جو نامناسب اموا و زنا شائستہ اشیاء کی اس ذاتِ الٰہی سے نسبت کرے، بعثت ہی ہے جس نے باطل کو حق سے جدا کیا اور اس میں جو عباد کا مستحق نہیں ہے، اور جو عبادت کا مستحق ہے امتیاز پیدا کر دیا ہے، بعثت ہی کے ذریعہ یہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور بندگان خدا کو قرب الٰہی اور وصال مولیٰ کی سعادت سے مشرف کرتے ہیں، اور اسی بعثت کے ذریعہ مالک جل و علا کے مرضیات کا علم حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور اس کی تمیز ہوتی ہے کہ اس کے

ملک میں کس چیز میں تصرف جائز ہے اور کس میں جائز نہیں، بعثت کے اس طرح کے فوائد بہت ہیں پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت رحمت ہے جو شخص نفس امارہ کی خواہشات کا پیرو ہو کر شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرے، اور بعثت کے احکام و مقتضایہ پر عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہو؟

الشکر کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے

”چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے نواز و تسلسل کی وجہ سے خدا کی طرف (جو زمین و آسمان کا خالق ہے جل شانہ) ان کی دعوت دینے کی شہرت ہوئی، اور ان حضرات کی بات اور پیغام بلند ہوا تو ہر زمانہ کے بے عقل جو صالح عالم کے ثبوت کے بابے میں تردد کرتے تھے، اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار صالح کے وجود کے قائل ہو گئے، اور اشیاء و مخلوقات کو اس کی طرف منسوب کیا، یہ روشنی حضرات انبیاء ہی کے انوار سے ماخوذ ہے اور یہ دولت انبیاء ہی کے خوان نعمت سے ملی ہے، الشکر کا درود و سلام ہو ان پر قیامت بلکہ ابداً تا اب تک۔ اسی طرح وہ تمام منقولات جو ہم تک انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے پہنچانے سے پہنچے ہیں مثلاً ذات الہی کے صفات کمالیہ، انبیاء کی بعثت، ملائکہ کا معصوم ہونا، علیہم الصلوٰت والتسلیمات والبرکات، حشر و نشر، بہشت و دوزخ کا وجود اور جنت کی دائمی راحت و عیش اور جہنم کا دائمی عذاب یہ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کی شریعت خبر دیتی ہے، عقل ان کو پا لینے سے قاصر ہے اور ان حضرات (انبیاء) سے سنے بغیر ان کے ثابت کرنے میں ناقص اور تنہا ناکافی ہے۔“

صحیح ترتیب

”سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر کرنی چاہئے، اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا جانا جائے اور اس کے ذریعہ سے شکوک و شبہات کی تاریکیوں سے نجات میسر ہو، جزا کو پہلے معقول و معلوم کر لینا چاہئے تاکہ سب فروع اور شاخیں بے تکلف معقول و معلوم ہو جائیں، ہر شاخ و ہر فرع کو اصل کے ثابت کئے بغیر معقول بنانا بڑا مشکل ہے۔

اس تصدیق تک پہنچنے اور اطمینان قلب کے حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ ذکر الہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **الَّذِينَ كُفِرُوا بِهِمْ نَظْمَتِ الْقُلُوبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَرْحَبٌ مَّا يَدْرِكُوا التَّوْبَةَ** (یاد رکھو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانہ) غورو استدلال کے راستہ سے اس بلند مقصد تک پہنچنا دور ہے۔ بقول شاعرے

پائے استدلالیاں چوبیس بود

پائے چوبیس سخت بے تکلیں بود

(اہل استدلال کا پاؤں لکڑی کا ہے اور لکڑی کا پاؤں بے قابو و بے ثبات ہوتا ہے)

انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے

”معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء کرام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے ثابت کرنے

کے بعد اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد اس کا شمار صاحب استدلال لوگوں میں ہے۔ اس کا ان حضرات کی باتوں کو بے دلیل ماننا اس وقت (ان کی نبوت کو استدلال کے ساتھ مان لینے کے بعد) عین استدلال ہے، مثلاً ایک شخص نے اصول کو استدلال سے ثابت کر لیا ہے، اس وقت جتنے فروع اس اصل سے پیدا ہوتے ہیں، وہ اسی (پہلے) استدلال کے ساتھ متعلق ہوں گے اور وہ شخص اس اصل کے استدلال کے ساتھ ان تمام فروع کے اثبات میں صاحب استدلال ہوگا "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَذَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى" (اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت پانے والے نہ تھے، اگر ہمیں ہدایت نہ دیتا بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)

انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے

”حساب میزان صراط حق ہے اس لئے کہ سچے خبر دینے والے (علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات) نے اس کی خبر دی ہے، طریق نبوت کے بعض ناواقفوں کا ان کے وجود کو مستبعد سمجھنا درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے کہ نبوت کا طریق عقل کے طریق سے ماوراء ہے، انبیاء کی دی ہوئی سچی اطلاعات کو عقل کے طریق بحث و نظر سے موافق کرنا درحقیقت نبوت کے طریق کا انکار کرنا ہے (ان مسائل ماوراء عقل میں) دار و مدار انبیاء کی باتوں کے بے دلیل ماننے پر ہے۔“

مخالف عقل اور ماوراء عقل میں بڑا فرق ہے

”یہ نہ سمجھیں کہ نبوت کا طریق کچھ عقل کے طریق کے مخالف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ عقل کا طریق (علم و استدلال) انبیاء کی تقلید کے بغیر اس مقصد عالی تک پہنچ نہیں سکتا۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور نارسائی دوسری چیز، اس لئے کہ مخالفت پہنچنے کے بعد متصور ہو سکتی ہے۔“

خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے

”پس انبیاء کے وجود سے چارہ نہیں تاکہ محسن حقیقی جل سلطانہ (جس کی ہستی عقل سے لازماً ثابت و ضروری ہے) کے شکر کے طرف رہنمائی کریں اور ان احسانات کے کرنے والے کی علمی و علمی تعظیم کو اس کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر کریں، اس لئے کہ اس کی تعظیم جو اس کے یہاں سے معلوم نہ کی جائے اس کے شکر کے شایان شان نہیں، اس لئے کہ انسانی قوت اس کے ادراک کرنے سے عاجز ہے، بلکہ بسا اوقات انسان غیر تعظیم کو وہ تعظیم سمجھنے لگتا ہے، اور شکر سے ہجو کی طرف چلا جاتا ہے، اور اس سے اس کی تعظیم کا معلوم کرنا نبوت پر منحصر ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، اولیاء کو جو الہام ہوتا ہے، وہ بھی انوار نبوت سے ماخوذ ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اتباع و پیروی کے فیوض و برکات میں سے ہے۔“

۱۔ مکتوب بنام پیر زادگان خواجہ عبداللہ خواجہ عبید اللہ فرزند ان گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ

۲۔ مکتوب بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

جس طرح عقل کا مرتبہ ہو اس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے

”اور جس طرح سے کہ عقل کا مرتبہ ہو اس کے مرتبہ سے ماوراء ہے کہ جس چیز کا ہو اس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا عقل اس کا ادراک کرتی ہے اسی طرح سے نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ اور مرتبہ سے ماوراء ہے جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا وہ نبوت کے وسیلہ سے ادراک میں آتا ہے جو شخص عقل کے طریقہ کے علاوہ حصول علم کے لئے کوئی اور طریقہ تسلیم نہیں کرتا، وہ فی الحقیقت طریقہ نبوت کا منکر اور ہدایت کا مخالف ہے“

مقام نبوت

یونان کے علوم، حکمت و فلسفہ میں (جو صدیوں تک انبیاء کی دعوت اور نور نبوت سے دور دور برگ و بار لاتے رہے ہیں) شب و روز مشغول رہنے اور اسی کو علم و دانش کا سدرۂ المنتہی سمجھنے، دوسری طرف کتاب و سنت کی رہنمائی اور ان سے ضروری واقفیت اور حدیث و سیرت سے شغف کے بغیر جسمانی ریاضتوں، نفس کشی اور چلہ کشی میں ہمہ تن مہمک رہنے کی بنا پر پچھلی صدیوں میں (جن کا واضح طو پر آغاز آٹھویں صدی سے ہو جاتا ہے) مقام نبوت سے نہ صرف ایک نا آشنائی اور بے اُسی بلکہ ایک طرح کی اجنبیت اور وحشت پیدا ہونے لگی تھی اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور خود سیرت نبوی ان حکماء اور اشراقیین کے سامنے اس طرح آتی تھی کہ یہ نفوس قدسیہ عام انسانوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، شادی بیاہ کرتے تھے، آل و اولاد رکھتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بعض اوقات

انھوں نے تجارت بھی کی، جانور بھی چرائے، جنگلوں میں حصہ لیا، واقعات سے متاثر ہوتے تھے، خوشی کی بات پر خوش ہوتے تھے اور رنج و قلق کی بات پر محزون و غموم ہوتے تھے، ان کے یہاں ایسی عبادات شاقہ تھیں، نہ صوم دائمی، نہ چلہ کشی، جن کا ذکر متوسط درجہ کے اولیاء و متاضیین کے یہاں ملتا ہے، پھر دعوت و تبلیغ رسالت کے کام میں ان کو خلق خدا کی طرف توجہ کرنی پڑتی تھی، جس کے بغیر یہ فریضہ ادا نہیں ہو سکتا، اور ایک توجہ دوسری توجہ سے عام طور سے مانع ہوتی ہے، اس لئے اشراق و روحانیت کے ان حلقوں میں جہاں علوم دینیہ بالخصوص حدیث سے اشتغال نہیں تھا، اور جہاں اولیاء متقدمین اور اشراقیین کے عروج روحانی، تجرید و تفرید کامل اور فنایت و غیبت کے واقعات دن رات و در زبان رہتے تھے، یہ خیال عام ہوتا جا رہا تھا کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے اور یہ کہ ولایت تمام توجہ الی الحق اور انقطاع عن المخلوق کا نام ہے اور نبوت کا موضوع دعوت ہے، جس کا تعلق خلایق سے ہے، ولی "روح حق" ہوتا ہے اور نبی "روح بخلق" اور "روح حق" ہونے کی حالت بہر حال "روح بخلق" ہونے کی حالت سے اعلیٰ و افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت مطلقاً نبوت سے افضل نہیں، جنھوں نے ایسا کہا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے اور نبی جب مشغول بالخالق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے، جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے، لیکن یہ طرز فکر اس پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ مقام ولایت کی عظمت اور اس کے کمالات و ترقیات سے مرعوبیت مسلمانوں کے بھی ایک وسیع دینی حلقہ میں پیدا ہوتی جا رہی تھی، جو امت کے اپنے اصل سرشتیہ نبوت و شریعت کے ساتھ ربط پر اثر انداز ہو رہی تھی، اور یہ ایک خطرہ تھا جس کا مقابلہ مجددین اسلام اور

نابین انبیاء کو کرنا ضرورت تھا۔

ہم اے علم میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے پرزور مدلل اور وجدانگیر طریقہ پر آنکھوں میں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان کے مشہور عارف و محقق صوفی حضرت شیخ شرف الدین بکھینی نے (۶۶۱-۷۸۶ھ) نے آواز بلند کی اور اپنے مکتوبات میں اس کی پُر زور تردید کی، انھوں نے یہاں تک لکھا کہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا ہم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے۔

حضرت مخدوم بہاری کے بعد پھر حضرت مجدد الف ثانی ہی اس علم عظیم اور اس طریقِ قویم کے مجدد اور خاتم ہوئے، انھوں نے اپنے مکاتیب میں ثابت کیا کہ انبیاء کرام اعتقادی، روحانی، ذہنی اور خلقی طور پر اللہ تعالیٰ کی صنعت اور صفتِ جود کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں، ان کو ایسا تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے جس میں کوئی توجہ اور مصروفیت حاجب نہیں ہوتی، اور یہ اس شرح صدر کا نتیجہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان کو خاص کرتا ہے، ان کی عالی ظرفی، قوتِ تحمل، وسعت صدر اور ان کے پیغام اور کام کا (جوان کے سپرد کیا جاتا ہے) تقاضا ”صحود دائم“ ہر وقت کی بیداری، حاضر دماغی اور ہوش ہے، جو اہل ولایت و اہل شکر کو حاصل نہیں، ان کی جہاں سے ابتداء ہوتی ہے، وہ اولیاء کی انتہا ہے، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے، جس کو قرب بالنوافل کبھی نہیں پہنچ سکتا، کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے، اب قارئین مجدد صاحب کی زبانِ قلم سے ان حقائق اور علوم عالیہ کو سنیں:

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”تاریخ دعوت و عزیمت“ حصہ سوم باب دہم ص ۲۹۸-۳۰۲ ۲۔ ایضاً ص ۳۰۲

انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی ہے

”انبیاء تمام موجودات میں بہترین ہیں اور بہترین دولت ان کے حوالہ کی گئی ہے ولایت جزو نبوت ہے نبوت کل ہے لامحالہ نبوت ولایت سے افضل ہو گئی، خواہ نبی کی ولایت ہو خواہ ولی کی پس صحیحی شکر سے افضل ہے اس لئے کہ صحیحی شکر مندرج ہے، جیسے کہ ولایت نبوت میں مندرج ہے، باقی تنہا ہوش و بیداری جو عوام الناس کو رہتی ہے خارج از بحث ہے اس عایانہ صحیح پر ترجیح دینا کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ صحیح جو شکر پر مشتمل ہے، وہ ضرور شکر سے افضل ہے، علوم شریعت جن کا مآخذ و سرچشمہ مرتبہ نبوت ہے، سراسر صحیح ہے، ان علوم کے مخالف جو کچھ ہوگا وہ شکر ہے، صاحب شکر معذور ہے، تقلید کے لائق علوم صحیح ہیں نہ کہ علوم شکر“

النشر ص ۱۰۱ وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی

”بعض مشائخ نے شکر و ستی کے وقت فرمایا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے صاحبوں نے فرمایا کہ اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد ہے تاکہ ولی کی نبی پر افضلیت کا وہم دور ہو جائے، لیکن فی الحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے اس لئے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے، ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے خلق کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی، اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق توجہ خلق سے مانع ہوتی ہے، اور نہ توجہ خلق توجہ حق میں حائل ہوتی ہے، نبوت میں تنہا خلق کی

طرف توجہ نہیں ہوتی کہ ولایت کو (جس کا رخ اور توجہ حق کی طرف ہوتی ہے) ترجیح دی جائے
عیاذ باللہ سبحانہ، تمام تر توجہ خلق عوام کا لالہ انعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے
بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا ارباب فکر کے لئے دشوار ہے، یہ معرفت صاحبِ شفا
اہل ہوش کا حصہ ہے۔ ع

ہنیئاً للأسر باب النعیم نعیمہا

نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ

بعض اہل فکر علم ولایت کو جو فکر کی طرف رخ رکھتا ہے، علم نبوت پر جو صحوکارنگ
رکھتا ہے، ترجیح دیتے ہیں، اسی عالم فکر کا یہ مقولہ بھی ہے کہ "الولاية افضل من النبوة" (ولایت
نبوت سے افضل ہے) اس بنا پر کہ ولایت میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور
نبوت میں خلق کی طرف اور اس میں شبہ نہیں کہ "رو بخلق" سے افضل ہے اور
بعض اس کی توجہ میں کہتے ہیں کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

خاکسار کے نزدیک اپنی طرح کی باتیں دور از کار ہیں، اس لئے کہ نبوت میں خلق ہی
کی طرف توجہ نہیں ہوتی، بلکہ اس توجہ کے ساتھ حق کی طرف بھی رخ ہوتا ہے، صاحبِ مقام
نبوت کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ جو تمام تر خلق کی طرف متوجہ
ہو وہ مدبروں اور برگشتہ لوگوں میں سے ہے۔

"اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے" کے مقولہ کی تردید

"کسی کا یہ مقولہ بالکل بے معنی بات ہے کہ اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے" اول

اولیاء کی ابتداء اور انبیاء کی انتہا سے مراد ان کے نزدیک شریعت ہے، ہاں اس غریب کو چونکہ حقیقت حال سے آگاہی نہیں اس لئے یہ خلافت ظاہریات زبان سے نکالی، ان حقائق کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا، بلکہ اکثر لوگوں نے اس کے بالکل برعکس اظہار خیال کیا ہے، اور یہ بعید از فہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن وہ منصف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بزرگی کا پہلو دیکھتا ہے اور شریعت کی عظمت اس پر مستولی ہے وہ ان دقیق اسرار کو قبول کر سکتا ہے اور اس کو قبول کرنے کو زیادتی ایمان کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔

انبیاء نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے

”اے فرزند سنو! کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں (شہادت توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ حج) پر ہے، اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت ہے، اس لئے قلب کی تصدیق کی بھی دعوت دی، اور قلب کے ماوراء کو نہیں چھیڑا اور اس سے بحث نہیں کی، اور اس کو مفاد میں شمار نہیں کیا، دیکھو بہشت کے عیش، دوزخ کی تکلیفیں، دولت دیدار اور محرومی کی بے دلتی یہ سب عالم خلق سے وابستہ ہیں، عالم امر کو ان سے تعلق نہیں۔“

نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے

”اسی طرح فرض، واجب اور سنت کے اعمال کی ادائیگی کا تعلق قالب سے ہے، جو عالم خلق سے ہے، جو عالم امر کا حصہ ہے وہ اعمال نافلہ میں سے ہے، جو قرب ان اعمال کی

ادائیگی کا ثمرہ ہے، وہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے پس لامحالہ جو قرب اداء فرائض کا ثمرہ ہے، وہ عالم خلق کا حصہ ہے، اور جو قرب ادائے نوافل کا ثمرہ ہے وہ عالم امر کا حصہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ نفل کا فرض کے مقابلہ میں کوئی شمار و حساب نہیں، اس کو وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے، بلکہ نفل کو سنت کے مقابلہ میں بھی یہی نسبت ہے اگرچہ سنت فرض کے درمیان بھی قطرہ و دریا کی نسبت ہے، اس بات سے دونوں قرب کا باہمی تفاوت میں قیاس کیا جاسکتا ہے، اور عالم خلق کی فضیلت و خصوصیت عالم امر پر اس فرق سے سمجھی جاسکتی ہے۔

کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے

”اس فقیر پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ کمالات ولایت کا کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی شمار نہیں، وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے پس جو فضیلت و خصوصیت نبوت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے، وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے جو ولایت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے پس افضلیت مطلق انبیاء ہی کو حاصل ہے (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) ملائکہ کرام کو جزئی فضیلت حاصل ہے اس لئے جمہور علماء ہی کا قول درست ہے، اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) بلکہ اس ولی کا سر اس نبی کے قدم کے نیچے ہوگا۔ علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ۔

”جس مسئلہ میں علماء اور صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے اگر تم غور سے دیکھو گے تو

حق علماء کی جانب نظر آئے گا، اس کا راز یہ ہے کہ انبیاء کی پیروی کی وجہ سے علماء کی نظر کمالات نبوت اور ان کے علوم تک نفوذ کر جاتی ہے، اور صوفیہ کی نظر کمالات ولایت اور ان کے علوم و معارف پر مقصور رہتی ہے، اس لامحالہ جو علم مشکوٰۃ نبوت سے مانوڑ ہوگا، وہ زیادہ صحیح اور حق ہوگا بمقابلہ اس کے جو مرتبہ ولایت سے مانوڑ ہوگا۔

”فقر نے اپنی کتابوں اور خطوط میں لکھا ہے، اور تحقیق کی ہے کہ کمالات نبوت سمندر کا حکم رکھتے ہیں، اور کمالات ولایت ان کے مقابلہ میں ایک حقیر قطرہ ہیں، لیکن کیا کیا جائے، ایک جماعت نے کمالات نبوت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے کہا ہے ”الولاية افضل من النبوة“ (ولایت نبوت سے افضل ہے) ایک دوسرے گروہ نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے حقیقت نبوت کو نہ جاننے کی وجہ سے غائب پر حکم لگایا ہے، اسی حکم کے قریب شکر کو صحو پر ترجیح دینا بھی ہے، اگر صحو کی حقیقت ان کو معلوم ہوتی تو ہرگز شکر کو صحو سے کچھ نسبت بھی نہ دیتے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

شاید انھوں نے خواص کے صحو کو عوام کی ہوشیاری و بیداری کے مثل سمجھ کر شکر کو اس پر ترجیح دی ہے تو خواص کے شکر کو عوام کے نشہ و مستی کا مثل قرار دے کر یہی حکم لگاتے، علماء کے نزدیک ثابت ہے کہ صحو شکر سے بہتر ہے، اگر صحو و شکر مجازی ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر حقیقی ہے تو بھی یہی حکم ثابت ہے۔

انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے

”اننا ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو کچھ عظمت بزرگی

پائی ہے، وہ نبوت کی راہ سے پائی ہے نہ کہ ولایت کی راہ سے، ولایت کی حیثیت نبوت کے لئے ایک خادم سے زیادہ نہیں، اگر ولایت کو نبوت پر ترجیح ہوتی تو ملاء اعلیٰ کے ملائکہ جن کی ولایت تمام ولایات سے زیادہ کامل ہے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے افضل ہوتے، اس جماعت کے ایک گروہ نے چونکہ ولایت کو نبوت سے افضل مانا اس لئے ملاء اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء کی ولایت سے اکمل سمجھا اور لامحالہ ملائکہ ملاء اعلیٰ کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے افضل گردانا، اور جمہور اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے، یہ سب حقیقت نبوت سے بے خبری و لاعلمی کا نتیجہ ہے، چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں کمالات نبوت کمالات ولایت کے مقابلہ میں حقیر نظر آتے ہیں، اس لئے اس مضمون کو میں نے اس باب میں تفصیل و وضاحت سے لکھا، اور حقیقت حال کا ایک شمر بیان کیا، رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب و علماء عام مومنین کا حصہ ہے

”حمد و صلوٰۃ کے بعد سیادت پناہ انخوی و اعزبی میر محب الشکر کو معلوم ہو کہ وجود واجب تعالیٰ اور اس کی تمام صفات پر ایمان بالغیب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کا حصہ ہے، اور ان اولیاء کا جو تمام و کمال (خلق کو خالق جل و علا کی طرف دعوت دینے کے لئے) بازگشت فرماتے ہیں، اور ان کی نسبت بھی (پیغمبروں کے) اصحاب کی نسبت ہوتی ہے، اگرچہ وہ کمتر بلکہ اقل قلیل ہیں، اور یہ ایمان بالغیب علماء اور عام مومنین کا بھی حصہ ہے، اور ایمان شہودی عام صوفیاء کا حصہ ہے، ارباب عزلت (خلق خدا سے یکسو)

ہوں یا اربابِ عشرت (اصحابِ اختلاط) ہوں اس لئے کہ اربابِ عشرت اگرچہ مروجہ (بازگشت کرنے والے) ہیں لیکن تمام و کمال ان کا بازگشت نہیں ہوتا، ان کا باطن اسی طرح اوپر کی طرف نگراں رہتا ہے، وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں، اور باطن حق جل شانہ کے ساتھ، اس لئے ہر وقت ایمان شہودی ان کے حصہ میں ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ تمام و کمال بازگشت فرما چکے ہوتے ہیں، اور ظاہر و باطن سے خلق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوتے ہیں، اس لئے ایمان غیب ان ہی کا حصہ ہوتا ہے۔

انبیاء کی بازگشت کامل نہایت نہایت تک پہنچ جانے کی علامت ہے، اس فقر نے اپنے بعض خطوط میں ثابت کیا ہے کہ بازگشت کے باوجود بلندی کی طرف آنکھوں کا گارہنا نقص کی علامت ہے، اور انجام کار تک نہ پہنچنے کا ثبوت ہے، اور تمام و کمال بازگشت نہایت نہایت (انتہا کی انتہا) تک پہنچ جانے کی علامت ہے، صوفیاء نے دونوں توجہات (توجہ بخلق و توجہ بحق) کی جامعیت کو کمال سمجھا ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے جامع کو کاملین میں شمار کیا ہے۔ ع

آں ایشاندہ من خنیم یا رب

شرعیات کی حمایت نصرت اصلاح عقائد اور ردِ شرک رسوم جاہلیت

تعلق مع اللہ کی تقویت و استواری، عقلیت و مادیت سے حفاظت اور امراض نفسانی کے علاج کا وہ طریقہ جس کا نام مروج زمانہ اور بعض اسباب و محرکات کی بنا پر بعد میں تصوف

پڑ گیا، حقیقت میں قرآنی اصطلاح کے مطابق ”تزکیہ“ اور حدیث صحیح کی تفسیر کے مطابق ”احسان“ ہی کا وہ دینی شعبہ تھا جس کو قرآن مجید میں بعثت محمدی کے مقاصد چہارگانہ میں شمار کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِذْ كَانُوا
مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وہی جس نے (عرب) خواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں (یعنی عرب میں) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (تھا) باطلہ اخلاق و ذبیہ سے پاک کرتے ہیں ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔ (الحجہ - ۲)

امت کی یہ خدمت اور دین کو اس کے قالب و قلب، جسم و روح اور ضابطہ و رابطہ کے ساتھ قائم رکھنے کا کام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور نائبین برحق کے ذمہ تھا، اور وہ شریعت محمدی کے ساتھ اس ”طب نبوی“ کی بھی حفاظت و تجدید کرتے رہے اور فقہ ظاہر کے ساتھ فقہ باطن کی بھی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم رہے، ان کا یہ کام تفصیل کے بجائے اجمال اور فروع سے زیادہ اصول پر مبنی تھا لیکن قلم و خلافت اور فتوحات اسلامی کی توسیع، وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام، دولت اور وسائل عیش و عشرت کی فراوانی، زمانہ نبوت سے بعد اور بمقدار ”ظَلَّالَ عَلَيْهِمُ اللَّامَةُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ“ جب شیطان کے مکائد مادیت کے فتنے اور امراض نفسانی و روحانی نئی نئی شکلوں میں اور نئے نئے فلسفوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے تو تزکیہ و احسان کا فن بھی ”نصوف“ کی حادثہ اصطلاح کے ساتھ اسی طرح ایک مدون فن بن گیا، جس طرح عجمی قوموں کے اختلاط نے قواعد زبان (صرف و نحو) اور فن معانی و بیان کو (جن کے اصول و مبادی عربی اللسان قوموں کی فطرت میں داخل تھے) نحو و بلاغت کے وسیع و دقیق فن کی شکل میں منتقل کر دیا اور اس کے ماہرین خصوصی پیدا ہونے شروع ہو گئے جنہوں نے مستقل ”مدرس“ و ”جامعات“ قائم کئے اور ان کے مستقل نصاب

وضع کئے، اور ان کی طرف ان علوم کے طالبین اور ان مقاصد کے شائقین کا رجوع عام شروع ہوا۔

ابتدائی صدیوں میں اس طریقہ علاج (تزکیہ یا تصوف) کا مدار کتاب و سنت، اسوہ رسولؐ کی پیروی اور شائل و اخلاق نبوی کے تتبع پر تھا، لیکن زمانہ کے اثرات عجیبی اور نو مسلم قوموں کے اختلاط، عجیبی زہاد و نساک کی صحبت و عقیدت کے نتیجہ میں تصوف میں بدعات، زہد و عبادت میں غلو، تجرد و رہبانیت کے جراثیم، اشخاص و معتقد فیہ لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم و تقدیس کی رسم اور بہت سے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہوتے شروع ہو گئے، یہاں تک کہ یہ غیر اسلامی اور سترتا ستر اجنبی و بیرونی اعتقاد بھی بعض روحانی حلقوں اور سلسلوں میں دیے پاؤں چلا آیا کہ ”اخلاص و انہماک اور پوری دقیقہ رسی کے ساتھ ایک عرصہ تک عبادت میں مشغول رہنے اور فرائض و سنن کی پابندی کرنے اور عرفان کامل حاصل ہونے کے بعد ایک منزل ایسی آتی ہے، جب سالک ان فرائض شرعی اور عبادات راتہ کا مکلف نہیں رہتا اور وہ ان کی پابندی سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے“ اسی کا نام ”سقوط تکلیف“ ہے اور اس اعتقاد کے لوگ قرآن مجید کی مشہور آیت ”وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ“ (اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ موت آجائے) سے استدلال کرتے ہیں، یہ ایک عظیم فتنہ تھا، جو پورے نظام شریعت کو معطل اور سالک کو بے قید اور عبادات کی پابندیوں سے آزاد کر دیتا تھا۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کی ابتدا سے جب عباسی خلافت اپنے اوج شباب پر اور عظیم اسلامی شہر اپنے تمدن و ترقی کے نقطہ عروج پر تھے، بدعات و تحریفات کا یہ سلسلہ

واضح طریقہ پر شروع ہو گیا تھا، تصوف کی سب سے قدیم کتاب جو اس وقت تک زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے، شیخ ابوالنصر سراج (م ۷۷۷ھ) کی کتاب اللمع^۱ ہے، اس کا ایک حصہ کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہے، اس کے بعد حضرت سید علی ہجویری (م ۷۶۵ھ) کی کتاب کشف المحجوب میں غالباً اسی بنا پر اقامت حقیقت بے حفظ شریعت محال..... و حقیقت بے شریعت نفاق کے آگاہی دینے والے الفاظ آئے ہیں، امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۷۶۵ھ کا رسالہ قشیریہ تصوف کا سب سے قدیم ہدایت نامہ اور دستور العمل تھا، ان کے زمانہ ہی میں تصوف میں اتنا تنزل ہو گیا تھا کہ وہ رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں:-

وارتحل عن القلوب حرمة الشریعة	دلوں سے شریعت کی حرمت رخصت ہو گئی
فعدوا قلة المبالاة بالدين او ثقی	انھوں نے دین سے لا پرواہی کو ایک بڑا قابل
ذریعة..... واستغفوا بأداء	اعتماد ذریعہ سمجھ لیا، عبادات کے اداء کرنے کو
العبادات واستهانوا بالصوم والصلاة	کوئی اہمیت نہیں دی اور صوم و صلوٰۃ کو

سہولی چیز سمجھا۔

ان کی کتاب کے باب اول کا عنوان ہی تعظیم شریعت سے متعلق ہے اور اس میں انھوں نے قدیم صوفیاء اور مشائخ کی تعظیم شریعت اور اتباع سنت کے حالات لکھے ہیں، آخری باب (۵۴) میں جو باب وصیۃ المریدین کے عنوان سے ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:-

بناءً على هذا الامر وملاکة علی حفظ آداب

اس معاملہ کی بنیاد اور دار و مدار آداب شریعت

کی حفاظت پر ہے۔

الشریعة۔

۱۔ کتاب اللمع ۹۲-۱۰۴ مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ء ۲۔ پورا نام ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجبلی ہے

عام طور پر داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں لاہور میں مزار ہے۔ ۳۔ رسالہ قشیریہ ص ۱ مطبوعہ مصر۔

پوری کتاب حقائق شرعیہ و علوم صحیحہ کے مطابق ہے اور محققین صوفیاء نے اس کو ایک مستند درسی کتاب کی سی اہمیت دی ہے۔

مشائخ طریقت وائمہ حقیقت میں شریعت کے سب سے بڑے حامی و ناصر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں، ان کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی سنت و اتباع شریعت پر تھا، اور ان کی پوری زندگی اسی کا جلوہ اور نمود تھی، غنیۃ الطالبین، لکھ کر انھوں نے طریقت کا پلو شریعت کے دامن سے باندھ دیا ہے، ان کے مواعظ "فتوح الغیب" کا مقالہ دوم اتباع سنت و ترک بدعت ہی سے مخصوص ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:-

اتبعوا ولا تتبعوا عواما پیروی سنت کرتے رہو اور راہ بدعت نہ اختیار کرو!

طریقت کو شریعت کا خادم و تابع بنانے کے کام میں ان کو مجدد کا درجہ حاصل ہے، وہ پہلے فرائض پھر سنن پھر نوافل سے مشغول ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں، اور اول کو چھوڑ کر دوسرے سے مشغول ہونے کو حلق و عنوت بتاتے ہیں۔

تصوف کی مقبول ترین و مستند ترین کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کی "عوارف المعارف" ہے جس کو محققین صوفیاء نے ہر دور میں حرز جان بنا کر رکھا، اور بہت سی خانقاہوں میں اس کا درس ہوتا تھا، اس کتاب کی جلد ثانی ارکان شریعت کے آداب و اسرار کے بیان میں ہے، شیخ نے کتاب میں نتیجہ یہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، عجایب اٹھ جاتے ہیں اور شہی میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے، نویں صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تلامذہ کے برقی اثر سے جو

لے تفصیل اور مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو "تصوف اسلام" از مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم۔

عالم اسلام میں ایک نیز لہر کی طرح پھیل رہا تھا، تصوف ایک فلسفہ بن گیا، جس میں یونانی فلسفہ الہیات کی بہت سی اصطلاحیں اور مسائل شامل ہو گئے، وحدۃ الوجود اہل تصوف کا شعار اور سرمایہ افتخار بن گیا، اور خانقاہوں سے لے کر مدرسوں تک اسی کا دم بھرا جانے لگا، کتاب و سنت سے عدم اشتغال اور قن حدیث سے ناواقفیت اور اس کی صحیح اور اس کی مستند کتابوں سے محرومی کی بنا پر خانقاہیں ایسے عقائد و اعمال کی آماجگاہ بن گئیں، جن کی شدیدین کے اصلی ماخذ سے ملنا مشکل اور جن سے قرون اولیٰ کے مسلمان یکسر نا آشنا تھے۔

ادھر ہندوستان میں جو ہزاروں برس سے جوگ اور سنیا س کا مرکز تھا، مسلمان صوفیوں کا واسطہ ان متراض جوگیوں سے پڑا جنہوں نے اپنے خیال اور نفس کی قوت جس دم اور آسنوں کے ذریعہ بہت بڑھالی تھی، بعض مسلمان صوفیوں نے ان سے یہ علم حاصل کیا، دوسری طرف (مجاہد کو مستثنیٰ کر کے جہاں علماء عرب کی تشریف آوری اور جرمن شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی) اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر بیہی پیدا ہوئے تھے) یہ ملک صحاح ستہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا، جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری شیخ محمد غوث گویاری کی مقبول کتاب ”بواہر خمسہ“ میں دیکھا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شامل و سیر سے اخذ کرنے کی ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، جو ہر مقام پر

اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں، جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حروف ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے جس سے استعانت بغیر اللہ کا شبہ ہوتا ہے ایک عاءے شیخ بھی آتی ہے جس میں عبرانی و سریانی اسماء حروف ندا کے ساتھ ہیں، ساری کتاب کی بنیاد دعوت اسماء پر ہے ان اسماء کے موکل مانے گئے ہیں، جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں، حروف تہجی اور ان کے موکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ناد علیہا مظهر العجائب کی دعا بھی ہے۔
سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف (اسلامی) اور جوگ کے اس اختلاف کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا تجدیدی کام شروع ہوا، اس صورت حال کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ خود اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

دربیں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور	اس وقت عالم میں بدعات کا اس
بدعت در رنگ دریا عے ظلمات	کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ
بنظری در آید و نور سنت با غریبت و	ظلمات کا دریا امنڈ رہا ہے اور سنت
ندرت در آں دریائے ظلمانی در رنگ	کا نور اس بواج دریا میں اس کے
کہ کہہائے شب افروز محسوس می گردد	مقابلہ میں اس طرح ٹٹمار رہا ہے کہ معلوم
	ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں
	کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔

حضرت مجدد نے اس نازک دور میں کہ ہندوستان میں مسلمان سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی ناقدری کی جا رہی تھی اور صاف صاف کہا جا رہا تھا کہ ”طریقت و شریعت دو الگ الگ کوچے ہیں جن کی راہ و رسم ایک دوسرے سے جدا اور

جن کا قانون ایک دوسرے سے الگ ہے اور جہاں کسی صاحب علم طالب حق کو جو کبھی کسی امر کا شرعی ثبوت پوچھنے کی جرأت کر دیتا تھا یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا تھا۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر معاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ "طریقت تالیع و خادم شریعت ہے، کمالات شریعت احوال و مشاہدات پر مقدم ہیں، ایک حکم شرعی پر عمل ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے، اتباع سنت میں خواب نیمروز (قیلولہ) اجیائے لیل (شب بیداری) سے افضل ہے، احلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں، کتاب و سنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہئے، اہل ضلالت کی ریاضتیں موجب قرب نہیں باعث بُعد ہیں، صورت و اشکال غیبی داخل ہو و لعب ہیں، تکلیف شرعی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔"

اب اس کے بعد مکتوبات کے وہ اقتباسات پڑھئے جو انھیں حقائق پر مشتمل ہیں :-

"شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے کوئی مطلوب ایسا نہیں کہ اس کی

تکمیل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی احتیاج واقع ہو، طریقت و حقیقت جو صوفیاء کا

مابہ الامیاز ہے، دونوں شریعت کے خادم اور اخلاص کے حصول میں معاون ہیں، اس طرح

طریقت و حقیقت کے حصول کا مقصد محض شریعت کو اس کی اصل روح کے ساتھ عمل میں

لانے کا ذریعہ ہے، نہ کہ کوئی اور بات جو شریعت کے دائرہ سے خارج ہو، وہ حالات و جد

کی کیفیات اور علوم و معارف جو صوفیاء کو سلوک کے درمیان حاصل ہوتے ہیں، مقاصد

میں داخل نہیں، وہ کچھ اشکال و خیالات ہیں جن کے ذریعہ اطفال طریقت کے دل بہلائے

اور ان کی ہمت بڑھائی جاتی ہے، ان سب کے گزر کر مقام رضا پر پہنچنا چاہئے جو مقامات

سلوک و جذبہ کی انتہا ہے۔

اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:-

”کو تاہ اندیش احوال و مواجید کو مقاصد اور شاہدات و تجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں،

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہم و خیال کے زندان میں گرفتار ہیں اور کمالات شریعت سے محروم۔

کَلْبُ عَلَى الْمُتَوَكِّلِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ

مشکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپلک

اَللّٰهُ يُخَيِّجُ الْبَیْرَ مِنْ يَّسَاءٍ وَيَهْدِي

بلایہ ہے یہاں الہیاتی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور شخص

اَلْبَیْرَ مِنْ يَّسَاءٍ

(خدا کی طرف) راہم کرے اس کو اپنے تک سالہ عید تباہ

ایک دوسرے مکتوب میں نوافل پر فرائض کی تقدیم و ترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”جن اعمال سے تقرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے، وہ یا تو فرائض ہیں یا نوافل، نوافل

کی فرائض کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، اپنے وقت پر کسی فرض کی ادائیگی ایک ہزار سال

کے نوافل سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نیت خالص سے ادا کئے جائیں۔

ایک دوسرے مکتوب میں کہ نفس کی اصلاح اور اس کے امراض کے ازالہ میں بھی احکام

شرعیات پر عمل ہزاروں ریاضتوں اور مجاہدوں سے کہیں زیادہ مفید ہے، فرماتے ہیں:-

”احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر عمل ہوائے نفسانی کے ازالہ میں ایک ہزار سال کی ان

ریاضتوں اور مجاہدوں سے زیادہ اثر کرتا ہے جو اپنی طرف سے کئے جائیں بلکہ یہ ریاضات و

مجاہدات جو شرعیات عزاء کے تقاضے سے واقع نہ ہوں نفسانی خواہشات و امراض کو اور

زیادہ قوت پہنچانے والے ہیں، برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضت و مجاہدہ میں کوئی کسر نہیں

اٹھا رکھی لیکن وہ ان کے لئے کچھ مفید نہ ہوئے، اور سوائے نفس کو اور موٹا کرنے اور اس کو

۱۷ مکتوب ۲۷ بنام ملا حاجی محمد لاہوری ۱۷ ایضاً ۱۸ مکتوب ۲۷ بنام شیخ نظام تھانیسری۔

غذا پہونچانے کے کچھ اور کام نہ آئے۔

ایک دوسرے مکتوب میں کمالات شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”دنیا کے اکثر لوگ خواب و خیال میں مست اور بادام و اخروٹ پر گفتگوئے ہوئے ہیں ان کو

کمالات شریعت کی کیا خبر اور طریقت و حقیقت کی اصل حقیقت کا کیا علم؟ شریعت کو وہ

پوست (چھلکا) اور حقیقت کو مغز (گودا) سمجھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ حقیقت حال کیا ہے

صوفیاء کی سطحی باتوں پر فریب کھائے ہوئے اور ان کے احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔

ایک مکتوب میں ایک سنت نبوی پر عمل کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”فضیلت تمام تر سنت بنیہ کی پیروی سے وابستہ اور امتیاز و اعزاز شریعت پر عمل کرنے سے

مربوط ہے مثلاً دوپہر کا سونا جو اتباع سنت کی نیت سے واقع ہو کر وڑوں شب بیداریوں سے

افضل اور زکوٰۃ کا ایک پیسہ ادا کرنا سونے کے پہاڑ طرح کر لینے سے جو اپنی طرف سے ہوا افضل ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:-

”صوفیائے خام ذکر و فکر کو اہم الہام سمجھ کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں تساہلی برتتے ہیں چلوں و

ریاضتوں کو اختیار کر کے جہود و جماعت ترک کر دیتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک

فرض نماز کی ادائیگی ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے ہاں ذکر و فکر جو آداب شرعی کے مراعات

کے ساتھ ہوں بہت بہتر اور ضروری ہے ناقص علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں

اور فرائض کو خراب و ابتر رکھتے ہیں۔

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس گروہ (صوفیاء) میں ایک جماعت ہے جو نماز کی حقیقت سے آگاہ اور اس کے کمالات

۱۔ مکتوب ۱۱۱ بنام شیخ محمد حسری۔ ۲۔ مکتوب ۱۱۲ بنام صوفی قربان ۳۔ مکتوب ۱۱۳ بنام محمد و زادہ شیخ محمد صادق

مخصوصہ سے واقف نہیں ہو سکی وہ اپنے امراض کا علاج دوسری چیزوں سے ڈھونڈتی اور اپنے مقاصد کا حصول دوسرے امور سے مربوط سمجھتی ہے بلکہ ان میں سے ایک گروہ نماز کو دور از کار سمجھتے ہوئے اور اس کو غیر وغیرت پر مبنی سمجھتے ہوئے رونے کو نماز سے افضل سمجھتے ہیں کہ اس میں صفت صمدیت کا ظہور ہے اور ایک حم غیر اپنے اضطراب کی تسکین سماع و نغمہ — وجد و تواجد سے تلاش کرتی ہے، اور نفس و رقاصی کو بھی کمال سمجھ لیا ہے کیا انھوں نے نہیں سنا کہ مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً (الترغاب) نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی اگر ان پر ان کمالات کا جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں ایک شمر بھی شکف ہو جاتا تو وہ سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔ ع۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ایک جگہ اس صفائی نفس کا ذکر کرتے ہوئے جو غیر مسلموں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والے مرتاضوں کو حاصل ہوتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

”حقیقی تصفیہ و تزکیہ اعمال صالحہ کے کرنے پر موقوف ہے جو مالک کی مرضیات میں مثال ہوں اور یہ بات بعثت پر موقوف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے پس بغیر بعثت کے حقیقی تصفیہ و تزکیہ میر نہیں آسکتا وہ صفائی جو کفار و اہل فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے قلب کی صفائی نہیں صفائی نفس سوائے ضلالت کے کسی اور چیز کو نہیں بڑھاتی اور سوائے خسارت کوئی اور راستہ نہیں دکھاتی باقی بعض امور غیبی کا کشف جو کفار و اہل فسق کو صفائی نفس کے وقت کبھی حاصل ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے جس کا حاصل بربادی اور خسارہ کے علاوہ اس جماعت کے حق میں کچھ نہیں“

سالک و عارف نے تکلیف شرعی کے سقوط اور فرائض و احکام شریعت کی پابندی اس کو چھٹی بل جانے کے خطرناک عقیدہ کی جو پوری شریعت کو ختم کر دینے کے لئے ایک آتش گیر مادہ

یا سرنگ کا کام انجام دے سکتا تھا، کی تردید کرتے ہوئے، — ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”مصفوفین خام اور ملحدین بے سرائجام اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی طوق غلامی سے آزاد اور احکام شرعیہ کو حوام کے ساتھ مخصوص بنادیں، ان کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت کے مکلف ہوتے ہیں، جیسا کہ امراء و سلاطین محض عدل و انصاف کے مکلف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے کا مقصد حصول معرفت ہے، جب معرفت میرا گئی تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں اور اپنے استدلال میں یہ آیت پڑھتے ہیں:۔

”وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيُخَوِّلُ مَا يَشَاءُ وَيُخَوِّلُ مَا يَشَاءُ“ اور آپ اپنے رب کا عبادت کرتے رہئے یہاں کہ آپ کے موت آجائے۔

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہوئے کہ علت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں تحریر فرماتے ہیں:

”صوفیاء کا عمل علت و حرمت میں سند نہیں کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور کہیں“

علامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس معاملہ میں تو امام ابو حنیفہؒ امام

ابو یوسف اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ ابو الحسن نوریؒ کا عمل، اس زمانہ کے صوفیاء

خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سر و دور قص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے،

اور اس کو طاعت و عبادت بنالیا ہے: اَتَّخَذُوا دِينَهُمْ نَهْوَ اَدْعَابِ اَنْهَوْنَ اِنهَوْنَ اپنے دین کو کھل تاشا بنا

رکھا ہے۔“

مجدد صاحب کی یہ حمایت شریعت حمیت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی اور جب وہ

کتاب سنت اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیاء تحقیق یا حال سنتے اور

اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال و اقوال سے لائی جاتی تو ان کی رگ

فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایت شریعت اور غیرت سنت کا طوفان اٹھ اٹھتا،

۱۔ مکتوب ۲۶، بنام میاں شیخ بدیع الدین ۲۔ مکتوب ۲۷، بنام خواجہ عبداللہ و عبید اللہ

”مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں ہے، اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں

آجاتی ہے، اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر سنی ہوں یا شیخ اکبر

شامی، ہمیں کلام محمد عربی علیہ علی آتہ والصلوة والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی،

صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی اہم کونص سے کام ہے نہ کرفص سے۔

فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکہ سے مستغنی بنا دیا ہے؟

حضرت مجدد کے نزدیک شریعت غراء کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ داخل ذکر ہے
ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :-

”تمام اوقات کو ذکر الہی حل شانہ میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی شریعت غراء کے موافق

ہوگا، وہ داخل ذکر ہے اگرچہ بیع و شراء ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کی مراعات

ہونی چاہئے تاکہ وہ سب ذکر ہو جائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا اور حسیہ

تمام افعال میں ادا مروا ہوا ہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے

والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی آمر و ناہی ہے، غفلت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور

اس کو دوام ذکر کی دولت عطا فرمائے گی“

لے شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں جن کا انتقال دمشق میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

۵۲ نص سے مراد نص شرعی ہے نص سے مراد شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم کا کوئی حصہ (نص)۔

۳۷۹ مکتوب ممتاز بنام ملا حسن کشمیری۔

۲۵۔ بنام خواجہ محمد شرف الدین حسین۔

اس حمایت و حمیت شرعی کی بنا پر مجدد صاحب نے سجدہ تعظیم پر سخت نکیر کی، جو بعض مشائخ کے یہاں رائج ہونے لگا تھا، اور اپنے بعض اہل تعلق کو جن کے متعلق اس بارے میں تساہلی کی اطلاع ملی تھی سخت تنبیہ فرمائی، نیز مشرکانہ اعمال و رسوم کی تردید و مذمت میں (جن میں اس زمانہ میں تساہل شروع ہو گیا تھا) مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد و طلبِ حوائج کے مشرکانہ عقیدہ، اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر و ذبح کرنے، پیروں، بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنے کی تردید و مذمت کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی کھلی تصریحات اور واضح تنبیہات اس طویل مفصل مکتوب میں ملاحظہ ہوں، جو ایک ارادت رکھنے والی نیک خاتون کے نام لکھا گیا ہے۔^{۹۲}

یہ اصلاح عقائد و شرک و بدعت اور دین خالص کی دعوت کا وہ عظیم الشان تجدیدی کام تھا جو عرصہ دراز کے بعد حضرت مجدد نے ہندوستان کی سرزمین پر شروع کیا، (جس کی مسلمان آبادی غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہوئی اور اسلام کے حدیث الہدٰی ہونے کی بنا پر مشرکانہ جاہلیت کے خطرہ سے ہر وقت دوچار تھی) اور پھر اس کی تکمیل و توسیع انھیں کے سلسلہ کے نامور مشائخ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان اور حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت نے زبان و قلم، رسائل و تصنیفات ترجمہ قرآن و حدیث اور اپنے وسیع تبلیغی دوروں کے ذریعہ کی۔

۹۲ ملاحظہ ہو مکتوب ۹۲ بنام سیادت پناہ میر محمد نعمان، و مکتوب ۲۹ بنام شیخ نظام الدین تھانیسری۔

۹۳ مکتوب ۹۳ بصاحبہ از اہل ارادت۔

۹۴ جن میں ان کے نامور پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۷۶ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سنت کی ترویج اور بدعتِ حسنہ کی تردید

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جرم بنادینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے بدعت حقیقت دین الہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے اس شریعت کی الگ فقہ ہے اور مستقل فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الہی کے متوازی اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہو گیا، اور جس کو فرض واجب بنانا تھا، وہ فرض و واجب بنایا جا چکا، دین کی ٹکسال بند کر دی گئی، اب جو نیا سکھ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا، امام مالک نے خوب فرمایا:-

من ابتدع فی الاسلام بدعة براها	جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کر دی اور
حسنہ فقد زعم ان محمداً صلى الله	اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا اعلان
عليه وسلم خان الرسالة، فان الله	کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پیغام
سبحانه يقول: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ	پہنچانے میں خیانت کی، اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں
فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ حَنِيفًا فَمَا لَمْ يَكُنْ	تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو یا محمد صلی
اليوم ديناً۔	میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزل من اللہ کی خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں

قابل عمل ہونا ہے اس لئے کہ جو دین کا شائع ہے وہ انسان کا خالق بھی ہے وہ انسان کی ضرورت ہے

اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے۔

الَّذِي عَلَّمَ مَنْ خَلَقَ، وَهُوَ اللَّطِيفُ (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ

الْخَبِيرُ (سورۃ الملک - ۱۴) باریک بین (اور) پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریع الہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے، مگر جب انسان خود شائع بن جائے گا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار پیدا ہوا اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قیادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (خدا نے تمہارے لئے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جاسکتا ہے جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر کیانی ہے، وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئیگی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ خاص تاریخی اور مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے ہر ملک بلکہ اس کے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر کے بدعات اور پھر محلوں اور گھروں کی ذیلی ایجادیں انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں اور اس طرح شہر شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انہی ابدی و عالمی مصالح کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت

بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید ملے فرمائی، آپ نے فرمایا:-

من احدث في امرنا هذا ما ليس
منه فهو رد۔ جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو
اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔

اياكم والبدعة فان كل بدعة
ضلالة وكل ضلالة في النار۔ بدعت سے ہمیشہ بچو! اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی
ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیش گوئی بھی فرمائی:-

ما احدث قوم بدعة الا رفع بها
مثلها من السنة۔ جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں
تو اس کے بقدر کوئی سنت ضرور اٹھ جاتی ہے۔

صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ و فقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و
مصلحین اور علماء ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام
کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی اپنے مقدور
بھر کوشش کی، ان بدعات میں عوام و خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مقناطیسی کشش ہر زمانہ میں
رہی ہے، اور ان سے ان پیشہ ور دنیا دار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ
رہے ہیں جن کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا كَثِيرٌ مِّنَ
الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن

اے ایمان والو! اکثر اخبار اور رہبان
لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے
ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے

سَبِيلَ اللَّهِ (سورہ توبہ-۳۴) ہیں۔

اس کی بنا پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے اس کی پرواہ

نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جہاد اور شریعت کی حفاظت کا اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین عیسٰی اور حالمین لواء سنت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کا عوام سے "جامد" "روایت پرست" "مذہب دشمن" وغیرہ کے خطابات ملے، لیکن انھوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، ان کے اس سانی و قلمی جہاد "حقاق حق" اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا تمدن کی بعض تاریخوں ہی میں ذکر رہ گیا ہے اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صفت آ رہے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا
 اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَجْبَةً
 مِّنْ يَّمْنُظُرُوا مَا بَدَلُوا بَدَلًا
 ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات
 کا اللہ سے عہد کیا تھا، اس میں سچے نکلے پھر بعض ان میں
 وہ ہیں جو اپنی مذہب پوری کر چکے اور بعض ان میں مشاق
 (سورہ احزاب - ۲۳) میں اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑا مغالطہ بدعت حسنہ کا مغالطہ تھا، لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں، بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ، وہ کہتے تھے کہ ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بہت سی بدعات بدعات حسنہ ہیں، جو حدیث کے اطلاق "کل بدعة ضلالة" سے مستثنیٰ ہیں۔
 حضرت مجدد صاحب نے اس تقسیم اور بدعت حسنہ کے خلاف جس زور سے علم جہاد بلند کیا اور

لہ ان لوگوں کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے جو انھوں نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا
 "تھا نعمت البدعة هذه" (یہ بڑی اچھی بدعت ہے) حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں بعض لغوی حیثیت سے
 اس کو بدعت کہا گیا ہے، ورنہ تراویح کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور متواتر ہے، بدعت کی تعریف کے لئے
 امام شافعی کی کتاب الاعتصام بالسنة، "اور مولانا اسماعیل شہید کی کتاب ایضاح الحق الصریح فی احکام
 المیت والصریح" جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے، مطالعہ کرنی چاہئے۔

جس اعتماد و قوت اور علمی استدلال کے ساتھ اس کا انکار کیا اس کی نظیر دوزنک اور دیرنک نہیں ملتی، اس سلسلہ میں مکتوبات کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دینے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبدالشکر کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ السلام کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں، اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں، عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے سنت مستور اور چونکہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے بدعت رائج و مقبول ہو رہی ہے کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی نصرت و حمایت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے، بدعت کی ترویج دین کی تخریب کے مرادف ہے اور مبتدع کی تعظیم قصر اسلام کو منہدم کرنے کے اہم معنیٰ حدیث میں آتا ہے:-

من وقر صاحب بدعة فقد اعان

جو کسی بدعت والے کی توفیر کرے گا اس نے

پوسے عزم و ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا، لیکن ضعف اسلام کے اس زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام، سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے اور بھی ضروری ہے!

اس کے بعد اسی مکتوب میں بدعت میں کسی قسم کے حسن و جمال ہونے اور بدعت حسنہ کی تعبیر و اصطلاح کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

گزشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو

انھوں نے مستحسن قرار دیا لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں، وہ کسی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”كل بدعة ضلالة“ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں جو عربی میں میرحب الشر کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:-
 ”سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حُسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ و مقبول مذہب میں اتمام نعمت کے بعد ایجاد کیا ہو کیا ان کو یہ بوٹی بات معلوم نہیں کہ اتمام و اکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو اس میں حُسن نہیں ہو سکتا ”فَمَا ذَا جَعَلَ الْحَقَّ إِلَّا الضَّلَالَةَ“ (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نوپیدا شدہ چیز کے حُسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے۔“
 ایک دوسرے مکتوب میں اسی استثناء پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

”جب (دین میں) ہر نو ایجاد چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت تو کسی بدعت میں حُسن پائے جانے کا کیا مطلب؟ اور جب احادیث سے صاف طریقہ پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہوتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہے حدیث میں آیا ہے:-

ما لحدث قوم بدعة الا رفع ضلها

من السنة، فقلك بسنة خير من

احداث بدعة۔

جب کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے تو اسی کے

بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے پس سنت سے

والسگی بدعت کی ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

۱۹ مکتوب ۲۳ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبدالشر۔ ۲۰ مکتوب ۱۹ بنام میرحب الشر۔

حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ما ابتدع قوم بدعة في دينهم الا نزع
الله من سنتهم مثلها، ثم لا يعيدها
اليهم الى يوم القيامة۔
جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت پیدا
کرے گی تو ضرور اللہ تعالیٰ ان سنتوں میں سے جن پر
وہ عمل پیرا ہیں کوئی سنت ضرور سلب کرے گا

پھر قیامت تک وہ ان کو واپس نہ دے گا۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسنہ سمجھا ہے، جب ان پر اچھی طرح سے
غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں!

اسی مکتوب میں بدعت حسنہ کے وجود کا بالکل انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
* لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ! اس نیک عمل کو
بدعت حسنہ کہتے ہیں جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے
کوئی سنت نہ اٹھتی ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو، اس فقیر کو ان بدعات میں سے
کسی بدعت میں حسن و نورانیت نظر نہیں آتی، اور اس میں سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس
نہیں ہوتا، فرض بھی کر لیا جائے کہ آج کسی عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے تازگی
اور صفائی نظر آتی ہے تو کل جب نظرتیر اور دور میں ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے
سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

بوقت صبح شود ہم چوروز معلومت

کہ باکہ باختر عشق در شب دیدجو ر

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

۱۔ مکتوب ۱۸۶ بنام خواجہ عبدالرحمن مفتی کابلی۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس
جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا
منہ فہو رد۔
جو اس کے اصل میں نہیں ہے تو وہ رد ہے (مقبول نہیں)

ان بدعاتِ حسنہ میں جو اس زمانہ میں رواج پذیر ہو رہی تھیں، ایک محفل میلاد بھی تھی اس کے مقصد اور عالی انتساب کی وجہ سے اس کا بدعت کہنا اور اس کی مخالفت بڑا نازک اور دشوار کام تھا، اور اس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہونے اور اس کو بے ادبی اور محبت کی کمی پر مجبور کرنے کا خطرہ تھا، لیکن حضرت مجدد نے جن کو اس بارے میں کامل شرح صدر حاصل تھا، کہ جس چیز کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ہے اس میں دین کی ترقی اور امت کی فلاح نہیں ہے، اور اس میں مرور زمانہ کے ساتھ مختلف مفاسد کا اندیشہ ہے، آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفل میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا:-

”مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقاً نہ بند کر دیا جائے گا، اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے، اگر ذرا بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔“ *قلیلہ یغنی الی کثیرہ*۔

اس طرح حضرت مجدد کے اس مبصرانہ و جرأت مندانہ اقدام (بدعات کی عمومی مخالفت اور بدعت حسنہ کے وجود سے اختلاف) سے ایک بڑے خطرہ کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سد باب ہو گیا، جو غیر محقق علماء کی تائید، خانقاہوں کی سرپرستی اور خوش اعتقاد امراء و رؤساء کی تحسینی اور حمایت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

بَابِ ثَمَ

وحدة الوجود یا وحدة الشہود؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدة الوجود کی تفصیل و تدوین

متقدمین صوفیاء کی زبان سے جو مغلوب الاحوال ہوتے تھے، اتحاد نما، اقوال جو وحدة الوجود پر دلالت کرتے ہیں، صادر ہوئے ہیں، ان میں مشہور شیخ و عارف حضرت بایزید بسطامی کا (جو اکثر سلاسل طریقت کے مشائخ کبار میں ہیں) قول سبحانی ما اعظم شأنی اور "لیس فی جنتی الا الله" اور حسین بن منصور حلاج کا نعرہ انا الحق خاص طور پر مشہور ہے۔

لیکن شیخ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) جو شیخ اکبر کے نام سے شہرہ آفاق ہیں، اس ذوق اور سلک کے مجدد و خاتم اور علمی طور پر بانی و مؤسس ہیں، اور انھیں کے زمانے سے اس کی شہرت و مقبولیت اس درجہ کو پہنچی کہ وہ اہل تصوف میں موسمی اثر کی طرح سرایت کر گئی جس سے قوی مزاج سے قوی مزاج بھی کلی طور پر محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ اہل ذوق و تحقیق کا شمار اور ان کا "کلمہ جامعہ" بن گیا، اور اس کا انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا یا بزم تصوف میں نامحرم و طفیلی ہونے کا اعلان کرنا تھا، بقول حضرت مجدد۔

"انھوں نے اس کے اس طرح ابواب و فصول مقرر کئے جس طرح علم نحو و صرف

میں دستور ہے شیخ اکبر کے نزدیک وحدۃ الوجود کی حقیقت کیا ہے، وہ اس کو کس طرح پیش کرتے ہیں اس پر کیا دلائل قائم کرتے ہیں اور اس کو کس طرح ایک بدیہی حقیقت، ایک عملی تجربہ اور کشف و مشاہدہ کا معاملہ بنا دیتے ہیں، پھر اس نے کس طرح ایک مستقل فلسفہ اور مدرسہ کی حیثیت اختیار کر لی، اور اس پر اتنا بڑا کتب خانہ تیار ہو گیا جس کا اجمالی جائزہ لینے کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر درکار ہے، پیش نظر کتاب میں اس کا ضمنی و اجمالی تذکرہ بھی مشکل ہے، یہ مسئلہ چونکہ فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے جس کے لئے فلسفہ اور تصوف کی دقیق اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے، اور اس کا باطنی تجربات اور علمی سیروسلوک سے بھی گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مختصر باب میں اس کا احاطہ مشکل ہے، قارئین میں سے جن حضرات کو اس کو علمی طور پر سمجھنے کا ذوق ہو وہ شیخ اکبر کی مشہور تصانیف، فتوحات مکیہ، اور فصوص الحکم کی طرف رجوع کریں، حضرت مجدد صاحب نے وحدۃ الشہود کے اثبات میں طویل مکتوبات تحریر فرمائے ہیں، ان میں شیخ اکبر کے مسلک کو جس طرح پیش کیا ہے، اور اس کی جو تخصیص و ترجمانی فرمائی ہے، ان سے بھی اس مسلک اور اس کے مقصود و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، ان کے ضروری اقتباسات اس مضمون میں اپنی جگہ پر آئیں گے۔

ہم یہاں پر علامہ عبدالعلی بحر العلوم لکھنوی (م۔ ۱۲۲۵ھ) کے رسالہ وحدۃ الوجود کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، مصنف علوم حکمت و اصول کے بحر زخار ہونے کے ساتھ شیخ اکبر کے نظریہ وحدۃ الوجود کے شارح و ترجمان ہیں، اور ان کی تصنیفات بالخصوص فتوحات مکیہ

لے مکتوب ۹۹ بنام قاضی اسماعیل فرید آبادی۔ لے اس سلسلہ میں سید شاہ عبدالقادر مہربان فخری میلاپوری (م ۱۲۸۵ھ)

کی کتاب اصل الاصول فی بیان مطابقت الکشف بالمعقول والمنقول (مطبوعہ مدراس یونیورسٹی ۱۹۵۹ء) کا

مطالعہ بھی مفید ہوگا، جو اس موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے۔

”اور فصوص الحکم کے غواص و ثناور، ان اقتباسات سے کسی قدر شیخ اکبر کے منشا و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، اگرچہ ان میں بھی ایسے متعدد اصطلاحات و تعبیرات آئی ہیں، جن سے اہل فن اور وہی حضرات واقف ہیں جو اس سلسلہ کے عارفین کی زبان و طرز بیان سے مانوس ہیں، اس سے مختصر و واضح ترجمانی ہم کو نہیں مل سکی اس لئے اس سے مدد لی گئی ہے۔

”اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے، تمام شیونات و تعینات

اس کے مظاہر ہیں، اور وہ ان میں ظاہر اور ساری ہے اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حُلُولی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں، بلکہ یہ سرایان مثل اس سرایان کے ہے، جو گنتی کے اعداد میں ایک کی ہے گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں، عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے، کثرت میں وہی ظاہر ہے، اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں ہے، اللہ کی پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا ہے، اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے، اللہ ہی اول ہے، اللہ آخر ہے، اللہ ہی ظاہر ہے، اللہ ہی باطن ہے، اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔“

”اللہ تعالیٰ کے نام بغیر کسی منظر کے ظاہر نہیں ہوتے، وہ مبارک نام چاہے تنزیہی ہوں چاہے تشبیہی، اب جب کہ اسماء مظاہر پر موقوف ہوئے اور بغیر مظاہر کے ان کا کمال متصور ہی نہیں ہو سکتا، تو اللہ تعالیٰ نے اعیان عالم کو موجود کیا، تاکہ وہ اعیان اس کے مظاہر ہوں اور اس کے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو۔“

”اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں قطعاً غنی ہے، لیکن اسمائی کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجود خارجی سے غنی نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:۔“

پرتو معشوق گرفتار عاشق چہ شد ابد و محتاج بودیم اوبہامشاق بود

یعنی اگر معشوق کا سایہ اور پر تو عاشق پر پڑ گیا تو کیا بات ہوئی ہم اس کے محتاج تھے اور وہ ہمارا مشتاق تھا، یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے کنت كنزاً مخفياً فأحببت ان اعرف فخلقت الخلق میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں لہذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات منظر ہو میرا اور میرے اسماء کا۔

”جو دو وجود کا قائل ہو کہ ایک اللہ کا وجود ہے اور ایک ممکن کا تو وہ شرک کر رہا ہے اور اس کا یہ شرک، شرک مخفی ہے اور جو شخص صرف ایک وجود کا قائل ہوا، اور اس نے کہا کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اس کی وحدت کے منافی نہیں تو یہ شخص موحد ہے۔“

”تم حق کے عین نہیں ہو کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور تم مقید اور تعین ہو اور تعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں ہو سکتا، ہاں تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو، حق تعالیٰ تم میں متعین ہوا ہے تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے آزاد اور تعین کی قید سے مقید پارہے ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو متعین میں ظاہر دیکھ رہے ہو، لا موجود ولا الہ الا اللہ۔“

اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے اور نہ کوئی معبود ہے۔

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہر گہر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جاسکتا ہے کہ صوفیاء فلاسفہ اور شعراء میں نوشتے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے ہیں، شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین، فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابو حنیفہ ان مفسر،

۱۔ رسالہ ”وحدة الوجود“ تالیف بحر العلوم علامہ عبدالعلی انصاری مکتبہ نوی، مترجمہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی

مجددی شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ص ۲۹-۵۶

شیخ الاسلام عز الدین ابن عبد السلام، حافظ البوزرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی، ملا علی قاری علامہ سعد الدین تفتازانی، جیسے نامور علماء اور ائمہ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل، کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے، لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف و حقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق و علوم باطنی کا رمزاں شاہونا تسلیم نہیں اس لئے ان کی مخالفت کو الناس اعداء ما جعلوا (لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہو جاتے ہیں) کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید

مسئلہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کے سب سے بڑے علمبردار اور اس پر کتاب و سنت کی بنیاد پر اور ان اثرات و نتائج کی روشنی میں جو قریبی عرصہ میں اس مسئلہ تحقیق کے اختیار کرنے کی وجہ سے تصوف کے حلقہ میں اور عوام میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے تنقید و تبصرہ اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے میں شیخ الاسلام نفی الدین حافظ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، وہ شیخ اکبر کی وفات (۶۳۸ھ) سے تیس سال بعد پیدا ہوئے، شیخ اکبر کی وفات جس شہر (دمشق) میں ہوئی اور جس کو ان کی آخری آرامگاہ اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا، وہیں امام ابن تیمیہ نے ہوش سنبھالا، تعلیم و تربیت حاصل کی اور یگانہ علمی و ذہنی کمالات کو پہنچے، ان کا شعور جب بالغ ہوا اور وہ جب ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے قابل ہوئے تو شیخ اکبر کی وفات کو ۴۰-۴۵ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، مصر و شام کی فضا ان کی علمی نادر تحقیقات کے شور سے گونج رہی تھی، اور علم و معرفت کے خم خانے

ان کے ذوق توحید سے مخور تھے، مصر میں شیخ ابوالفتح نصر المنجی، شیخ اکبر خالی معتقدین میں تھے اور سلطنت کا مدار المہام اور سیاہ و سفید کا مالک رکن الدین بیرس الباشگیر، شیخ نصر المنجی کا معتقد و مرید تھا، شام میں اور اسی طرح بیشتر عرب ممالک میں شیخ کی کتابیں خصوصاً "فتوح مکیہ" اور "فصوص الحکم" عام طور پر متداول تھیں، اور لوگ ان کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے تھے، خود امام ابن تیمیہ نے اعتراض کیا ہے کہ "فتوحات مکیہ" "الحکم المربوط" "الدرة الفاخرة" و "مطالع النجوم" وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد و نکات ملتے ہیں، شیخ اکبر کے مسلک کے حاملین میں ابن سبعین، صدر الدین قنوی، (جو شیخ اکبر کے براہ راست شاگرد تھے) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر شہرہ آفاق تھے، امام ابن تیمیہ نے اس پوری جماعت میں شیخ اکبر کو ان سب پر ترجیح دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انصاف و تحقیق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ پر عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

"ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے کہ وہ مظاہر..... اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں، امر و نہی اور شرائع و احکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں، مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تاکید کی ہے، ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لئے بہت سے عابد و صوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے ہیں، اور ان کی موافقت کرتے ہیں، ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔"

دوسری جگہ ایک بلند مرتبہ مسلمان سے حسن ظن اور اپنے حکم لگانے کی نازک فرماری کا احساس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لے مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجی مندرجہ جلاء العینین ص ۵۵

”اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں
 زندہ و مردہ کی مغفرت فرمائے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا
 تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ (ہماری پروردگار ہمارے
 اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں
 اہل ایمان کی طرف سے کھوٹ نہ رکھ لے ہمارے پروردگار تو بہت شفقت والا مہربان ہے)۔“

عقیدہ وحدۃ الوجود کے غالی مسلخ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے خاص مزاج و مذاق، اس کی عمومی تبلیغ و
 اشاعت اور اس کی تعلیم و تلقین میں زیادہ جوش سے کام لینے اور احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ
 سے خود شام میں جو علوم دینیہ کا بڑا مرکز اور مصر کی مسلم ترکی النسل حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا
 ایک طرح کا ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہونے لگا تھا، لوگ شریعت، عقل اور اخلاق کے
 حدود بھلا گئے لگے تھے، اور ایک بحرانی کیفیت اسلامی معاشرہ میں رونما تھی، ایک حکیم کے
 قول کے مطابق ”درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پیچا جاتا ہے“ عقیدہ وحدۃ الوجود
 کا درخت جس طرح کے برگ و بار لانے لگا تھا، وہ ایک حامی شریعت اور غیور عالم و داعی
 کے لئے باعث تشویش اور موجب نقد تھے۔

امام ابن تیمیہ ناقل ہیں (اور وہ نقول میں عام طور پر محتاط ہیں) کہ تلمسانی (جو اس
 معرفت کے علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے) مسلک وحدۃ الوجود کے صرف قائل ہی نہیں
 بلکہ اس پر عامل بھی تھے، شراب پیتے تھے اور محرمات کا ارتکاب کرتے تھے (کہ جب موجود

ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی؟ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

”مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی شے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے اور اس کو اولیاء الشرا و عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انھوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں تو انھوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن کے خلاف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے، جو صریح عقل کے خلاف ہے۔“

وہ مزید لکھتے ہیں:۔

”ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا گذر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو غارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذاتِ خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے، ہاں سب کے سب اسی کی ذات کے اندر ہیں۔“

وہ اپنی دوسری کتاب ”الرد الاقواء علی فصوص الحکم“ میں لکھتے ہیں:۔

”بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں حرام ہے؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان محبوبین نے (جو توحید حقیقی سے نا آشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (محبوبین) پر حرام ہے۔“

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان بیباکانہ اقوال اور اباحت و فوضویت (اخلاقی انارکی)

کی ذمہ داری شیخ اکبر جیسے عارف و محقق پر یا ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے جو بغایت درجہ
 تبیح سنت، عابد و زاہد، متراض و مجاہد اور نفس سے شدید محاسبہ کرنے والے مکاید شیطان
 اور غوائل نفس سے بدرجہ تمام واقف تھے، لیکن ان کے یہاں اس طرح کے غریب اور جوش
 اقوال ملتے ہیں جن سے رائی کا پریت بنا لینے والوں کو سالہ ہاتھ آتا ہے مثلاً یہ کہ "عہد موسیٰ
 کے گو سالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰ نے ہارون کو جو ٹوکا تھا"
 تو اس بات پر کہ میں نے گو سالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی اس لئے کہ موجود تو ایک ہی
 ہے) مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰ ان عارفین میں سے تھے جو ہر چیز میں حق کا
 مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ
 میں برسر حق تھا کہ "أنا ربکم الأعلى" بلکہ وہ عین تھا، فرعون کو چونکہ تکوینی طور پر منصب
 حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحب حق تھا، تو اس نے بجا طور پر "أنا ربکم الأعلى" کہا،
 اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت میں رب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیوں کہ
 مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جادو گروں
 کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کا
 اعتراف کیا اور کہا کہ "اقض ما أنت قاض إنما تقضی هذا الحياة الدنیا" (جو تمہیں
 فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے فرعون کا یہ کہنا بالکل
 بجا تھا کہ "أنا ربکم الأعلى" وہ حضرت نوح پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کافر قوم کی تصویب
 و تعظیم جنھوں نے پتھروں کی پرستش کی، وہ کہتے ہیں کہ ان بت پرستوں نے درحقیقت الشریک کی

لے شیخ اکبر امام داؤد ظاہری کے مذہب ظاہری کے پیرو تھے، جو قیاس کے قائل نہیں اور ظاہر حدیث پر

عمل کرتے ہیں۔ لے شال کے طور پر ملاحظہ ہو ان کا رسالہ "روح القدس"۔

عبادت کی تھی، اور طوفانِ نوحؑ دراصل معرفتِ الہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔

اسی بنا پر بہت سے ایسے مشائخ و عارفین جو شیخ اکبر کے علوم مرتبہ کے قائل تھے اور ان کے مقبولین میں سمجھتے تھے، وہ اپنے اہل تعلق کو ان کی کتابوں کے عام مطالعہ سے سختی سے منع کرتے تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی مصنف النور السافر اپنے شیخ علامہ بحرق سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مرشد شیخ وقت شیخ ابوبکر عیدروسی نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد (شیخ عبداللہ ابن ابی بکر حضری) نے مجھے کبھی مارا یا جھڑکا ہو، یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے میرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی "فتوحات مکہ" کا ایک جز دیکھا، ان کو سخت غصہ آیا، میں نے اس دن سے ان کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد شیخ کی دونوں کتابوں، "فتوحات" اور "فصوص" کے مطالعہ شدت سے منع کرتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ شیخ سے حسن ظن رکھنے کی تاکید بھی کرتے تھے اور اس کا عقیدہ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ اور کبار عارفین میں تھے۔

عقیدہ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

آٹھویں صدی میں جب یہ عقیدہ ہندوستان آیا تو اس وجہ سے کہ ہندوستان خود

لے شیخ اکبر کے یہ سب اقوال "الرد الاقویم علی مافی کتاب فصوص الحکمہ اور الفرقان بین الحق والباطل"

سے ماخوذ ہیں اور امام نے ان کو فصوص الحکمہ سے اقتباس کر کے لکھا ہے، یہاں اس بات کا بھی اظہار ضروری ہے کہ

شیخ اکبر کے علوم سے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں باخصوص "فصوص الحکمہ"

میں کثرت سے کلمات و اضافات کئے گئے ہیں۔ لے النور السافر ص ۳۳۶

اس مسلک و ذوق کا قدیم ترین اور پرچوش ترین قائل و داعی رہ چکا تھا، اور بعض مورخین تصوف کے قول کے مطابق متصوفین اسلام نے جو ایران، عراق اور مغرب میں پیدا ہوئے توحید و جود کی کا سبق ہندوستان ہی سے لیا تھا، اسلام کی آمد کے بعد بھی بلا کسی انقطاع کے یہ ملک اس مسلک و عقیدہ کا علمبردار ہمارا وست کا قائل ہے، اور آری نسلوں کے مزاج اور یہاں کے مذاہب اور فلسفوں کی (جو سامی اقوام اور انبیاء کے مرزوم میں پیدا ہونے والے مذاہب کے برخلاف تعینات و قیود سے گریزاں اور وحدت و جود اور وحدت ادیان کے ہزاروں برس سے قائل ہیں) اطلاق پسندی کی وجہ سے اس مشرب نے اور گہرا اور شوخ رنگ اختیار کر لیا، اور یہاں اگر اس فلسفہ کے مزاج نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ و ہم آغوش ہو کر ایک نیا جوش اور ایک نیا مکتب خیال پیدا کر لیا، یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کی حامی حامل اور مبلغ و داعی نظر آتی ہے، ان میں خاص طور پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامی و گرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ) شیخ عبدالعزیز دہلوی معروف بہ شکر بار (م ۹۷۵ھ) شیخ محمد ابن فضل الشربہان پوری (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ محب اللہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) میں سے ہر ایک اپنے عہد و عصر کا ابن عربی اور اپنے شہر و مہر کا ابن فارض تھا، ان میں سے اکثر حضرات حضرت مجدد سے کچھ پیشتر یا ان کے زمانہ سے قریب یا متصلاً مسند آراء تحقیق و ارشاد ہوئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت،

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبر پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت و معرفت کے کوچہ ریاضت و مجاہدہ کی دنیا اور

معارف و حقائق اور عملی تجربات اور ذوق سے نا آشنا تھے اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا
ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کر ناقابل اعتناء قرار دے دیتے تھے کہ۔ ع
لذتِ مے نشا سی بخدا تا پختی
اور۔ ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
پہلے محقق اور مسلم صوفی اور عارف جنہوں نے خصوصیت و اہتمام کے ساتھ اس مشرب کی
تنقید اور تردید کی وہ شیخ رکن الدین ابوالکلام علاء الدولہ سمنانی ہیں^۱۔
علاء الدولہ السمنانی (۶۵۹-۷۳۶ھ) خراسان میں سمنان کے ایک دولت مند اور
مشہور گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے افراد حکومت و وزارت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز
تھے انہوں نے شیخ نور الدین عبدالرحمن الکسرقی الاسفرائینی سے کبروی سلسلہ میں باطنی
استفادہ کیا اور اجازت پائی شیخ اکبر کے وحدۃ الوجود کے نظریہ کے خلاف انہوں نے مسلسل
مناظرات جاری رکھے اور اپنے خطوط میں بھی جا بجا ذکر کیا، ان کے نزدیک سادک طریقت
کی انتہائی منزل "توحید" نہیں بلکہ "عبودیت" ہے ان کے ملفوظات ان کے مرید
اقبال ابن سائق سیستانی نے مرتب کئے جس کے کئی نسخے "چہل مجلس" یا ملفوظات
شیخ علاء الدولہ السمنانی وغیرہ کے ناموں سے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جامی
کے نفحات الانس ص ۵۰۴۔ ۵۰۵ کا بیشتر حصہ بھی انہی ملفوظات پر مبنی ہے^۲۔

وحدة الشہود

ہمارے علم و مطالعہ میں دو نامور شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کے یہاں وحدۃ الوجود

کے متوازی وحدۃ الشہود کا ذکر اور اس کی طرف اشارات ملتے ہیں، ان دونوں میں اختلافِ ذوق بلکہ نمایاں راستوں کے باوجود صرف ایک (حسن نیت، سلامت ذوق اور اخلاص) کی وحدت ہے جس پر ہدایت کے ابواب کے مفتوح ہونے کا وعدہ قرآنی "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے الفاظ ہیں، موجود ہے، ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ جو اصلاً محدث، متکلم اور فقیہ تھے، دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری جو اصلاً عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے، اول الذکر کی کتاب "العبودیت" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کے کوچہ سے آشنا ہیں، اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سالکین کو اثنائے سلوک میں یہ مقام پیش آتا ہے، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے تبعین کا ملین صحابہ کرام وغیرہم کی معرفت سے فروتر لیکن وحدۃ الوجود کے مقام سے بہتر و بلند تر ہے، لیکن چونکہ یہ ان کا اصل میدان نہیں اس لئے وہ صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

لیکن مخدوم بہاری (م ۱۳۷۷ھ) نے اپنے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا کہتے ہیں کہ "عام طور پر جس کو وحدۃ الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنا کا مل سمجھا جاتا ہے، وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے، جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں "نالودن دیگر و نایدین دیگر" کسی چیز کا معدوم و نالودہ ہو جانا اور چیز ہے، اور نظر نہ آنا اور چیز، اور فرماتے ہیں، یہ ایک ایسا نازک مقام ہے، جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑکے، اور توفیق الہی

اور خضر کمال کے بغیر جاوہ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کی تنقیح، اس سلسلہ میں اتمام حجت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سیر و سلوک کی ان پر خارا وادیوں اور ان اعلیٰ منازل سے گذر چکا ہو، دریاۓ حقیقت کا خواص ہو اور جو ان اعلیٰ تجربات کے موج اور طوفانی سمندر سے گذر کر ساحل حقیقت پر پہنچا ہو، وہ عدم علم کو عدم شئی کی دلیل نہ بنائے بلکہ ایک عینی مشاہد اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ یہ کہے کہ جہاں تک توحید و جود کا تعلق ہے۔

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ

ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدة الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک اثبات و نفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں۔

۱۔ وحدة الوجود کا مکمل اثبات اور یہ کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور تحقیق و معرفت کی

آخری منزل ہے۔

۲۔ وحدة الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم و خیال، قوت تخیل کی کار فرمائی اور باطنی

مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

۳۔ وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ اور یہ کہ حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے اور جو حقیقت نفس الامری ہے، وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً مفتی و معدوم ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں، لیکن واجب الوجود کے وجود حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں اور جس طرح ستارے آفتاب کے طلوع کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ کاذب نہیں ہوگا، اسی طرح موجودات اس وجود کامل حقیقی کے سامنے ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کا زنامہ

مجدد صاحب نے ان تین مسلوں کے مقابلہ میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ وحدۃ الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے اس کو عیاں و مشاہدۃ نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی وجود ہے باقی سب اس کی "تلبینات و تنوعات" ہیں، یا شیخ اکبر اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے بقول "تشریحات" ہیں۔

لیکن اگر توفیق الہی شامل حال اور شریعت کا چرلغ رہنا ہوتا ہے اور سالک کی ہمت بلند ہوتی ہے تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے اور وہ وحدۃ الشہود کی منزل ہے۔

اس طرح حضرت مجدد وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین و عارفین اور دقیقہ رس حکماء اور خواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار و شایع

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (جن کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالات روحانی کا انکار مکابرہ ہے) کے علم مقام مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کئے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں، اور ایک نئی یافت و دریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف عقیدہ جمہور مسلمین، کتاب و سنت اور شریعت حقہ کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف بے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات پر خط نسخ پھیرنے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس سے نصوص شرعیہ اصول قطعیہ اور سیر النفس و آفاق کے آخری کشوفات و تحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذاتی تجربہ و مشاہدہ

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد کے چند بلند پایہ مکتوبات کے (جو زیادہ واضح اور سہل الفہم ہیں) اقتباسات پڑھئے:-

اپنے روحانی ارتقاء اور وحدۃ الوجود کے مشرب و وحدۃ الشہود تک پہنچنے کا حال اپنے ایک اہل تعلق شیخ صوفی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”مخدوم مکرم! کمسنی سے اس فقیر کا اعتقاد اہل توحید کا مشرب تھا، فقیر کے والد قدس سرہ ظاہر اسی مشرب پر تھے، اور مستقلاً اسی طریق سے اشتغال رکھتے تھے،.....

بحکم ابن الفقیہ نصف الفقیہ“ فقیر کو بھی اس نسبت سے علمی طور پر حظ وافر حاصل تھا، اور

وہ اس میں بڑی لذت پاتا تھا، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد

پناہ، حقائق و معارف آگاہ مؤید الدین شیخ راشد رہنمائے راہ خدا محمد الباقی قدس سرہ کی

خدمت میں پہنچایا، اور آں جناب نے اس فقیر کو طریقہ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم دی، اور اس کے

حال پر توجہ ملیغ ملحوظ رکھی، اس طریق علیہ کے اشتغال و ممارست کے بعد تھوڑی مدت میں اس پر توحید و ہودی کا انکشاف ہوا، اور اس انکشاف میں ایک طرح کا غلو پیدا ہو گیا، اس مقام کے علوم و معارف کا بکثرت فیضان ہوا، اور اس مرتبہ کے دقائق میں شاید ہی کوئی بات رہی ہو جو منکشف نہ کر دی گئی ہو۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے نازک و دقیق علوم جیسا چاہئے تھا، سامنے آئے اور تجلی ذاتی جس کو صاحبِ فصوص نے بیان کیا ہے اور اس کا وہ انتہائی عروج حاصل ہوا جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ما بعد هذا لا عدم المحض ہے بھی شرف کیا گیا، اور اس تجلی کے وہ علوم و معارف جس کو شیخ خاتم الولاہیت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، تفصیل علم میں آئے، اس توحید میں شکر و غلبہ حال اس حد تک پہنچا کہ اپنے بعض عرائض میں جو حضرت خواجہ کو لکھے تھے، ایسے سکر کے اشعار لکھ دیئے۔

اس حال نے مدت مدید تک طول کھینچا اور مہینوں سے برسوں کی نوبت آئی کہ ناگاہ حضرت حق کی عنایت بے غایت نے دریکہ غیب سے منہ نکالا، وہ عرصہ ظہور میں آئی اور بے چونی و بے چگونگی لیس کشہ شئی کے چہرہ پر جو پردہ پڑا تھا، اس کو ہٹا دیا اور سابق کے وہ علوم جو اتحاد اور وحدۃ الوجود کی خبر دیتے تھے، رو بڑوال ہوئے اور احاطہ اور سر بیان اور قرب و معیت ذاتی جو اس مقام میں منکشف ہوئی تھی، رو پوش ہو گئی، اور یقین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ صانع جل شانہ، اس عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، اس کا احاطہ و قرب علمی ہے، جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے، "شک الله سبحانه" وہ پاک ذات کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں، وہ بے چون و بے چگون ہے، اور عالم سراسر اس داغ سے داغدار ہے، جو بے کیف ہے وہ باکیف کا عین اور مثل کیسے کہا جاسکتا ہے، واجب کو عین ممکن کیسے کہہ سکتے

ہیں؟ قدیم عین حادث کبھی نہیں ہو سکتا، ممتنع العدم عین جائز العدم نہیں ہو سکتا، انقلاب خالق محال ہے عقلاً و شرعاً اور ایک کا دوسرے پر محمول کرنا کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، اصل و راسا تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور ان کے تابعین ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور اس کو کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں سمجھتے، پھر اس کے باوجود احاطہ ذاتی اور قرب معیت ذاتی کو ثابت کرتے ہیں اس بارے میں صحیح بات وہی ہے جو علماء اہل سنت نے کہی ہے کہ سارا معاملہ قرب علمی اور احاطہ علمی کا ہے۔

مشرّب توحید و جود کی منافی ان علوم و معارف کے حصول کے زمانہ میں اس فقر پر سخت اضطراب کا زمانہ گذرا اس لئے کہ وہ اس توحید سے بالاتر کسی اور امر کو نہیں سمجھتا تھا وہ بڑے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو، یہاں تک کہ سارے جہاں جو اس حقیقت پر پڑے ہوئے تھے اٹھ گئے اور حقیقت نفس الامری منکشف ہو گئی، اور معلوم ہوا کہ عالم اگرچہ اللہ تعالیٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مظہر (آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے) وہ عین ظاہر (صاحب عکس) نہیں اور سایہ اپنی اصل کا (جس کا وہ سایہ ہے) عین نہیں ہو سکتا، جیسا کہ توحید و جود کی قائلوں کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے، مثلاً ایک جامع علوم و فنون عالم کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے کمالات گونا گوں کو عرصہ ظہور میں لائے، اور اپنے مخفی محاسن و کمالات کو منظر عام پر لائے تو اس نے حروف و اصوات کی ایجاد کی تاکہ ان کے آئینوں میں اپنے کمالات مخفی کو ظاہر کرے، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حروف و اصوات جو ان کمالات مخفی کی جلوہ گاہ اور آئینہ ہیں، ان کمالات کا عین یا ان کمالات کو محیط ہیں، یا ان کے قریب ہیں، یا معیت ذاتیہ رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوگی جو دال و مدلول کے

درمیان ہوتی ہے، حروف و اصوات ان کمالات کی دلیل ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں، اور جو نسبت پیدا ہوئی ہے، وہ وہی اور تخیلی ہے، فی الحقیقت ان نسبتوں (عینیت، اتحاد، احاطہ، قرب، معیت بالذات) میں سے کوئی بھی نسبت ثابت نہیں، لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حروف و اصوات کے درمیان ظاہر و منظر اور مدلول و دال ہونے کی نسبت متحقق ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں کو بعض عوارض کی بنا پر ان وہی نسبتوں کا حصول ہو جاتا ہے، لیکن نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے معز اور میرا ہیں، حق اور خلق کے درمیان بھی اس دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و منظریت کے سوا کوئی علاقہ نہیں..... بعض حضرات کو مراقبہ توحید کی کثرت ان وہی احکام کے لگانے کے باعث ہو جاتی ہے، ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں منقش ہو جاتی ہے، بعض دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کے اعادہ و تکرار سے ان احکام کا ایک طرح کا ذوق حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا سبب (اور وحدۃ الوجود کے قائل ہونے کا باعث) غلبہ محبت ہے، اس لئے کہ محبوب کی محبت کے غلبہ کی بنا پر محب کی نظر سے غیر محبوب نکل جاتا ہے اور وہ محبوب کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، واقعہ یہ نہیں ہے کہ نفس الامر میں غیر محبوب کا وجود نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مخالف حس و عقل و شرع ہے، اور کبھی یہی محبت احاطہ و قرب ذاتی کا حکم لگانے پر آمادہ کرتی ہے..... اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور احوال کے دائرہ میں داخل ہے، اگرچہ نفس الامر کے مطابق اور عقل کے موافق نہیں ہے، شریعت اور نفس الامر کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوشش تکلف محض ہے، غایت اسی الباب یہ خطائے کشفی ہے، جو خطائے اجتہادی کا حکم کہتی ہے کہ ملامت و عقاب اس سے اٹھ جاتا ہے، بلکہ ایک حیثیت کے حال و علوبیت ہونے کی وجہ سے اس کی تصویر کی جاسکتی ہے۔

توحید شہودی

ایک دوسرے مکتوب میں جو شیخ فرید بخاری کو لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں:-
 ”وہ توحید جو سلوک کے دوران حضرات صوفیاء کو حاصل ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں
 توحید شہودی و توحید وجودی، توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے
 ایک کے نہ ہو، اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔“
 آگے چل کر فرماتے ہیں:-

”مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین پیدا ہو گیا، اس یقین کا غلبہ اس بات کو
 مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت منتفی و معدوم جانے لیکن جس وقت کہ وہ آفتاب کو
 دیکھے گا ستاروں کو نہ دیکھے گا، اس کا مشہود سوائے آفتاب کے کوئی نہ ہوگا، اور جس وقت وہ
 ستاروں کو نہیں دیکھے گا، اس وقت بھی وہ جانے گا کہ ستارے معدوم نہیں ہیں، بلکہ وہ جانے گا کہ
 وہ ہیں لیکن مستور ہیں، اور آفتاب کی روشنی کے پر تو اور غلبہ سے مغلوب ہیں۔“
 آگے لکھتے ہیں:-

”حضرت قبلہ گا ہی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب
 رکھتے تھے، انھوں نے اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار بھی فرمایا ہے، لیکن آخر میں کمال
 عنایت خداوندی نے ان کو اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور ایسی شاہراہ پر ڈال دیا، جس سے
 اس معرفت کی تنگی سے خلاصی حاصل ہو گئی۔“
 ایک مکتوب میں شیخ اکبر اور ان کے قسبیین کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

”وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ خارج میں ایک ہی موجود ہے، اور بس! اور وہ ذات حق ہے، عالم کا خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں، البتہ وہ اس کے ثبوت علمی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ الأشیاء ما شئت رائحة الوجود“ (یعنی اشیاء خارجی نے ہستی اور وجود کی بوجہ نہیں سونگھی ہے) وہ عالم کو حق سبحانہ تعالیٰ کا ظل سمجھتے ہیں لیکن ان کے نزدیک یہ وجود ظلی محض مرتبہ جس میں ہے، نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔“

اسی مکتوب میں وحدۃ الوجود سے اپنی ترقی کی حکایت سناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
 ”راقم سطور اولاً توحید و جود کا عقیدہ رکھتا تھا، زمانہ طفولیت سے اس کو اس توحید کا علم حاصل تھا، اور اس کے دل میں اس کا یقین راسخ تھا، اگرچہ اس معاملہ میں اس وقت صاحب حال نہ تھا، اس نے راہ سلوک پر قدم رکھا تو اول (توحید و جود) کا طریق منکشف ہوا اور اس نے مدت تک اس مقام کے منازل و مراتب میں جولانی کی، اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے، اس پر فائز ہوئے، اور وہ مشکلات و واردات جو باب توحید پر وارد ہوتے ہیں، وہ ان مکاشفات اور علوم فیضانی سے حل ہوئے، ایک مدت کے بعد دوسری نسبت کا اس فقیر پر غلبہ ہوا، اور اس غلبہ کی حالت میں اس کو توحید و جود کے بارے میں توقف لاحق ہوا، لیکن یہ توقف حسن ظن کے ساتھ تھا، انکار کے ساتھ نہیں، مدت تک وہ متوقف رہا، آخر الامر معاملہ انکار تک پہنچ گیا، اور اس کو دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (وحدت و جود کی منزل) فروتر ہے، اور وہ مقام ظلیت تک پہنچا جو اس سے بالاتر ہے، اس انکار کے معاملہ میں وہ بے اختیار تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر نکلے اس لئے کہ بڑے بڑے مشائخ اسی مقام پر طرح اقامت ڈال چکے تھے، لیکن جب وہ مقام ظلیت تک

لے کتب بنام یار محمد ابجدید البخشى الطالقانی۔

پہونچا، اور اس نے اپنے کو اور عالم کو ظل یا یاقو اس کو یہ آرزو ہوئی کہ اس کو اس مقام سے جدا نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ کمال وحدۃ الوجود ہی میں سمجھتا تھا، اور یہ مقام فی الجملہ اس سے مناسبت رکھتا ہے لیکن تقدیری بات کہ کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس کو اس مقام سے بھی اوپر لے جایا گیا، اور مقام عبدیت تک پہونچایا گیا، اس وقت اس مقام کا کمال نظریں آیا، اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور وہ مقامات گذشتہ سے توبہ واستغفار کرنے لگا، اگر اس عاجز کو اس راستہ تک نہ لے جاتے اور ایک مقام کی دوسرے مقام پر فوقیت نہ ظاہر کرتے تو وہ اس مقام میں اپنا تنزل سمجھتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک توحید و جود ہی سے بالاتر کوئی مقام نہ تھا، **وَاللّٰهُ يَمْشِي فِي السَّمٰوٰتِ**۔

شیخ اکبر کے بارہ میں منصفانہ و معتدل مسلک

اس اختلاف کے باوجود شیخ اکبر کے بارے میں اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے، لیکن ان کے وہ علوم (جو جمہور کے عقائد اور کتاب سنت کے ظواہر کے خلاف ہیں) ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے..... لوگوں نے ان کے بارے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں ایک جماعت شیخ پر زبان طعن و ملامت دراز کرتی ہے، اور ان کے معارف و حقائق کی بھی تغلیط کرتی ہے، دوسری جماعت نے شیخ کی مکمل تقلید اختیار کی ہے، اور ان کے تمام معارف و حقائق کو برسر حق سمجھتی ہے، اور دلائل و شواہد سے ان کی حقیقت ثابت کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں..... عجیب معاملہ ہے کہ

۱۔ مکتوب منہ بنام شیخ یار محمد امجدید البخشى الطالقانی۔

شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں، اور ان کے اکثر معارف و تحقیقات جو اہل حق کے

خلاف ہیں خطا و ناصواب نظر آتے ہیں۔

ایک جگہ اپنا اور توحید و ہودی کے منکرین و مخالفین کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اس فقیر کا توحید و ہودی کے قائلین سے اختلاف کشف و شہود کی راہ سے ہے، علماء

ان امور (وحدۃ الوجود اور غیر الشر کے وجود کی مطلق نفی) کی قباحت کے قائل ہیں، اس

فقیر کو توحید و ہودی کے ان اقوال و احوال کے حسن میں کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ ان سے

عبور واقع ہو جائے۔“

توحید و ہودی کی مخالفت کی ضرورت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توحید و ہودی سلوک کی ایک منزل اور سالک کے لئے

ایک عبوری مرحلہ ہے جس پر سالکین و متہلکین کا ایک جم غفیر ہر زمانہ میں پہنچا ہے، ان میں

ایک بڑی جماعت اس مرحلہ پر پہنچ کر رک گئی، اور کسی کو توفیق الہی نے اس سے آگے

بڑھا کر توحید شہودی تک پہنچا دیا، تو اس میں کیا قباحت ہے، اور حضرت مجدد اس شہود

سے اس کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں اس زور و شور سے توحید

شہودی کے اثبات اور اس کی ترجیح پر کیوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توحید و ہودی کے قائلین اور اس کے مبلغوں اور داعیوں

میں (حضرت مجدد صاحب کے زمانہ میں بھی) ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی تھی جس نے

اپنے کو قیود شرعی اور فرائض و واجبات اسلامی سے آزاد سمجھ لیا تھا، اور یہ سمجھ کر کہ جب سب

لے مکتوب ۲۶۶ بنام حضرت خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ لے مکتوب ۲۶۷ بنام خواجہ جمال الدین حسین۔

حق کی طرف سے ہے بلکہ سب حق ہے تو پھر حق و باطل کی تفریق اور کفر و ایمان کے امتیاز کا کیا سوا؟
 انھوں نے شریعت اور اس پر عمل درآمد کو عوام کے درجہ کی ایک چیز سمجھ لیا تھا، ان کے نزدیک مقصود
 اصلی (توحید و جود) اس سے بلند تر مقام اور اس سے آگے کی منزل تھی جو کاملین راہ اور
 واصلین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے، دسویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدد کے ذہنی و روحانی
 ارتقاء کا زمانہ ہے اس توحید و جود کی کارنگ ہندوستان پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ عارفانہ ذوق
 رکھنے والے شعراء سب اسی کے گیت گاتے تھے اور کفر و ایمان کو مساوی قرار دیتے تھے بلکہ بعض وقتاً
 کفر کو ایمان پر ترجیح دینے کی سرحد میں داخل ہو جاتے تھے، اس زمانہ میں ایسے بہت سے اشعار
 زبان زد خلایق تھے جن میں صاف صاف یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً ۱۔

کفر و ایمان قرن یک و گرند

ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک کتاب میں لکھا گیا ہے۔

”پس ازین معنی اسلام در کفرست و کفر در اسلام یعنی تَوَخُّجُ اللَّیْلِ فِي النَّهَارِ
 وَ تَوَخُّجُ النَّهَارِ فِي اللَّیْلِ“ مراد از لیل کفرست و مراد از نہار اسلام۔

دوسری جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں ۲۔

عشق را با کافری خویشی بود

کافری در عین درویشی بود

۱۔ تیرہویں صدی ہجری کے اردو کے مشہور و مقبول شاعر مرزا غالب نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے۔

ہم موعد ہیں ہمارا کیش ہے ترک روم تمہیں عجب مت گئیں اجڑائے ایمان گوش

۲۔ رسالہ عشقہ ص ۱۷

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”العلم حجاب اکبر گشت، مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب اکبر ست، اس حجاب اکبر اگر ازمیاں مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد و عبارت خدائی و بندگی بر خیزد“^۱ مجدد صاحب کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی اور غیرت فاروقی کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا، اور جن کی ذات سے حدیث مشہور کی پیش گوئی کا ظہور ہونا مقدر ہو چکا تھا جس میں فرمایا گیا ہے کہ:-

محمل هذا العلم من كل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل متقی حال
عدو له يتفون عنه تعريفت	دورث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند
الغالين وانت حال المبطلين	لوگوں کی تحریف اہل باطل کے غلط انتساب
وتأويل الجاهلين ^۲	اور دعوے اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلات

کو دور کرتے رہیں گے۔

یہی چیز اس عقیدہ اور دعوت کی علمی و دینی احتساب کا باعث ہوئی جس کی تبلیغ و اشاعت میں اس عصر میں اور خاص طور پر ہندوستان میں پورے جوش و خروش اور عمومیت اور اطلاقیت سے کام لیا جا رہا تھا اور مجدد صاحب فرماتے تھے کہ اس کے اثر سے شریعت کی گرفت طبیعتوں پر سے ڈھیلی اور اس کا تقدس و احترام نگاہوں میں کم ہوتا جا رہا تھا، مجدد صاحب خود اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

اکثر ابناء ایں وقت بعضے تقلید	اکثر ابناء اے زمانہ بعض تقلید کی
بعضے بجز علم و بعضے دیگر بعلم ممتزج	بنا پر بعض محض اپنے علم کے زور پر

۲ مشکوٰۃ فصل ثانی۔ (کتاب العلم)

۱ رسالہ عشقہ ص ۷۳

بذوق و لونی اچلہ و لےٹے باسجاد و
زندہ دست بدامن این توحید و جودی
زده اند و ہمہ را از حق میدانند بلکہ
حق میدانند و گرد نہائے خود را
از ربقہ تکلیف شرعی با بجلہ میکشاید
و مداہنات ذرا احکام شرعیہ بنمایند
و باین معاملہ خوشوقت و خورنداند
و اتیان او امر شرعیہ را اگر اعتراض
دارند طفیلے میدانند مقصود اصلی
و رائے شریعت خیال می کنند حاشا و
کلام حاشا و کلام نحوذ یا اللہ سبحانہ
من هذا الاعتقاد السوء۔

اور بعض ایسے علم کی بنا پر جس میں ذوق
کی شمولیت ہے (خواہ کسی محدود مقدار
میں) اور بعض نے اسجاد و زندہ کی
بنا پر اس توحید و جودی کا دامن تھکا
یا ہے، اور وہ ہر چیز کو حق کی طرف سے
جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور
وہ اپنی گردنوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے
تکلیف شرعی کے طوق سے آزاد کر لیتے
ہیں اور احکام شرعیہ کے بائے میں
تساہل و مداہنت سے کام لیتے ہیں
اور اس معاملہ میں بڑے سرور اور
مطمئن نظر آتے ہیں، یہ لوگ و امر شرعیہ
پر عمل کرنے کی ضرورت کا اگر اعتراض
بھی کرتے ہیں تو اس کو ضمنی اور تبعی بنا
سمجھتے ہیں، وہ مقصود اصلی شریعت
کے ماوراء خیال کرتے ہیں حاشا و کلام
ثم حاشا و کلام اللہ تعالیٰ سے ایسے
اعتقاد فاسد سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی مکتوب میں ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا ہے:-

دریں زمان بسیارے ازیں طائفہ کہ
نبری صوفیاں خود را دای نمایند
توحید و جودی را شائع ساخته اند
کمال را جز آن نمی دانند و علم از عین
باز مانده اند و آن اقوال مشائخ را
بمعانی متخیله خود فرو آورده مقتدا
روزگار خود ساخته اند و بازار کاسد
خود را باین تخیلات رائج داشته
اند۔

اس زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے
ایسے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے
کو ظاہر کرتے ہیں توحید و جودی کا بزرگ
اعلان کرنے لگے ہیں اور اس کے سوا
وہ کسی چیز کو کمال نہیں جانتے، علم کے
ذریعہ حقیقت سے دور رہ گئے ہیں،
مشائخ کے اقوال کو اپنے ذہن کے
پیدا کئے ہوئے مضامین پر اتار لائے
ہیں اور ان کو اپنا مقتدی بنا رکھا
ہے اور ان تخیلات سے اپنے بازار
کا سد کو گرم کر رکھا ہے۔

مجدد صاحب کی انفرادیت و امتیاز

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ محض یہ نہیں ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے
مقبول عام نظریہ اور سکہ رائج الوقت کے متعلق ثابت کر دیا کہ وہ نقد کمال عبارت اور
سلوک و معرفت کی منزل آخری نہیں ہے، بلکہ اس باب میں ان کی انفرادیت و امتیاز کا
راز یہ ہے کہ انھوں نے اس پر اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تنقید کی اور

لہ ایضاً۔

یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اور اس کی تہ تک پہنچ کر ابھرے ہیں، اور
تائید الہی سے انھوں نے اپنے زورق معرفت و تحقیق کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے،
اور اس باب میں مشکل سے ان کا کوئی ہمسرا اور ہمسفر ملے گا، مغربی مصنف پیٹر ہارڈی
(PETER HARDY) نے جو ان مسائل میں سند کا درجہ نہیں رکھتا بہر حال یہ صحیح لکھا
ہے کہ:-

”شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندی اسلام کو
متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ
جس نظریہ کی انھوں نے تردید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی
طور پر عمیق ادراک تھا“

مجدد صاحب کے بعد توحید و جود کی بارے میں مشائخ و علماء کا ”مصالحانہ“ رویہ
قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جائے ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے
اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے بعد (ان کے اس
خاص سلسلہ کو چھوڑ کر جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے ذریعہ ہندوستان اور ہندوستان
کے باہر پھیلا) وحدۃ الوجود کے بارے میں وہ واضح قطعی اور فیصلہ کن رجحان او
وحدۃ الشہود پر وہ یقین و اذعان باقی نہیں رہا، جس کا مجدد صاحب نے علم بلند
کیا تھا، اور جس پر وہ علی وجہ البصیرۃ قائم اور اس کے داعی تھے، ان کی رحلت کے
بعد ہی سے تصوف و معرفت کے حلقوں میں اور بعض ان حلقوں میں بھی جو اپنا

ان کی طرف انتساب کرتے تھے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان مفاہمت و مطابقت کا رجحان نمایاں ہو گیا، اور بعض بلند پایہ علماء اور محققین نے یہاں تک لکھ دیا کہ یہ اختلاف محض نزاع لفظی تھا، بعض حضرات نے یہاں تک لکھا کہ مجدد صاحب سے اس بارہ میں تسامح ہوا اور شیخ اکبر کی تمام تصنیفات ان کی نظر سے نہیں گذریں، اسی بنا پر سلسلہ مجددیہ کے نامور شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر ان کے مرید رشید مولانا غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۰ھ) نے کلمۃ الحق کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مجدد صاحب کی تحقیق اور مسلک کو واضح و انگیزہ پر بیان کیا، اور اس تطبیقی رجحان کی تردید کی جو خود سلسلہ مجددیہ کے بعض حلقوں میں نظر آنے لگا تھا۔

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر

اس سلسلہ عالیہ میں مجدد صاحب کے بعد اگر کسی شیخ طریقت اور عارف و محقق کے یہاں وحدۃ الشہود کا واضح اور بے آمیز نظریہ اور تلقین پائی جاتی ہے اور وہ اس بارے میں حضرت مجدد کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں، تو وہ سلسلہ مجددیہ احسنیہ کے مشہور شیخ طریقت داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی (ش ۱۲۴۶ھ) ہیں، جن کے یہاں وحدۃ الوجود کی کوئی پرچھائیں اور

ملہ حضرت سید آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد کا مخصوص سلسلہ جو سلسلہ آدمیہ اور سلسلہ احسنیہ کہلا یا جاتا ہے۔

۱۲۔ یہ ان کے خاندانی ذوق کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے جد رابع حضرت شاہ سید علم اللہ، (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاویل و اعتذار کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔



(باقی صفحہ ۲۹۱ پر) حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ و ارشد ہیں اور فردان کے مقام تحقیق و اجتہاد کا بھی نتیجہ ہو سکتا ہے جس پر وہ فائز تھے۔

۱۔ ملاحظہ ہو صراطِ مستقیم ہدایتِ رالبعہ در بیان ثمراتِ حبِ مشقی افادہ ص ۱۲
مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور۔

باب ہفتم

اکبر سے جہانگیری تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جدوجہد

عہد اکبری و جہانگیری کے جراتمند اور حق گو علماء و مشائخ

قبل اس کے کہ ہم حضرت مجدد کی ان مساعی جمیلہ کا تذکرہ کریں جنہوں نے سلطنت کا رخ موڑ دیا، اس حقیقت کا اظہار ضروری اور قرن قیاس سمجھتے ہیں کہ دور اکبری کے متعلق یہ تخیل صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک شائتا تھا، اور اکبر کو اس کے طرز عمل پر ٹوکنے والا اور حدیث :-

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده

فان لم يستطع فليسانه، فان

لم يستطع فليقلبه وذلك

اضعت الايمان

تم میں سے جو کوئی خلاف شرع کام یا امر منکر دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دینا چاہئے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (اس کا انکار و تردید کرنی چاہئے) اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو دل سے اس کو بُرا سمجھنا چاہئے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

کے دوسرے اور تیسرے درجہ پر بھی کسی نے عمل نہیں کیا۔

عہد اکبری کے حسب ذیل حضرات کے متعلق تاریخ اور تذکروں میں شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اور اپنے امکان بھر اس صورت حال پر اپنی ناگواری اور اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کیا۔

شیخ ابراہیم محدث اکبر آبادی (م سن ۱۰۰۰ھ) ایک مرتبہ اکبر کے عبادت خانہ میں اس کی دعوت پر آئے اور بادشاہ کے لئے غیر شرعی آداب و تعظیم بجا نہیں لائے انھوں نے اپنی تقریر میں ترغیب و ترہیب کا کام لیا اور جلال شاہی سے ذرا مرعوب نہیں ہوئے شیخ حسین اجمیری جنھوں نے ۹۰۰ھ کے بعد وفات پائی، اکبر کے اجمیر آنے پر ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے، اکبر نے ان کو خانقاہ اور درگاہ کی تولیت سے معزول کیا اور حجاز چلے جانے کا حکم دیا، ہندوستان واپسی پر بھی انھوں نے سجدہ تعظیمی نہیں کیا، بادشاہ ناراض ہو گیا اور ان کو بکھر کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں وہ کئی سال تک رہے، رہائی پر بھی وہ آداب شاہی سے محترز رہے اور انھوں نے عطیہ سلطانی قبول کرنے سے انکار کیا، شیخ سلطان تھانیسری جو مقربین دربار میں سے تھے اور جنھوں نے بادشاہ کے حکم سے مہاراجہ رت کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ذبح گاؤ کے الزام میں بادشاہ کے معنوب بنے اور ان کو بکھر جلا وطن کر دیا گیا، پھر عبدالرحیم خان خاناں کی سفارش پر ان کو تھانیسری قیام کی اجازت دی گئی اور کروڑ گیری (تحصیل و صول) پر مامور کیا گیا، کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو پھر ان کی شکایات پہنچیں جو ان کے اسلامی طرز عمل پر مبنی تھیں اور اس نے سزائے موت کا حکم دیا یہ واقعہ سن ۱۰۰۰ھ کا ہے۔

۱۔ منتخب التواریخ، آپ حضرت مجدد کے خسر تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے جراتمندانہ اور مردانہ اقدام شہباز خاں کنبواہ (مشتاہ) کا ہے جو اکبر کے امراء کے بار میں تھے اور آخر میں میر بجٹی کے عہدہ سے سرفراز ہوئے وہ بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہے نہ انھوں نے وارٹھی کترائی نہ شراب کے قریب گئے نہ اکبر کے ایجاد کردہ دین الہی کی طرف میلان ظاہر کیا شاہ نواز خاں مصنف آثار الامراء کی روایت ہے کہ بادشاہ ایک دن عصر و مغرب کے درمیان فتح پور سیکری میں ایک تالاب کے کنارے سیر کر رہا تھا شہباز خاں حاضر تھے بادشاہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چیل قدم اور ان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا لوگوں کا خیال تھا کہ شہباز خاں بادشاہ سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑا سکتے اور آج ان کی مغرب کی نماز ضرور قضا ہوگی ان کا یہ بھی معمول تھا کہ عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے شہباز خاں نے جب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے تو انھوں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت مانگی بادشاہ نے ازراہ بے تکلفی کہا مجھے تنہا نہ چھوڑو نماز قضا کر لینا شہباز خاں نے اپنا ہاتھ چھوڑا لیا اور اپنی چادر زمین پر بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی نماز سے فارغ ہو کر اپنے روزمرہ کے اوراد میں مشغول ہو گئے بادشاہ ان کے سامنے کھڑا رہا اور سخت الفاظ کہتا رہا امیر ابوالفتح اور حکیم علی گیلانی اس موقع پر موجود تھے انھوں نے موقع کی نزاکت محسوس کی وہ آگے بڑھے اور بادشاہ کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ آخر ہم بھی تو توجہات شاہانہ کے مستحق ہیں؟ بادشاہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ شہباز خاں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گیا۔

شیخ عبد القادر اچھی بھی اتنی جبری لوگوں میں تھے جنھوں نے خلافت شرع امور میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی ایک دن بادشاہ نے افیون ان کو پیش کی انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا اس سے بادشاہ کو ناگواری ہوئی ایک دن وہ عبادت خانہ میں نماز فرض کے بعد

نوافل میں مشغول تھے کہ بادشاہ محل سے برآمد ہوا اس نے کہا کہ آپ کو نفلیں اپنے گھر میں پڑھنی چاہئیں، مولانا عبدالقادر نے جواب دیا کہ حضور والا! (یہاں عبادت خانہ میں) آپ کی سلطنت نہیں ہے، بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ آپ کو میری سلطنت گوارہ نہیں تو یہاں سے چلے جائیے وہ اسی وقت شہر اُچ کی طرف روانہ ہو گئے اور عبادت اور افادہ خلائق میں مشغول ہو گئے، انہی کے ہم نام شیخ عبدالقادر لاہوری (م ۱۰۲۲ھ) کو بھی اکبر کے حکم سے جو ان سے ان کی دینی صلاحیت کی بنا پر ناراض تھا، حجاز کا سفر کرنا پڑا، مرزا عمر بن الدین ہلوی کو کہ (م ۱۰۳۳ھ) جو اکبر کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی تھے اور جن سے اکبر کو بڑی محبت تھی، ... شرع اور دینی مسائل میں اکبر کا بالکل لحاظ نہیں کرتے تھے، اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، اسی بنا پر اکبر نے ان کو گجرات کی صوبیداری سے معزول کیا پھر بنگالہ اور بہار کی صوبیداری دی، اور خان اعظم کا خطاب دیا، لیکن اس تقرب کے باوجود انھوں نے سجدہ عظیمی ریش ترائی وغیرہ میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، انہی لوگوں میں شیخ منور عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۵۱ھ) بھی تھے، جن کو اکبر نے ۹۸۵ھ میں صدارت کے عہدہ پر مقرر کیا، لیکن وہ بھی اپنی دینی استقامت کی وجہ سے بادشاہ کے معنوب اور مورد غضب بنے، بادشاہ نے ان کے مال و املاک یہاں تک کتابوں تک کے ٹوٹ لینے کا حکم دیا، پھر اگرہ طلب کر کے ان کو سخت قید میں رکھا، اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

جہانگیر کی جانشینی عمل میں آئی تو عرصہ تک عہد اکبری کے رسوم و آئین جاری رہے، اسلام کی علانیہ مخالفت چھوڑ کر باقی وہی طور طریقہ سلطنت میں رائج تھے، اور اس وقت تک رائج رہے، جب تک کہ جہانگیر کا خود میلان شرع محمدی کی تعظیم اور شعائر اسلام کے احترام کی نظر

لے یہ سب نام اور اکبر کی مخالفت کے واقعات "نزہۃ الخواطر" ج ۲ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا، اس دور میں بھی متعدد علماء و مشائخ نے خطرہ مول لے کر ان خلاف شرع بلکہ منافی دین و شریعت، آداب و رسوم کے ادا کرنے سے انکار کیا، شریعت کے حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کلمہ حق کہنے سے دریغ نہیں کیا، انہی میں ہندوستان کے شمال مغربی حدود کے ایک صاحب طریقت بزرگ احمد بن محمد بن ایباس حسینی غرغشتی تھے جن کو جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، انھوں نے آداب و رسوم کے مطابق سلام و آداب بجالانے سے انکار کر دیا، جہانگیر نے ان کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا، جہاں وہ تین سال تک رہے پھر ششما میں ان کو آزادی کا پروانہ ملا، اور جہانگیر ان کو اپنے ساتھ آگرہ لایا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطنت کی بے راہ روی کی منظم مخالفت اور اس کو راہ راست پر لانے کی کمل اور حکیمانہ کوشش کا سہرا حضرت مجدد کے سر ہے اور حفاظت دین اور نصرت اسلام و مسلمین کا کارنامہ انہی کے لئے مقدر تھا، اور انہی نے اس کو تکمیل تک پہنچا کر ہندوستان میں وہ خاموش انقلاب برپا کیا جس کی نظیر دوسرے اسلامی ملکوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے اور جس کے نتیجے میں اکبر کے بعد سلطنت مغلیہ کے تحت پر جو فرمانروا آیا وہ اپنے پیشرو سے بہتر اسلام کی مخالفت کے جرائم سے محفوظ اور دین کے احترام اور حمیت اسلام میں فائق و ممتاز تھا، یہاں تک کہ اس سلسلہ زریں کی تکمیل محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی ذات پر ہوئی۔

جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحب کے اصلاح سلطنت کے کام کا آغاز
جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال (ششما کو) ہوا، اس وقت حضرت مجدد کی عمر

تینتالیس سال کی تھی، اکبر کی سلطنت کا آخری دور جس میں ہندوستان میں اسلام کی باعزت زندگی، آزادی اور اس ملک میں غالب و بااقتدار رہنے کے لئے کھلا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، مجدد صاحب کے روحانی تکمیل و ارتقاء کا زمانہ تھا، ارکان سلطنت سے ان کے کوئی مراسم و تعلقات نہیں تھے، اور نہ ابھی وہ وقت آیا تھا کہ وہ ان کے علوم مرتبہ، اخلاص و لہیت اور باطنی کمالات سے واقف ہوں، اس لئے حقیقت میں وہ سرابا تھ میں نہیں آیا تھا، جس سے وہ دربار شاہی تک اپنے احساسات و تاثرات پہنچا سکتے، یا دین و آئین کے بارے میں حکومت کی عام پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے، اس وقت فرمانروائے سلطنت کے مزاج و مذاق سرکار دربار اور نظم و نسق پر وہ لوگ حاوی تھے، جو کسی مخلص و دیندار کو بادشاہ کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، اور انھوں نے اس کے گرد ایک ایسا آہنی حصار قائم کر رکھا تھا، جس سے باہر کی تازہ اور بے آمیز ہوا کا کوئی جھونکا اور اہل ملک کی پسند و ناپسند کا کوئی اندازہ اندر نہیں آ سکتا تھا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا اس وسیع ملک میں جہاں ان کی آزاد سلطنتیں تسلسل کے ساتھ قائم رہ چکی تھیں، وہی حال تھا، جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

صَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور

وَصَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے، اور انھوں نے

أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۖ سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں

لی سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے (التوبہ - ۱۱۸)

لیکن جہانگیر کی تخت نشینی (۱۵۸۵ء) پر یہ صورت باقی نہیں رہی، جہانگیر کے اندر اگر

(اس مخصوص تعلیم و تربیت کی بنا پر جو اس نے باپ کے زیر سایہ پائی تھی) کوئی نمایاں دینی صلاح

تشرع، فرائض اسلام کی پابندی اور کھلا ہوا دینی رجحان نہیں پایا جاتا تھا تو اس کے اندر اسلام سے کوئی بُعد و وحشت کسی دوسرے مذہبی فلسفہ یا قومی تہذیب سے مرعوبیت اور شغلی اور کسی نئے دین و آئین کے اجراء کا شوق بھی نہیں پایا جاتا تھا، دوسرے لفظوں میں اگر وہ حاکم اسلام نہیں تھا تو ماحی اسلام بھی نہیں تھا، عام طور پر جو صاحب تخت و تاج فرمانروا عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ کسی مقبول عام نظام کے ازالہ اور یخ اور کسی نئے نظام کے اجراء کا درد سہمول نہیں لیتے، وہ صرف کام و دہن کی لذت اور حکومت و اقتدار کی عزت سے سروکار رکھتے ہیں، عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے اندر ان ہستیوں کے ساتھ ایک مخفی عقیدت اور احترام پایا جاتا ہے، جو اس مادی سطح سے بلند اور ان دنیاوی مظاہر مناصب سے مستغنی ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کسی منصب کے مدعی یا کسی نئی تحریک و فلسفہ کے داعی ہوتے ہیں، ان میں قبول حق کی زیادہ استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے۔

جہاں گیر فرمانروایان سلطنت کی اسی قسم سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ جب تخت سلطنت پر شکن ہوا تو اہل نظر نے سمجھ لیا کہ اب سلطنت کا رخ بدلنے اور تدریجی طور پر اس کو راہ راست پر لانے کا وقت آگیا ہے۔

صحیح طریق کار

اس وقت حضرت مجدد اور ان سب حضرات کے لئے جو علم دین اور کمال باطن سے آراستہ، خود مشغول اور سیر فی الشر کی دولت سے مالا مال اور دینی حمیت و غیرت کے نشہ سے سرشار تھے، اس صورت حال کے سامنے جو اس وقت قلم و سلطنت پر سایہ فگن تھی، تین راستے تھے۔

۱۔ سلطنت اور ملک کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لئے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب جہاں اطمینان کے ساتھ یادِ خدا میں مشغولی، طالبین کی تربیت اور ذکر و عبادت کی کیسوئی اور سرگرمی میسر آسکتی تھی، یہ وہ طرزِ عمل تھا، جو حضرت مجدد کے عہد میں مسیوئوں بلکہ صدباء علماء و شائخ نے اختیار کیا، ملک کے چپے چپے پران کی خانقاہیں تھیں، اور وہ پوری کیسوئی اور خاموشی کے ساتھ کام کر رہے تھے، اور خلقِ خدا کو ان سے بیش بہا روحانی و ایمانی فوائد پہنچ رہے تھے۔

۲۔ ہندوستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے فرمانروا کو (جس کو صرف مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کا شرف حاصل تھا) اسلام کا مخالف اور موافق سمجھ کر (جس کے ثبوت کے لئے بہت سے آئین و ضوابط اور ذاتی اعمال و اخلاق مل سکتے تھے) اس کی اصلاح سے یکسر بالویں ہو جانا اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لینا اور اسلام کا اس کے مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی۔ اور اگر اس سے کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورت حال سے بیزار، معتقدین و مریدین و رفقاء کو مجتمع کرنا اور کسی فوجی و سیاسی کارروائی کے ذریعہ سلطنت میں انقلاب لانا اور تخت سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو (خواہ وہ خاندانِ مغلیہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور بابر کی اولاد میں ہو) بٹھانے کی کوشش کرنا جو پوری سلطنت کا رخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی ہو جائے۔

۳۔ ارکان سلطنت و امراء دربار سے تعلقات پیدا کر کے اور جن سے پہلے سے تعلق ہے، اور وہ آپ کی ذات سے عقیدت اور آپ کے خلوص اور دلسوزی پر پورا اعتماد رکھتے ہیں، ان میں دینی جذبہ اور حمیت ابھار کر اور ان کے دلوں کے خاکستر میں جو ایمانی چنگاریاں

دلی ہوئی ہیں ان کو فروزاں کر کے بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرنا اس کی رگ سلامت کو
 جو اپنے باایمان اسلاف اجداد سے اس کو ورثہ میں ملی ہے، جنبش میں لانا، اس کو اسلام کی حمایت
 مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر طرح کے
 جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنا، مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا،
 سلطنت کو اہل سلطنت اور مناصب و مراتب کو اہل مناصب و مراتب کے حوالہ کرنا، ایسی
 عالی نظری اور بے لوثی کا اظہار کہ کوئی شدید سے شدید مخالفت اور حاسد بھی جاہ طلبی یا
 حصول اقتدار کی نہمت نہ لگا سکے اور کوئی مخالفانہ سازش بھی اس سلسلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔
 جہاں تک پہلے نمبر کا تعلق ہے، وہ حضرت مجددی افتاد طبع، ان کی شان عزیمت
 اور اس رفیع منصب سے جس سے اللہ نے ان کو سرفراز کیا تھا، کوئی مناسبت نہیں رکھتا،
 حضرت مجدد کو اپنی باطنی تکمیل و تربیت کے بعد ہی اس بات کا اذعان پیدا ہو گیا تھا کہ
 اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دوسرا ہی کام لینا منظور ہے، اور وہ محض لازمی و انفرادی عبادات
 و ترقیات اور پیری و مریدی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، انھوں نے اپنے سلسلہ ہی کے ایک
 رفیع المرتبت شیخ اور امام سلسلہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کا یہ مقولہ نقل
 کر کے "حدیث دیگران" میں "سردلبران" کہہ دیا ہے کہ حضرت خواجہ احرار فرماتے تھے :-

اگر من شیخی کنم ہیچ در عالم مرید نیابد	اگر میں خالی پیری مریدی کرنے پر
امام مرا کار دیگر فرمودہ اند و آن ترویج	آجاؤں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید
شرعیّت و تائید ملت است۔	نہ لے لیکن خدا نے مجھے کچھ اور ہی
	کام سپرد کیا ہے، اور وہ ترویج شرعیّت
	اور تائید ملت ہے۔

پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

لاہرم بصحت سلاطین می رفتند و آپ بادشاہوں کی مجلسوں میں تشریف
بتصرف خود ایشان را منقاد می لے جاتے تھے، اور اپنی قوت باطنی اور
ساختند و بتوسل ایشان ترویج تاثیر روحانی سے ان کو اپنا مطیع و
شرعیات می فرمودند۔ متقاد بنالیتے تھے، پھر ان کے ذریعہ
شرعیات کو رواج دیتے تھے۔

جہاں تک نمبر دو کا تعلق ہے، یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی
یا قائد کا طرز عمل ہو سکتا ہے، جو اپنا کام شک و بدگمانی سے شروع کرتا ہے، اور اپنی محبت
پسندی، حکمت و دعوت اور جذبہ خیر خواہی و نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دینے کے نتیجہ میں
حکومت و اقتدار کو اپنا حریف اور مد مقابل بنا لیتا ہے، اور دین کے غلبہ کے امکانات
اور میدان کو اور زیادہ تنگ کر لیتا ہے، ایک داعی الی اللہ اور مؤید من اللہ کا طریق کار
نہیں ہوتا جس کا مقصد اپنی ذات یا جماعت کے لئے حصول اقتدار نہیں صرف دین کا
غلبہ اور احکام شریعت کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے، خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

جہاں تک عملی اقدام کا تعلق ہے، وہ سخت خطرات سے بھرا ہوا تھا، اور ہندوستان
کے اس وقت کے سیاسی نقشہ اور ماحول میں اسلام کے بارے میں ایک طرح سے خود کشی
کا اقدام تھا، سلطنت مغلیہ میں جس کو بابر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے قائم کیا تھا، ہمایوں
نے اس کے لئے ایران کا ہفت خواں طے کیا تھا، اور اکبر نے اپنی پے درپے فتوحات اور
تسخیر ملک سے اس کو مستحکم کیا تھا، ابھی تک صنعت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے،

۱۵ مکتوبات و فتاویٰ مکتوب ۶۵ بنام خان اعظم

شیر شاہ سوری جیسے اولوالعزم بادشاہ کا جانشین سلیم شاہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا مختلف وقتوں میں ملک میں رونما ہونے والی بغاوتیں سب ناکام ہو چکی تھیں، پھر اگر مغل فرمانروا کو تخت سلطنت سے اتارنے کی کوشش کامیاب بھی ہو جاتی تو اس کا قوی اندیشہ تھا کہ راجپوت جٹھوں نے اکبر کے زمانہ میں خاص طور پر اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے، اور جن کی فوجی طاقت خود فرمانروائے سلطنت کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سرمایہ تھا، حکومت پر حاوی ہو جاتے، اور اس ملک میں مسلم اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا تھا۔

پھر یہ تجربہ اس سے پہلے ناکام ہو چکا تھا، اکبر کے زمانہ میں شیخ بایزید کی جو سیر روشن اور پیر تاریک کے متضاد ناموں سے مشہور ہیں، قیادت میں ایک بڑی دینی تحریک اور تنظیم فرقہ روشنائیہ کے نام سے شروع ہوئی تھی، اس نے سالہا سال سلطنت مغلیہ کی افواج قاہرہ کا پامردی سے مقابلہ کیا، اس نے کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درہ خیبر پر بھی قبضہ جمایا اور قرب جوار کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہوئی، اکبر نے ان کے مقابلہ کے لئے راجہ مان سنگھ اور راجہ بیرل اوڑھ زین خاں کو بھیجا، لیکن وہ سب ناکام رہے، بیرل ایک مقابلہ میں مارا گیا، روشنائیوں نے ایک بڑے لشکر کی مدد سے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا، یہ فتنہ جہانگیر کے عہد ہی میں فرو ہو سکا اور اس کا پورا خاتمہ شاہجہاں کے زمانہ میں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود اس بغاوت کا سوا انتشار کے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر اس کو منظم و مستحکم مغل سلطنت کے سامنے سپردالنی پڑی اور تاریخ میں صرف اس کا نام رہ گیا۔

اس طرح کے فوجی اقدامات جو کسی اصلاح کے نام سے کئے جاتے ہیں سلطنتوں اور اصحاب اقتدار کی مختلف بدگمانیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں، اور وہ دین کو اپنا حریف و رقیب سمجھ کر اس کے استئصال اور اس کے ہم خیالوں اور پیروں کی تلاش و جستجو کر کے

ان کا قلع قمع کرنے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، غالباً اسی بنا پر گوالیار کی اسیری اور لشکر کی ہمراہی سے رہائی پانے کے چار پانچ سال بعد ۱۰۳۵ھ میں عہد جہانگیری کے مشہور امیر وزیر مہابت خاں نے بغاوت کی تو اہل بصیرت نے اس کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی، مجدد صاحب کی فراست ایمانی کی بہت بڑی دلیل اور توفیق الہی کا یہ روشن ثبوت تھا کہ انھوں نے حالات میں انقلاب لانے کے لئے پرخطر اور مشتبہ راستہ اختیار نہیں کیا اور تخریب کے بجائے تعمیر نفی کے بجائے اثبات و ایجاب اور ازالہ کے بجائے امانہ کا راستہ اختیار کیا جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور ایک بے ضرر راستہ تھا۔

اب مجدد صاحب کے سامنے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا، اور وہ یہی کہ ان ارکان سلطنت سے رابطہ قائم کریں جو بہر حال مسلمان تھے، حضرت مجدد صاحب کو اپنی گہری واقفیت اور خدا واد ذہانت سے معلوم تھا کہ دور اکبری کے مخالف اسلام منصوبہ میں وہ شریک نہیں تھے، وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے لیکن مجبور تھے، ان میں متعدد اسلام کی محبت اور دین کی حمیت سے بھی خالی نہ تھے، ان میں سے کئی ان کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ اور خود ان سے اگر ارادت کا نہیں تو محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے، وہ حضرت مجدد کے اخلاص و بے غرضی اور اسلام کے لئے دلسوزی اور درد مندی سے واقف تھے، ان میں حسب ذیل حضرات ممتاز تھے، نواب سید مرتضیٰ عروت شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) خان اعظم مرزا کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) خان جہاں لودھی (م ۱۰۳۴ھ) صدر جہاں پہانوی (م ۱۰۳۴ھ) لالہ بیگ جہانگیری۔

ہرچہ از دل برخیزد بر دل ریزد

مجدد صاحب نے انھیں امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا،

ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحہ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے، یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر و قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے مجموعہ میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دلآویزی پائی جاتی ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مکتوب الہیم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا، حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصدان کے زخمی دل کے صریح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے نختہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔

امراء سلطنت کے نام تحریری و دعوتی خطوط

ان تحریری و دعوتی خطوط کی ایک بڑی تعداد نواب سید فرید کے نام ہے جو ارکان سلطنت

لے مکتوبات کے ادبی پایہ اور حیثیت کے متعلق مصنف کا وہ تبصرہ دوبارہ پڑھ لیا جائے جو اس نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ سوم میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات و مکتوبات امام ربانی کے ذیل میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم صفحہ ۲۴۵-۲۴۶

لے امیر کبیر نواب مرتضیٰ ابن احمد بخاری معروف بسید فرید کی شخصیت عجیب جامع کمالات و مختلف ابھارات تھی، سیاست و انتظام، سخاوت و کرم، تواضع و اخلاق، دین و اہل دین سے محبت اور عالی ہمتی اور بلند نظری کا عجیب نمونہ، عہد اکبری ہی میں میر بخشی گری کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو ان کے منصب

میں اضافہ کیا اور صاحب سیف و قلم اور مرتضیٰ خاں کا لقب دیا اور پہلے گجرات کا پھر پنجاب کا صوبیدار بنایا (باقی صفحہ ۳۰۴)

اور صوبیدارانِ مملکت میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور اکبر کے عہد سلطنت سے سلطنت کے مقرب و معتمد علیہ تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ان کی سیادت اور دینی حمیت سے حضرت مجدد نے فائدہ اٹھا کر اور اس کا واسطہ دے کر ان کو اپنا فرض دینی اور خاندانی ادا کرنے پر آمادہ کیا اور یہ کہ وہ جہانگیر کو نیک مشورہ دے کر سلطنت کا رخ اکبر کے ڈالے ہوئے راستے پر چلتے رہنے اور اسلام کے تقاضوں سے چشم پوشی اور بے تعلقی، اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی سے حمایت دین اور شعائر و احکام اسلام کے احترام کی طرف موڑنے کی کوشش کریں۔

افسوس ہے کہ ان مکاتیب پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے، ورنہ حکمت دعوت اور تدریجی ارتقاء کے کئی اہم گوشے سامنے آتے اور معلوم ہوتا کہ آپ نے کس طرح اپنے مکتوب الیہ اور مکتوب الیہ نے کس طرح بادشاہ کو پھر بادشاہ نے کس طرح سلطنت کے رخ کو حمایت اسلام کے راستے پر ڈالا، اور پچھلی حکومت کے اثرات کس طرح بتدریج مضمحل ہونے اور ان کی جگہ اسلام دوستی اور اسلام شناسی نے لینا شروع کیا، ہم اپنے اندازہ کے مطابق ان خطوط کے اقتباسات کو کسی قدر ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نواب سید فرید بخاری کے ایک مکتوب میں جو غالباً جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی

(باقی صفحہ ۳۰۵ کا) جس پر وہ مدۃ العرفاء لکھا ہے، جو دہلی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، کبھی اپنے کپڑے تکتا تاکر سائلوں کو دے دیتے تھے، بیواؤں، یتیموں اور اہل حاجت کے روزیہ اور سالانہ مقرر کر رکھے تھے، یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح شفقت کرتے، شادی کے قابل غریب لڑکیوں کی شادی اور جہیز کا انتظام کرنا ان کا محبوب ترین شغل تھا، ان کے دسترخوان پر ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے قریب روزانہ کھانا کھاتے، شہر فرید آباد انہی کے نام سے

نسب ہے۔ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی (نزدیکہ انخواطرح ۵ مختصراً)۔

لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

اپنے آباء کے کرام اور خاص طور پر پیداکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جاوید ستقیم ثبوت قدا رہنے کی دعا دینے کے بعد لکھتے ہیں:-

”بادشاہ کو عالم سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن سے ہے، اگر دل صحیح و صاخر ہے تو بدن بھی صحیح و صاخر ہوگا، اور اگر وہ فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہوگا، بادشاہ کا صلاح عالم کا صلاح ہے اور اس کا فساد عالم کا فساد ہے۔“

آپ کو خوب معلوم ہے کہ قرن ماضی (عہد اکبری) میں اہل اسلام کے سر پر سے کیا مصیبت گذر گئی، اس سے پہلے کی صدیوں میں غربت اسلام کے باوجود اہل اسلام کی ذلت و خواری اس سے زیادہ نہ ہوئی تھی، اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور اہل کفر اپنے طریق پر، ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ لیکن قرن ماضی میں اہل کفر غالب آکر بر ملا دارالاسلام میں احکام کفر کا اجراء کرتے تھے، اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے بھی مجبور تھے، اگر کوئی ہمت بھی کرتا تھا تو موت کی سزا پاتا تھا، ”وَأَصِيبْتَنَّا، وَأَحْزَنَّا، وَأَحْزَنَّا“ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (جو محبوب رب العالمین ہیں) ماننے والے ذلیل و خوار تھے، اور آپ کے نبوت کا انکار کرنے والے باعزت و باعتبار مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی نور خوانی میں مصروف تھے اور معاندین تسخرو استہزاء کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے، آفتاب ہدایت گمراہی کے پردہ میں مستور اور نور حق باطل کے حجابات میں مخفی اور روپوش تھا۔

آج جبکہ اسلام کے غلبہ و اقبال سے جو چیز مانع تھی، اس کے دور ہو جانے اور بادشاہ

اسلام کے سر پر آرائے سلطنت ہونے کا مژدہ خاص و عام کے کانوں تک پہنچا ہے اہل اسلام

نے اپنی ذمہ ضروری سمجھا کہ وہ بادشاہ کے مدد و معاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کا راستہ دکھائیں، یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔

پھر چند سطروں کے بعد گزشتہ عہد کے مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”قرن ماضی میں جو مصیبت بھی سر پر آئی وہ علماء سوء کی جماعت کی نحوست سے

پیش آئی، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں، ملت میں جو بہتر فرقے بنے اور

انہوں نے جو راہ ضلالت اختیار کی ان کے مقتدی یہی علماء سوء تھے، علماء میں سے کم ایسے

گمراہ ہوں گے جن کی ضلالت دوسروں پر اثر کرے اس زمانہ کے اکثر جہلاء صوفی نا بھی علماء

سوء کا اثر رکھتے ہیں، ان کا فساد بھی متعدی فساد ہے، اگر کوئی شخص اس کا رخص (اعانت دین)

میں اعانت دین کی استطاعت رکھتا ہے، اگر اس میں کوتاہی سے کام لیتا ہے، اور کارخانہ

اسلام میں فتور واقع ہوتا ہے وہ کوتاہی کرنے والا بھی قابل شکایت ہوگا، اس بنا پر یہ

حقیر قلیل البصاعت بھی چاہتا ہے کہ وہ سلطنت اسلام کی مدد کرنے والوں کے جرگہ

میں شامل ہوا اور اپنی بساط بھر ہاتھ پاؤں مارے کہ ”من کثر سواد قوم فهو منهم“ کیا

عجب ہے کہ اس بے استطاعت کو اس عالی جماعت میں شامل کر لے، وہ اپنی مثال اس

ضعیف کی طرح سمجھتا ہے جس نے کچھ رتیاں بٹ کر اپنے کو خریداران یوسف کے سلک میں

منسلک کرنا چاہا تھا، امید ہے کہ جلد ہی یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، آپ سے

اس کی توقع ہے کہ چونکہ آپ کو بادشاہ کا قرب خاص حاصل ہے، اور ان باتوں کے گوش گزار

کرنے کے مواقع میسر ہیں، خلوت و جلوت میں شریعت محمدی کی ترویج کی کوشش کریں گے

اور مسلمانوں کو اس غربت و بیکسی سے نکالیں گے۔

سید فرید کے نام ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس وقت غریب اہل اسلام جو اس گرداب میں گرفتار ہیں، نجات کی امید اہل بیت ہی کے سفینہ سے لگائے ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”مثل اہل بیتی مکتل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنها ہلک“ ہمت عالی کو اس مقصد عالی پر مرکوز کر دیں کہ یہ سعادت عظمیٰ ہاتھ آئے اللہ کی عنایت سے ہر طرح کا جاہ و جلال اور عظمت و شوکت آپ کو میسر ہے، اس شرف ذاتی (سیادت خاندانی) کے ساتھ اگر یہ سعادت بھی شامل ہو جائے تو سب سعادت مندوں سے بازی لے جائیں، یہ جیسا اسی طرح کی باتوں کے عرض معروض کے لئے جن کا مقصد تائید و ترویج شریعت ہے، آپ کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

ایک تیسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:-

”سیادت پناہ لکھنا! آج کے دن اسلام بڑا بیکس اور غریب الوطن ہے، ایک پیہ بھی جو اس وقت اسلام کی تقویت میں صرف کیا جائیگا، کروڑوں میں خریداجائے گا، دیکھا چاہئے کہ کون شہباز ہے جس کو اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرمائیں گے، ترویج دین و تقویت ملت کا کام جس زمانہ میں جس شخص سے بھی وقوع میں آئے مستحسن ہے اور خوشنما، لیکن اس وقت اسلام غریب الوطن ہے، اور آپ جیسے سادات سے زیارت و رعنا تر ہے کہ یہ دولت آپ کے خاندان کے لئے خانہ زاد ہے، آپ کے لئے وہ بالذات ہے، اور دوسروں کے لئے بالواسطہ، اس سعادت کے حصول میں اپنے جدا مجد کا وارث ہونا بڑی قیمت رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ایسے زمانہ

میں ہو کہ اوامرو نواہی کا دسواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ، تمہارے بعد ایک گروہ ایسا آئے گا کہ اگر اوامرو نواہی کے دسویں حصہ پر عمل کریں گے تو نجات پائیں گے، یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ گروہ وہی گروہ ہے۔

گوئے توفیق وسعدت دریاں افگندہ اند

کس بہ میدان در نمی آید سواراں را پر شد

سید فرید کے بعد حضرت مجدد کی نظر انتخاب سلطنت مغلیہ کے دوسرے رکن رکن خان ^{عظم} پر پڑی جو شاہی خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، جہانگیر کو بھی ان کی اہمیت و قدر و منزلت کا احساس تھا، مشائخ نقشبندیہ سے بھی ان کو عقیدت و محبت تھی، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ہی غالباً حضرت مجدد نے ان کو مکتوب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

”أبداً کم الله سبحانه ونصرکم علی أعداء الاسلام فی إعلاء الاسلام“ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ”الاسلام بدأ غریباً وسیعود کمابداً فطوبی للغریاء“ (اسلام کا آغاز مسافرانہ سبکی سے ہوا، اور پھر وہ اسی مسافرانہ سبکی کو پہنچ جائے گا تو مبارک ہو

لے مرزا عزیز الدین نام اکبر کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے کوکا خطاب تھا، غزنی پھر دہلی وطن نقباء، ۹۸ھ میں گجرات کے صوبیدار تھے ان کو محمد حسین مرزا کے محاصرہ سے چھڑانے کے لئے اکبر نے آگرہ سے احمد آباد ایک ہزار چار سو میل کا سفر نو دن میں کیا، گجرات کے بعد بنگال و بہار کے صوبیدار ہوئے خان اعظم خطاب ملا، دوبارہ ۹۹ھ میں گجرات کی صوبیداری ملی، اس قرب و اختصاص کے باوجود اکبر کے غیر شرعی امور پر صاف صاف نکیر کرتے تھے، اس کے باوجود مہر شاہی مہر لوزک ان کے سپرد کی گئی، اور ان کو وکیل مطلق کا عہدہ دیا گیا، جہانگیر نے بھی اہم مناصب حکومت سپرد کئے اور گجرات کی صوبیداری عطا کی، ۱۰۳۳ھ

میں انتقال کیا (نزہۃ الخواطر مختصراً)۔

ان لوگوں کو جو اس کے شریک حال ہوں (اسلام کی سبکیسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار
بر ملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تکلف احکام کفر کے اجراء اور
کوچہ و بازار میں اس کی مدح و ثنا سے نہیں شرماتے اس کے مقابلہ میں مسلمان احکام اسلام
کے اجراء سے مجبور اور اگر ان پر عمل کر لیتے ہیں تو مذموم و مطعون ہوتے ہیں۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بواجبی است»

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”آج کے دن جناب کی ہستی کو ہم معتقن سمجھتے ہیں اور ہاری ہوئی بازی میں آپ کے سوا
کسی کو مرد میدان نہیں پاتے اللہ آپ کا مؤید و ناصر ہو“ بحرمة النبی وآلہ الأعباد علیہ وعلیہم
الصلوات والتحمیات والتسلیمات والبرکات“ حدیث میں آتا ہے ”لن یومن احدکم حتی یقاتل
انہ مجنون“ اس وقت وہ جنون جس کا مبنیٰ فرط غیرت اسلام ہے آپ ہی کی طبیعت میں
محسوس ہوتا ہے الحمد للہ سبحانہ علی ذلک“ آج کا دن وہ دن ہے کہ عمل قلیل کو اجر جزیل
کے بدلہ میں بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں، اصحاب کہف سے سوائے علیؑ ہجرت کے
کوئی اور نمایاں عمل ثابت نہیں جس کو اتنی اہمیت دی جائے دشمنوں کے غلبہ کے وقت
اگر وفادار سپاہی تھوڑی سی مستعدی دکھائیں تو بڑی عزت پاتے ہیں، بخلاف اس وقت کہ
جب امن کا زمانہ ہوتا ہے اور دشمن اپنی جگہ پر ہوتے ہیں، جہاد قوی کا یہ موقع جو آج
آپ کو میسر ہے، جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت سمجھئے اور مصلحت مزید کہئے، اس جہاد
لسان کو جہاد سیف و سنان سے بھی اس وقت افضل سمجھیں ہم فقیر لوگ بے دست و پا
اس دولت سے محروم ہیں۔

هنيئا للأمر باب النعيم نعيمها وللعاشق المسكين ما يتجسر
 دادیم تراز گنج مقصود نشان گرمانه رسیدیم تو شاید برسی
 پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

”سلطنت سابقہ میں دین مصطفوی کے ساتھ جو عناد نظر آتا تھا اظاہر اس
 سلطنت میں وہ عناد نہیں ہے، اگر ہے بھی تو لاعلمی کی وجہ سے ہے اندیشہ ہے کہ کہیں
 یہاں بھی معاملہ اس عناد تک پہنچ جائے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے۔
 جو بید برسر ایمان خویش می لرزم
 دربار جہانگیری کے ایک دوسرے اعلیٰ عہدہ دار خان جہاں کے نام ہی مضمون
 مختصر لکھتے ہیں:-

”آپ جس خدمت پر فائز ہیں، اگر اس کو شریعت مصطفوی پر عمل کرنے کے ساتھ جمع
 کر لیں تو انبیاء علیہم السلام والا کام کریں گے، علیہم الصلوٰات والتسلیمات، اور دین مبین کو
 منور و معور کر دیں گے ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تو اس عمل میں آپ جیسے شہبازوں
 کے گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

گوئے توفیق وسعدت دریاں افکنده اند
 کس بہ میدان در نمی آید سواراں را چہ شد

۱۷ مکتوب ۶۵ دفتر اول ۱۷ ایرکیر خان جہاں ابن دولت خاں لودھی، جہانگیر کو ان پر بڑا اعتماد
 تھا، اور وہ ان سے بڑی محبت کرتا تھا، بڑے علم دوست اور علماء پرور تھے، عام لوگوں سے بھی اچھا
 سلوک تھا، شاہ جہاں کے عہد میں بغاوت کی اور ۱۶۳۸ء میں قتل کرادیئے گئے (نزہۃ الخواطر ج ۵)۔

۱۸ مکتوب ۵۴ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مفصل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”وہ دولت جس سے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے اور لوگ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف (اور اندیشہ ہے کہ آپ بھی اس سے پورے طور پر آگاہ نہ ہو) ہیں یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے وہ اہل سنت میں سے ہے اور حنفی المذہب ہے اگرچہ چند سال سے اس زمانہ میں کہ قرب قیامت ہے اور عہد نبوت سے بعد ہو چکا ہے بعض لکھے پڑھے لوگوں نے طمع کی نحوست سے جو خرابی باطن کا نتیجہ ہے حکام و سلاطین سے تقرب حاصل کر کے ان کی خوشامدیں آکر دین میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو راستہ سے ہٹا دیا ہے جہانگیر جیسا بادشاہ عظیم الشان جب آپ کی بات غور و التفات کے ساتھ سنتا ہے اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیسا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃ کلمۃ حق (کلمۃ اسلام) کو جو اہل سنت و الجماعت کے اعتقاد کے مطابق ہے (شکراً للہ تعالیٰ سعبہم) گوش گزار کر دیں اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کے جو یا اور نگراں رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب و ملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان و شاعت کے اظہار کا موقع ملے“

ان ارکان سلطنت کے علاوہ آپ نے ایک دوسرے عہدہ دار سلطنت لالہ بیگ کو بھی اسی مضمون کے خط لکھے جو اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے اور بہار کے گورنر بھی رہے تھے تحریر فرماتے ہیں:-

”زادنا اللہ سبحانہ واپاکہ رحمۃ اللہ اسلام کی غربت و کیسی شوہر ہو رہے ہیں“

اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بلاد اسلام میں اہل کفر محض احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے، چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ زائل ہو جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، معاملہ کو اس سرحد تک پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار (مثلاً ذبح بقر) کا اظہار کرتا ہے تو قتل کی سزا کو پہنچ جاتا ہے۔
آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”ابتداءً بادشاہت میں اگر مسلمانی رواج پا جائے اور مسلمان کچھ عزت پیدا کر لیں فہما اور اگر عیاذ باللہ سبحانہ اس معاملہ میں توقف ہو تو معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت مشکل ہو جائے گا“ الغیث الغیث ثم الغیث الغیث ”دیکھئے کون صاحب اقبال اس سعادت سے سرفراز ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے“ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم“

سلطنت جہانگیری کے ایک اور امیر صدر جہاں نے ان کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے :-

”یقین ہے کہ مقتدائے اسلام، سادات عظام، علمائے کرام.... بخفیہ و علانیہ دین متین کی ترقی و تقویت اور اس صراط مستقیم کی تکمیل میں مشغول ہوں گے، یہ بے سروسامان اس معاملہ میں کیا دراز نفسی سے کام لے“

اس مکتوب کا دفتر اول علامہ مفتی صدر جہاں پشیانی (حال ضلع ہردوی) کے رہنے والے تھے، علوم عربیت میں خاص امتیاز رکھتے تھے، پہلے شکر شاہی میں مفتی مقرر ہوئے، پھر صدارت کے عہدہ پر ان کا انتخاب ہوا، جہانگیری کو ان کے تلمذ حاصل تھا، اور اس نے پہلے حدیث ان سے حفظ کی تھی، جہانگیری نے چار ہزاری منصب اور وسیع جاگیر عطا کی تھی، ایک سو بیس سال کی عمر پائی اس کا وجود ہوش و حواس سلامت تھے، ۱۳۲۷ھ میں وفات پائی (نزد بہ انوار طرچہ) علامہ مکتوب ۱۹۲۷ء دفتر اول۔

گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے

آخر وہ مبارک وقت آگیا کہ جہانگیر کو غلطی کا احساس ہوا اور اس نے (اپنی حکومت و انتظام کے عام اصول کے مطابق) یہ چاہا کہ علماء کی ایک جماعت دینی امور میں مشورہ دینے اور غلطیوں سے بچانے کے لئے دربار میں موجود رہے اس نے دیندار ارکان سلطنت سے فرمائش کی کہ چار دیندار علماء کو تلاش کر کے دربار میں ہر وقت حاضر رہنے پر آمادہ کر دیں جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے مجدد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فراست صادقہ اور اعلیٰ دینی بصیرت عطا فرمائی تھی اور سابق سلطنت کے انحراف کی تائید اور اس کے اسباب پر ان کی گہری نظر تھی یہ اطلاع سن کر بجائے مسرور ہونے کے فکر مند اور پریشان ہو گئے اور انھوں نے ایک خط شیخ فرید کو اور ایک خط نواب صدر جہاں کو اس مضمون کا لکھا کہ:-

”خدارا... ایسی غلطی نہ کریں بجائے متعدد علماء نے ظاہر کے ایک مخلص بے لوث عالم ربانی کا انتخاب کریں“

شیخ فرید کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بیتکم اللہ سبحانہ علی جادۃ آباءکم الکلام“ شاہ گیارہ کے بادشاہ اسلام نے اپنے حسن فطرت اور اسلامیت کی بنا پر اس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے آپ سے فرمایا ہے کہ چار علماء سے دیندار کی خدمات حاصل کریں جو دربار میں رہیں اور مسائل شرعیہ کو بیان کریں تاکہ بادشاہ کا کوئی حکم یا عمل خلاف شرع واقع نہ ہو الحمد للہ سبحانہ علی ذلک“ مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کیا خوشخبری اور ماتم زدوں کے لئے اس سے

بہتر کیا نوید سرت ہو سکتی ہے، لیکن یہ فقیر ضرورتاً اور مجبوراً اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے امید ہے کہ معذور قرار دیں گے کہ صاحب الغرض مجنون۔

عرض یہ ہے کہ ایسے علماء دیندار اول تو خود ہی اقل قلیل ہیں، جو حب جاہ و خست اقتدار سے بلند ہو چکے ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے سوا کوئی غرض نہ رکھتے ہوں، اگر خست جاہ کی بنا پر ان علماء میں سے کوئی ایک پہلو اختیار کر لے گا اور اپنی فضیلت و برتری کا اظہار کرے گا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کے ذریعہ سے بادشاہ کا قرب اور اس کے یہاں امتیاز و اعزاز حاصل کرنا چاہے گا لامحالہ دین کا کام اتر ہوگا، قرن سابق میں علماء کے اختلافات ہی نے عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا، اور اب پھر وہی خطرہ درپیش ہے، ترویج دین کا کیا ذکر یہ امر تخریب دین کا باعث ہوگا، "العیاذ باللہ" سبحانہ من ذلک ومن فتنۃ العلماء السوء" (اگر بجائے ان چار کے) ایک عالم کا اس مقصد کے لئے انتخاب کیا جائے تو بہتر ہوگا، اگر وہ علماء آخرت میں سے ہوگا تو کیا کہنا کہ اس کی صحبت کبریت احمر ہے اور اگر علماء آخرت میں سے کوئی نہ لے تو اس طبقہ علماء میں سے بہتر سے بہتر آدمی کا انتخاب کیا جائے کہ "مالا یدرک کہ لا یتدرک کلمہ" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

”سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے، جیسے کہ خلافت کی خلاصی علماء کے ساتھ وابستہ ہے، عالم کا نقصان بھی انہی کے ساتھ مربوط ہے، علماء میں جو بہترین ہیں وہ عالم میں بہترین ہیں اور جو ان میں بدترین ہیں وہ مخلوقات میں بدترین ہیں، ہدایت و اضلال کو اسی گروہ کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے، کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار بیٹھا ہوا ہے، انھوں نے اس کا سنب پوچھا کہنے لگا کہ اس وقت کے علماء ہمارا کام کر رہے ہیں“

اور اغواء و اضلال کا کام کر رہے ہیں۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند

او خوشن گم است کرا رہبری کند

غرض کہ اس معاملہ میں پورے غور و تأمل اور فکر و صیج سے کام لے کر قدم اٹھائیں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا مجھے شرم آتی ہے کہ ایسی باتیں زیرک و دانا (جیسے کہ آپ ہیں) حضرات کے سامنے کی جائیں، لیکن اس کو اپنے لئے وسیلہ سعادت سمجھ کر باعث تصدیق ہوا۔

عقیدہ نمند ارکان سلطنت اور ان سے خط و کتابت

ان مکتوب الہیم کے علاوہ جن کے نام کے مکاتیب میں حضرت مجدد اسلام کی عزت و بکسی، احکام و شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مجبوری پر خون کے آنسو روئے ہیں اور ان کو اپنے قرب و اعتماد، خدمات جلیلہ اور منصب و عہدہ کے اثر سے کام لیتے ہوئے، بادشاہ کو صورت حال کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی موروثی و خاندانی رگ سلامت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی طرف توجہ دلائی ہے، کچھ امراء کبار اور اراکین سلطنت کے نام آپ کے مکاتیب کی ایک بڑی تعداد ہے، جو اصلاحی و تربیتی ہیں، اور جن میں سلوک و تصوف کے بعض غوامض کو حل فرمایا گیا ہے، دنیا سے دنی کی طرف سے بے رغبتی اور نعیم اخروی اور ترقیات باطنی کے حصول کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ خطوط امیر الامراء عبدالرحیم خان خانان (م ۱۰۳۶ھ) قلیج خاں اندجانی اکبری (م ۱۰۲۳ھ) خواجہ جہاں

۱۰۲۳ھ مکتوب ۵۳ دفتر اول، صدر جہاں کے نام مکتوب ۱۹۴ دفتر اول میں بھی اسی مضمون کو مختصراً تحریر فرمایا ہے۔

(م ۲۹) مرزا داراب ابن خان خاناں جہانگیری (م ۳۲) اور شرف الدین حسین بدشتی کے نام ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان امراء کبار کو حضرت سے گہری عقیدت و محبت تھی، یہ خطوط ایسے ہی ہیں جیسے ایک شیخ اپنے زیر تربیت مریدین کو لکھتا ہے، ان کی لغزشوں پر متنبہ بھی کرتا ہے، ان کو وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے، اور ان کی دینی ترقی اور روحانی استعداد و مناسبت پر خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قوی تعلق اور گہری عقیدت کے بعد ان امراء کبار نے حضرت مجدد کے اصلاح سلطنت کے منشاء کے مطابق بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور اسلام کی خیر خواہی اور ہمدردی میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی اور انھوں نے اس کام میں اپنے مخدوم و شیخ کی تمنا پوری کرنے اور دوسرے امراء سلطنت کے ساتھ (جن کو آپ نے اس مقصد عظیم کے لئے خطوط لکھے تھے) تعاون کرنے سے دریغ نہ کیا ہوگا۔

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر اور فیض

ابھی تک جو کچھ تفصیل بیان کی گئی اس کا تعلق حضرت مجدد کی بالواسطہ کوششوں سے تھا، یعنی انھوں نے امراء کبار اور ارکان سلطنت کو دین کی نصرت و حمایت بادشاہ کو احترام دین و شریعت اور اصلاح حال پر اپنے مکاتیب کے ذریعہ جن میں حمیت اسلامی کی بجلیاں کوندتی نظر آتی ہیں، کس طرح پے درپے خطوط لکھے اور ان سے اس مقصد کی تکمیل میں کس طرح کام لیا، یہی یقیناً رائیگاں نہیں گئی، اور ان مکتوب الہیم نے اور خاص طور پر نواب سید فرید نے حکومت کا رخ بدلنے میں بنیادی و مرکزی کردار ادا کیا۔

لیکن ابھی فرمانروائے سلطنت جہانگیر کے مزاج و طبیعت میں وہ تبدیلی نہیں پیدا

ہوئی تھی جس کی اس عظیم شان اور دشوار کام کے لئے ضرورت تھی، شخصی و موروثی سلطنتوں میں بادشاہ کی ذات وہ مرکزی نقطہ ہوتی ہے جس کے گرد حکومت کا سارا نظام گردش کرتا ہے، اس کا کسی بات کے لئے ارادہ کر لینا اور اس کے ذہن کا کسی امر کو قبول کر لینا خدا کے کسی مخلص اور بے لوث بندے سے اس کے دل میں عقیدت و محبت کا پیدا ہو جانا اور اس کے اخلاص پر اعتماد کا ہزاروں میل کے فاصلہ کو گھنٹوں اور منٹوں میں طے کر دیتا ہے، اور بعض اوقات بظاہر ناممکن العمل چیز کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیتا ہے، ابھی تک جہانگیر حضرت مجدد کے روحانی و علمی مقام سے نا آشنا تھا، وہ ان اہل علم و اہل مشیخت میں نہیں تھے، جو درباروں میں آتے جاتے ہیں، اب اس کی کیا صورت تھی کہ جہانگیر کو براہ راست ان سے واسطہ پڑے، وہ ان کے علم و مقام سے (اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق) واقف ہو، حکمت الہی نے اس کا بھی عجیب و غریب طریقہ پر انتظام کیا جو دعویٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) کی تفسیر ہے۔

جہانگیر کا تاثر

باب سوم میں قارئین قلعہ گوالیار کی اسیری اور لشکر شاہی کی نظر بندی کی داستان پڑھ چکے ہیں، لشکر شاہی کے ساتھ حضرت مجدد ۳۱۲ سال تک رہے، بادشاہ سے صحبتیں رہیں، مسائل دینیہ پر مذاکرہ و گفتگو رہی، بادشاہ نے حضرت مجدد کی دینی صلابت اور

لے قلعہ گوالیار سے رہائی جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ میں ہوئی تھی، اور لشکر شاہی سے رخصتی ذی الحجہ ۱۰۲۲ھ

میں ہوئی اس طرح ساڑھے تین سال بیتے ہیں۔

استقامت کا نمونہ سجدہ تعظیمی اور آداب شاہی سے انکار اور گواہی کی اسیری میں پوری خودداری اور عزت نفس کے ساتھ رہنے اور معافی نہ مانگنے کی شکل میں دیکھا حضرت مجدد کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی صحبت کی تاثیر کو سیکڑوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کی شکل میں دیکھا پھر لشکر شاہی کی طویل رفاقت میں ان کے زہد و استغناء اور ان کی عبادت و معمولات کی پابندی کو بھی دیکھا مجلس کی گفتگو میں ان کے رسوخ فی العلم کا بھی تجربہ کیا اور یقیناً وہ ایک سلیم الطبع، ذہین اور ہوشمند فرمانروائے سلطنت کی حیثیت سے جس کو امراء و علماء و مشائخ، دنیا داروں اور دینداروں کی ایک بڑی تعداد کے حالات کا اپنے والد اکبر کے دور سے اس وقت تک مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اس سے اس میں مردم شناسی کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جن کو کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا اتنا طویل موقع نہیں ملتا، مجدد صاحب کے متعلق ضرور سمجھ گیا ہو گا کہ وہ ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو ابھی تک دربار کی زینت یا پوریائے فقر کے مسند نشین تھے۔

واقعہ ذیل میں جو بہانگیر نے خود تفصیل اور ایک حد تک شکر و فخر کے اظہار کے ساتھ لکھا ہے، حضرت مجدد کی صحبت و جذبات کا اثر صاف جھلکتا ہے، بہانگیر کے اس اقدام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اگر یہ واقعہ سامنے رکھا جائے کہ قلعہ آزمودہ کار مسلمان سپہ سالاروں کے بجائے راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔

بہانگیر لکھتا ہے :-

بتایں بخت و چہارم ماہ مذکور توجہ قلعہ کا گڑھ	ماہ مذکور (دی) کی ۲۴ تاریخ کو قلعہ کا گڑھ کی پرکھ
خدم و حکم کروم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علماء اسلام	ارادہ سے نکلا میں نے حکم دیا کہ قاضی و میر عدل و دیگر
در کاب بودہ آنچه شعرا اسلام و شرائط دین محمدی	علماء اسلام ہر کاتبوں جو اسلامی شعرا و دین محمدی
است و قلعہ مذکور محل آزد با بخلہ قریب یک کہ	کے شرائط ہیں وہ اس قلعہ مذکور میں عمل میں لائیں مختصراً

طی نمودہ برقرار قلعہ برآمد شد بتوفیق ایزد سبحان
 بانگ نماز خواندن خطبہ و کشتن گاؤں و غیرہ کارانہ
 بناء این قلعہ محال نشد بود ہمہ اور حضور خود
 بعمل آورد، سجدات شکر اس موہبت عظمیٰ کہ هیچ
 بادشاہی توفیق برآں نیافتہ بود بتقدیم رسانید
 حکم فرمود کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند
 ایک کوس کی مسافت طے کر کے قلعہ کی بلندی پر پہنچا
 توفیق الہی سے اپنی موجودگی میں زان لوائی خطبہ پڑھا
 گیا اور بیچہ گاؤں جس پر اس قلعہ کی تعمیر کے وقت کبھی
 عمل نہیں ہوا تھا اپنے سامنے عمل کرایا اس نعام الہی پر کہ
 بادشاہ کو کبھی اس کی توفیق نہیں ملتی تھی شکر کے سجدے کیا
 لایا میں نے حکم دیا کہ ایک بلند بالا مسجد قلعہ کے اندر تعمیر کی جائے

اس بالواسطہ اور بلاواسطہ کوشش سے اولاً سلطنت کا رخ اسلام کی طرف سے
 تغافل بلکہ تجاہل (اور اس سے آگے بڑھ کر مخالفت) سے ہٹ کر اسلام کے احترام اور
 شعار اسلام کی بلندی اور بادشاہ اسلام کی اسلام سے دھچپی کی طرف تبدیل ہوا جس کا
 سلسلہ جہانگیر کے آخری دور سے شروع ہو کر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد سلطنت پر سایہ فگن ہوا۔
شاہجہاں کا دور

صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی (۱۶۲۷ء-۱۶۵۷ء) کا دور جس کا
 عہد سلطنت ۱۶۲۷ء سے شروع ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ ۳۱ سال رہا اور جو حضرت
 مجددی وفات کے دو سال بعد تخت سلطنت پر بیٹھا ایک غیر محسوس اندریجی اصلاح و
 بہتری کا دور تھا شاہجہاں کے متعلق اس بات کا کوئی قابل اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ
 وہ حضرت مجددیان کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم سے باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق
 رکھتا تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دل میں ہمیشہ حضرت مجدد کے لئے نرم گوشہ
 اور احترام و اخلاص رہا چنانچہ جب حضرت مجدد نے بادشاہ کی طلبی پر دربار میں آنے کا
 ارادہ کیا اور یہ معلوم تھا کہ حضرت مجدد سجدہ تعظیمی اور دربار کے آداب قبول نہیں کریں گے

نوشاہجہاں نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمن کو (جو شاہزادہ کے مصاحبین و متوسلین میں تھے) بعض کتب فقہیہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ ”سجدہ تعظیمی سلاطین کے لئے جائز ہے اور فقہاء نے خاص حالات میں اس کی اجازت دی ہے اگر آپ ملاقات کے وقت بادشاہ کے لئے یہ آداب بجالائیں تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آپ کو قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا“ حضرت مجدد نے اس کو قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ یہ رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو کسی حال میں سجدہ نہ کیا جائے۔

شاہجہاں کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک نیک دل بادشاہ شریعت کا احترام کرنے والا، عظیم مساجد کی تعمیر کا خاص شوق رکھنے والا، اور اپنی ذات سے فرائض شرعی کا پابند تھا، علماء اور صلیاء کو اپنے قریب رکھتا تھا، اور ان پر اعتماد کرتا تھا، اس کے وزیر یا تدبیر جملۃ الملک سعد اللہ خاں علامی (م ۱۰۶۶ھ) اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب درس تھے، اس ذاتی دینداری و خداترسی کے ساتھ (جو ایک وسیع سلطنت رکھنے والے خود مختار بادشاہ کی زندگی میں غنیمت سمجھی جانی چاہئے) شاہجہاں نے عہد پیشین کی بعض خلاف شرع رسوم و آداب کو بھی بند کیا، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب فارسی کی معاصر تاریخوں بادشاہ نامہ وغیرہ کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں:۔

”جب شاہجہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو اس کو مراسم ملت مصطفوی اور شریعت محمدی کا جس میں کچھ خلل پڑ گیا تھا، ایسا پاس و محافظ تھا کہ اول اس نے حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم کا معبود حقیقی سزاوار ہے، اب آئندہ کوئی دوسرے کے لئے اپنی پیشانی کو خاکِ مذلت پر نہ رکھے، مہابت خاں کے کہنے سے اس کی جگہ پر زمیں بوس مقرر کیا، مگر اس میں بھی سجدہ کے ساتھ شاہیت

لے تفصیل کے لئے کتاب کا باب سوم ملاحظہ ہو۔ لے لے لے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ النواظر جلد ۵

ہوتی تھی، اس کو بھی موقوف کر کے تسلیم چارم مقرر کی^{۱۵}

سر رچرڈ برن (SIR RICHARD BURN) لکھتا ہے کہ:-

”شاہجہاں اسلامی عقائد کو سختی سے دوبارہ نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے تعرض بھی نہیں ہونا چاہتا تھا، اس نے جلد ہی تخت شاہی کو سجدہ کرنے کی رسم دربار سے اٹھادی..... الہی سب سے بھی جسے اکبر نے رائج کیا تھا، اس کا سرکاری کاغذات اور سکوں پر استعمال شاہجہاں کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہو گیا..... ۱۶۳۲ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناہت جو پنجاب و کشمیر میں عام تھی، ممنوع قرار دے دی گئی^{۱۶}۔
مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

”سرکار خاصہ سے قاضی و معلم مقرر ہوئے کہ احکام شریعت و آداب عبادی کی تعلیم کریں..... شیخ محمود گجراتی مقرر ہوا کہ تحقیق و ثبوت کے بعد مسلمان عورتوں کو ہنود کے تصرف سے نکالے اور ان کی عمارات و مساجد کو جدا کرے اس نے حکم مذکور کے مطابق عمل کیا کئی ایک مسجدوں کو جو ہنود کے زیر تصرف تھیں ان کو جدا کیا اور ہنود سے جبراً نہ لے کر ان کو تعمیر کرایا، جن ہنود نے قرآن شریف کی بے ادبی کی تھی ان کو بعد ثبوت..... عبرتناک سزا دی، پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام ولایت پنجاب میں جس جگہ یہ صورت ہوئی ہو اس کو مہات شری کے متکفل تحقیق کریں^{۱۷}۔

لیکن اس احترام شریعت اور قدسے دینی حمیت کے ساتھ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہجہاں اپنے متشرع، صاحب علم اور صاحب صلاحیت فرزند اورنگ زیب کے مقابلہ میں اپنے صلح کل آزاد مشرب بڑے بیٹے دارا شکوہ کو ترجیح دینا تھا، اور اسی کو تخت و تاج کا وارث اور اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اور یہی شخصی و موروثی سلطنتوں اور دین و سیاست کی تفریق

کے اصول پر کاربند فرمانروایان سلطنت کی وہ خصوصیت ہے، جہاں ان کی ذاتی دینداری امور سلطنت پر اثر انداز اور کسی غلط یا مضرت جانشین کے انتخاب میں مانع نہیں بنتی۔

شاہزادہ داراشکوہ

عہد عالمگیری میں جو تاریخی مرتب کی گئیں ہیں، محض ان کے اعتماد پر ہم داراشکوہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے نہ اس کے قطعی طور پر بے دین و بدعقیدہ ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخت و تاج کے لئے بھائیوں کی یہ جنگ خالصتہ دو فلسفوں اور طریق فکر اور دین و لادینیت کی جنگ تھی، لیکن غیر مسلم اور غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پردادا اکبر کے رنگ سے قریب تر، اور وحدت ادیان کے نظریہ سے متاثر اور شریعت و ویدانت میں مطابقت ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھا، فرانسیسی ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے کہ یوزی صاحب فلمیش پادری کے مواعظ دینیہ کو بہت رغبت سے سنتا تھا، ہندو مسلمان کو ایک مذہب کرنا چاہتا تھا، دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول :-

”وہ تصوف سے خاصی دلچسپی رکھتا تھا، اور ہندو فلسفہ کے زیر اثر تھا، اس نے مسلمان صوفیاء

اور ہندو سنیاء سے گہرے تعلقات قائم کر لئے تھے، ان میں (مسلمان صوفیوں اور علماء

کے ساتھ) سرمد مشہور آزاد مشرب و جودی، اور بابا لال داس بیراگی، کبیر کا پیرو بھی تھا۔“

”دارا کی بعض متاخر تصانیف سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ وحدۃ الوجود کا پیرو تھا، وہ

ہندو فلسفہ اور صنمیات سے متاثر تھا، جس کی وجہ سے وہ متعدد ایسے لمحدہ خیالات کی طرف

مائل ہو گیا جن کے واضح مائل ہندو فلسفہ میں پائے جاتے ہیں، اور جن کی اسلام میں کوئی

گنجائش نہیں..... دارا اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ویدانت اور تصوف جن کے ذریعہ حق

کا ادراک کرنا چاہئے، وہ باہم مخالف نہیں، فرق صرف لفظوں کا ہے۔ اوپنشدوں کے ترجمہ میں جسے وہ وحدت کا سرچشمہ بیان کرتا تھا، دارا نے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندومت کے پیروں کے مشترک نظریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی نیز اس نے یہ چاہا کہ ہندوؤں کے اعتقادات سے مسلمانوں کو شناسا کرائے۔

دارا کے ان افکار و خیالات، رجحانات و جذبات کی بنا پر جو اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرے سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے اور جس کا بیدار مغز شہزادے اورنگ زیب نے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، ذرا بھی محل استعجاب نہیں کہ ہندوستان کے دیندار حلقے علماء و دین و تابع شریعت شیوخ طریقت اور ان کے تابعین نے جو اکبر کے دور میں اسلام کی بے بسی و بے دخلی کا منظر دیکھ چکے تھے یا انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا، اس جنگ برادران میں داراشکوہ کے مقابلہ میں حامی اسلام، پابند مذہب و شریعت شاہزادہ اورنگ زیب کی نصرت و حمایت اور اپنی دعاؤں اور ترغیب و تحریض سے اس کی پوری مدد کی ہو۔ اس کشمکش کا نتیجہ سب کو معلوم ہے کہ اورنگ زیب نے داراشکوہ پر فتح پائی اور ۱۰۶۸ھ میں سربراہی سلطنت ہو اور پوری نصف صدی بڑے کروفر کے ساتھ حکومت کی۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی جمیت و حمایت

اورنگ زیب عالمگیر نے (جس کو حضرت مجدد کے خاندان سے عقیدت اور ان کی

لے مقالہ داراشکوہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ مقالہ نگار (پیش چندر [وادارہ]) نیز ملاحظہ ہو "AURANGZEB" از

ظہیر الدین فاروقی ص ۳۳-۴۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پرو فیسر محمد اسلم کا مقالہ اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و

شاخ کا کردار" مشمولہ تاریخی مقالات از پرو فیسر محمد اسلم ص ۲۳۵-۲۴۳

دعوت و مسلک سے شروع سے مناسبت تھی) حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کر لیا تھا۔ اس بات کے متعدد شواہد و قرائن ہیں کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سے محض غائبانہ عقیدت اور عام نیاز مندی کا نہ تھا، بلکہ اس نے باضابطہ اصلاح و تربیت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کر لیا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم کی اورنگ زیب کی شہزادگی کے وقت سے اُس پر نظر خاص تھی اور وہ اس کو شہزادہ دین پناہ (جو ایک مشین گوئی اور فال نیک تھی) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

بادشاہ (اورنگ زیب) دین پناہ را	بادشاہ دین پناہ کا حضرت کے ساتھ
در خدمت حضرت اخلاص بہ نوع	اخلاص اور ہی طرح کا ہے لطائف ستہ
و نگہ است از ذکر لطائف و ذکر سلطانی	اور سلطان الاذکار کے ذکر سے گذر کر
گزشتہ بذکر نفی و اثبات مفید است	اس وقت نفی و اثبات کے ذکر کی منزل
و ظاہری سازد کہ بعضے اوقات خطرہ	پر ہیں ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات
مطلقاً نمی آید و گاہے کہ می آید استقرار	دوسرے مطلق نہیں آتا اور کبھی آتا بھی
نمی کند ازین راہ خیلے محفوظ است	ہے تو اس کو استقرار نہیں ہوتا، وہ اس چیز
ومی گوید کہ پیش ازین من از هجوم	سے بہت محفوظ ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سے
خواطر دل تنگ بودم و شکر این نعمت	پہلے میں وساوس و خطرات کے هجوم
بجای آرد	سے پریشان ہو جاتا تھا، وہ اس نعمت
	کا شکر بجالاتے ہیں۔

خواجہ سیف الدین کے اس خط کے جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم نے جو مکتوب تحریر فرمایا، اس میں آپ نے خدا کا شکر ادا کیا ہے جس نے بادشاہ کو روحانی مراتب عطا فرمائے اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فنائے قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا، جو سلوک میں ایک بلند مقام ہے۔

ابوالفتح آداب عالمگیری میں لکھتا ہے کہ:-

”اوزنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجہ محمد معصوم اور ان کے برادر بزرگ خواجہ محمد سعید

دربار شاہی میں تشریف لائے اوزنگ زیب نے اس موقع پر تین سو طلائی مہریں نذر کیں“

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنے مضمون ”اوزنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار“ میں ”مرآت العالم“ اور فتوحات عالمگیری کے حوالہ سے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اس خاندان اور حضرت مجدد کے فرزندوں سے گہرے روابط تھے، یہ حضرات بادشاہ سے ملاقات کرتے تھے اور بادشاہ ان کی خدمت میں

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب ۲۲ ۲۔ ابوالفتح آداب عالمگیری فلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری لکناؤ ۳۔

ورق ۳۱، محمد کاظم عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸ء ص ۲۹۳ (منقول از تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم)

۴۔ یہ دونوں کتابیں انڈیا آفس لکناؤ اور برٹش میوزیم لندن کے کتب خانہ میں ہیں۔ ۵۔ حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات

کا جو بادشاہ عالمگیر کے نام ہیں اور مکتوبات سیفیہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، اگر نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بادشاہ

کا تعلق حضرت خواجہ سیف الدین علی (مخصوص اور خاندان مجذبی سے علی العموم محض احترام و عقیدہ کا نہیں تھا، جیسا کہ دیندار اور

خوش اعتقاد بادشاہوں کا اپنے عہد اور مملکت کے علماء و مشائخ سے رہا ہے، بلکہ تعلق ضابطہ سے زیادہ رابطہ عقیدہ سے زیادہ

تربیت و استفادہ کا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد زادار کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جو ترتیب میں تیسرا مکتوب ہے:-

حضرت سلامت دریں روز ما صحبتہائے طولانی واقع می شو
حضرت سلامت! ان نول طویل طویل صحبتیں و مجلسین ہوتی ہیں
(باقی ملے ۳۲۶ پر)

قیمتی تحائف پیش کرتا تھا، دہلی سے لاہور جاتے اور واپس آتے وقت وہ کئی بار سرہند میں حضرت خواجہ محمد معصوم اور خاندان مجددی کے دوسرے افراد سے ملا۔

مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق بادشاہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے متعدد بار استدعا کی کہ وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا کریں، لیکن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت کے مطابق بادشاہ کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمایا، اور اپنی جگہ اپنے فرزند گرامی قدر خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا، مکتوبات معصومیہ میں دو مکتوبات ایک ۲۲۱ء و دوسرا ۲۲۲ء بادشاہ کے نام میں اور ان سے خاصا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا حضرت خواجہ سے ارادت و تربیت کا تعلق ہے ان کے اور بادشاہ کے روابط اور بادشاہ کے ان سے اثر پذیر

(باقی صفحہ ۳۲۷)

و بعض کاتب غاصد مذکور می گرد و با خلاص تمام بعض دقیق مکاتیب کا ذکر بھی ہوتا ہے اور بادشاہ می شنود۔ پورے اخلاص کے ساتھ سماعت فرماتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۲ میں جو شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

بادشاہ دیں پناہ شب شب کہ شب سوم این ماہ باشد بمنزل
نقرا آواز جسم اطمینان بے تکلف ازاں چہ حاضر بودن دل
فرمودند صحبت طولانی گشت مجلس سکوت نیز در میان آمد
..... با بخل ترویج طریقہ عالیہ امید است کہ موافق خواہش
مخلصانہ بظہور آید۔ ص ۱۶۸-۱۶۹

بادشاہ دیں پناہ شب شب کی را کو جو اس ہینہ کی تیسری رات
تھی غریبانہ پر تشریف لائے جو بے تکلف کھانے حاضر تھے
ان کو تناول فرمایا صحبت طویل کھینچا در میان میں سکون کی
مجلس بھی پیش آئی، مختصر آید کہ امید ہے کہ مخلصین کی
خواہش کے مطابق طریقہ عالیہ کی ترویج بھی ظہور میں آئے گی۔

تعلقات و اثرات کا یہ سلسلہ عالمگیر کی وفات کے بعد تک جاری رہا، چشتی نظامی سلسلہ کے مشہور شیخ جن سے اس طریقہ کو تیار و حاصل ہوئی شاہ کلیم الشہیدان آبادی (م ۱۱۳۳ھ) نے اپنے خلیفہ خاص حضرت شیخ نظام الدین اوزنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں بعض خطوط میں ہدایت کی ہے کہ چونکہ اس وقت بادشاہ کے ساتھ اوزنگ آبادی میں مجذبی خاندان کا صاحبزادے بھی ہیں اس لئے سماع و قوالی کی مجلس منعقد کرنے میں احتیاط برتی جائے کہ بآداب ان حضرات کو گرانی اور کٹر رہو، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دکن کی تہا اور وہاں کے طویل قیام میں اس خاندان کے عالی مرتبہ افراد وقتاً فوقتاً بادشاہ کے شریک صحبت اور دعا و توجہات کے معاون و شریک حال رہا کرتے تھے۔

ہوتے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کا تذکرہ باب ہشتم میں خواجہ سیف الدین کے تذکرہ میں آئے گا۔
خواجہ سیف الدین بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویج شریعت و احیاء سنت کے کام میں برابر ساعی و
سرگرم رہے ان کے خطوط کے مجموعہ مکتوبات سیفیہ میں بادشاہ کے نام اٹھارہ مکتوبات
ہیں جن میں بادشاہ کی توجہ ازالہ بدعات، احیاء سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف مبذول
کرائی گئی ہے۔

کسی فرمانروائے سلطنت اور خود مختار بادشاہ کے پورے اعمال و اخلاق اس کے فیصلوں
اور اقدامات کی ذمہ داری یعنی مشکل ہے اور ان سب کو اسلامی تعلیمات اور احکام شریعت کے
مطابق ثابت کرنا ممکن نہیں، یہ بات تو صرف خلفائے راشدین اور ایسے چند حکمرانوں کے
متعلق کہی جاسکتی ہے جو اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح خلافت علی منہاج
النبوة کے قائل و عامل تھے، پھر یہ تنازع فیہ اقدامات اور سیاسی و انتظامی کارروائیاں
کن مجبوریوں اور مصلحتوں کے پیش نظر عمل میں آئیں اور مؤرخین نے ان کی جو تصویر کشی کی ہے
وہ کس حد تک واقفیت پر مبنی تھی، طویل زمانہ گزر جانے کے بعد اور صحیح شہادتوں کی
غیر موجودگی میں ان کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان نہیں، پھر بھی عالمگیر کے متعلق جو مستند تاریخی
مواد موجود ہیں اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ حضرت مجدد صاب
کی اصلاحی و تجدیدی تحریک سلطنت کو بادم اسلام کے بجائے خادم اسلام بنانے کی
انقلاب انگیز مگر خاموش کوششوں اور ان کے فرزندوں اور خاندان کی گہری بے لوث
روحانیت اور دل آویز شخصیتوں سے پورے طور پر متاثر تھا، اور اس نے حضرت مجدد کی
دعوت و مقاصد سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، وہ نظام سلطنت اور معاشرہ میں جرأت مندا

اور دور رس تبدیلیاں لاتا چاہتا تھا، اور اس نے پہلی مرتبہ بعض ایسی اصلاحات نافذ کی تھیں جن سے اگرچہ حکومت کا مالیہ متاثر ہوتا تھا، لیکن شریعت کے بعض صریح احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

ہم اس کی ذاتی زندگی کو اس وقت چھوڑتے ہوئے جس کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک متشرع، پابند مذہب بلکہ متقی مسلمان کی زندگی تھی، اور جس کے لئے بطور مثال کے چند نمونے کافی ہیں:-

”رمضان کا مہینہ تھا، ٹوئیں چلتی تھیں، دن بڑے ہوتے تھے، پادشاہ دن کو روزہ رکھتا وظائف

پڑھتا تلاوت و کتابت اور حفظ کلام مجید کرتا، اور اپنی عدالت و سلطنت کے کاموں کو انجام

دیتا، شام کو افطار کر کے ”مسجد غلخانہ“ (موتی مسجد) میں نماز و تراویح اور نفل پڑھتا، آدھی رات کو

کچھ قلیل غذا کھاتا، رات کو بہت کم سوتا، اکثر عبادت کرتا، بعض متبرک راتوں کو ساری رات

عبادت ہی میں گزارتا، اسی طرح سارا مہینہ گزارا۔

انتقال کا حال بیان کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”سال پنجاہ ویک (جلوس) ۱۱۱۸ھ تب بڑی شدت سے چڑھی چار روز تک باوجود

اشداد مرض بسبب کمال تقویٰ کے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ایک صبت

نامر تھا کہ جس میں اس نے اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق لکھا تھا کہ ساڑھے چار روپیہ جو میرے ہاتھ

کی محنت کی ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہیں اس میں تجہیز و تکفین ہو، اور آٹھ سو پانچ روپے جو

قرآن نویسی کی اجرت سے حاصل ہوئے ہیں، مساکین میں تقسیم ہوں، روز جمعہ ۲۸ رزی قعدہ

۱۱۱۸ھ جلوس مطابق ۱۱۱۸ھ کو پادشاہ نے صبح کی نماز پڑھ کے کلمہ توحید کا ذکر شروع کیا۔

۱۱۱۸ھ ”تاریخ ہندوستان“ جلد ہفتم، از شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم ص ۲۱۳ (ماخوذ از آثار عالمگیری وغیرہ)

ایک پہرون چڑھے اس دار فنا سے روضۂ جنات کو تشریف فرما ہوا۔
ہم یہاں پر عالمگیر کے صرف ان احکام و فرامین کا ذکر کریں گے جن کا تعلق شعائر اسلام کے احترام اور احکام شریعت کے نفاذ و اجراء سے ہے۔

۱۰۶۹ھ اور جلوس کے سال دوم کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”جلال الدین محمد اکبر شاہ کے عہد سے دفتر و جلوس کے سال و ماہ کی بنا غرہ فروردی پر رکھی گئی تھی اس تاریخ میں آفتاب بیچ محل میں داخل ہوتا ہے، بہار کا موسم ہوتا ہے اس بادشاہ کے جلوس کی تاریخ بھی اس تاریخ کے قریب تھی تو اس نے سارا حساب فروردی سے لے کر اسفندار ۱۰۶۹ھ کے مہینوں تک مقرر کیا تھا، اور مہینہ کا نام ماہ الہی رکھا تھا، چونکہ یہ طریقہ آتش پرست بادشاہوں اور مجوسیوں کے مشابہ تھا، اس لئے بادشاہ نے شریعت کا پاس کر کے جلوس و جشن اور دفتر کے حسابوں کے لئے سال و ماہ قمری عربی کا حساب مقرر کیا، اور حکم دیا کہ سال شمسی پر عربی سال ماہ مقدم ہوں اور جشن نوروز بالکل موقوف ہو.....“

سب جانتے ہیں کہ ہمیشہ موسموں میں قمری ماہ بدلتے رہتے ہیں، قمری سال و ماہ کے حساب رکھنے میں بڑی دقیقیت پیش آتی ہیں، لیکن اس دیندار بادشاہ نے کچھ حساب کی آسانی پر خیال نہیں کیا، فقط آتش پرستوں اور مجوسیوں کی مشابہت کی وجہ سے نوروز کے جشن کو موقوف کیا اور جلوس ثانی کی تاریخ غرہ رمضان مقرر کر کے اس نے جلوس کا نیا سال مقرر کیا، اور جشن نوروز کی جگہ جشن عید الفطر مقرر کیا۔

ایک بڑی سرکاری آمدنی کے ذریعہ کی جو نامشروع تھی، موقوفی کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

۱۰۶۹ھ ایضاً ۱۰۶۹ھ فروردی اسفندار قدیم ایرانی تقویم کے مہینے ہیں۔ ۱۰۶۹ھ ایضاً ۱۰۶۹ھ

”بادشاہ نے راہداری کی معافی کا حکم کیا، یہ راہداری ہر سرگزشت و سرحد معتبر رہی جاتی تھی، اور۔۔۔

اس آمدنی کا سب روپیہ خزانہ میں داخل ہوتا تھا، پابندی جس کو تہ بازاری کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور یہ آمدنی لاکھوں روپے سے زیادہ خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی، اور ابواب شروع و نام شروع سکرات و خرابات خانہ و جہانہ و شکرانہ وغیرہ و غیرہ جن کی آمدنی کا کروڑوں روپیہ خزانہ سرکار میں داخل ہوتا تھا، ان سب کو قلم و ہندوستان سے معاف کرایا۔

مختب کا عہدہ شرعی حکومتوں کا ایک اہم عہدہ اور خلافت اسلامی کا ایک شعار تھا، بہت سے علماء نے اس عہدہ کی نوعیت، اس کے فرائض پڑ الحسبہ فی الاسلام کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں عرصہ سے یہ عہدہ موقوف اور یہ کام معطل تھا، بادشاہ نے اس سنت کو بھی زندہ کیا، مؤرخ لکھتا ہے:-

”بادشاہ نے ایک عالم عوض وجیہ کو مختب مقرر کیا، اس کو حکم تھا، کہ وہ خلق کو منہیات و محرمات سے خصوصاً شرب خمر اور بنگ بوزہ اور تمام سکرات و فواحش سے منع کرے، اور حتی المقدور بڑے کاموں سے خلق کو روکے۔“

سال یا زوہم لغایۃ بیست و یکم شمس کے واقعات درج کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:-

”روز بروز امور شرعی کے اجراء اور اموال و اہی الہی کی پاسداری میں بادشاہ کی تقید بڑھتی جاتی تھی، مفصل احکام جاری ہوتے تھے کہ راہداری و پابندی وغیرہ موقوف کی جائے جس سے لاکھوں روپے کی آمدنی ہر سال سرکار کو حاصل ہوتی تھی، وہ سکرات کے رواج و خرابات خانوں کو موقوف کرتا تھا۔“

۱۰ ایضاً ۹۰ ۱۱ ایضاً ۹۰ ۱۲ صاحب نزہۃ الخواطر نے فارسی تاریخوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عالمگیر نے سنہ ۱۰۶۹ میں قہم

کے ناجائز محاصل (ٹیکس) موقوف کر دیے جس سے خزانہ شاہی کو تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔

آگے چل کر لکھتا ہے:-

”بادشاہ نے سرحد و قاضی کے منہ کا حکم صادر کیا..... جھروکہ درشن کو بھی نامشروع جان کر

جھروکہ میں خود بیٹھنا اور جھروکہ کے نیچے آدمیوں کے جمع ہونے کو موقوف کر دیا۔“

اہل ہند کے قدیم دستور و اعتقاد کے مطابق مسلمان بادشاہ بھی علم نجوم اور منجھوں پر بہت زیادہ اعتبار کرتے تھے، اور انھیں کے حسابات اور فیصلوں کے مطابق کاموں کے لئے دن مقرر کرتے تھے، عالمگیر نے اس کو بھی موقوف کیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدالتی فیصلوں کا تمام تر انحصار امراء و حکام کی عدالتوں اور ان کے فیصلوں پر تھا، عالمگیر نے شرعی قاضی مقرر کئے، اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

”شاعر و منجم جو بہت زیادہ اعتبار رکھتے تھے، خصوصاً شاہجہاں کے عہد میں موقوف ہوئے“

امور ملکی و مقدمات جزئی و کلی میں قضاہ مقرر ہوئے اور وہ ایسے مستقل ہوئے کہ امیران عہدہ

صاحب مدار سلطنت کو ان پر رشک و حسد ہوا۔“

پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے کے لئے اور قضاہ کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا نیا بیڑہ اٹھایا، اور مستند علماء کی ایک جماعت کو اس کے لئے مامور کیا کہ وہ آسان عبارت میں مسائل جزئیہ کو ایک جگہ جمع کر دیں، اور نظام الروایہ پر اکتفا کریں، اور سوائے خاص حالات کے ”نوادر“ کی طرف توجہ نہ دیں، اور جو عبارت جہاں لی جائے اس کا حوالہ دیں، اس کے لئے اوائل سلطنت ہی میں مولانا نظام الدین برہانپوری کو ذمہ دار بنایا، انھوں نے ان علماء کے کبار سے مدد لی جو فقہ حنفی میں

امتیاز رکھتے تھے، یہ کام ۶ جلدوں میں مکمل ہوا اور اس پر شاہی خزانے کے دو لاکھ روپے (جو اس زمانے کے لحاظ سے خطر رقم ہے) صرف ہوئے، یہ ہندوستان میں "قناوی عالمگیری" کے نام سے اور مصر و شام و ترکی میں "الفتاویٰ الہندیہ" کے نام سے مشہور ہے اور اس کو بعض خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس سے زیادہ جرأت مندانہ اقدام یہ تھا کہ بادشاہ نے اپنے خلاف بھی رعیت کو استغاثہ کرنے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کی اجازت دی اور اس کام کے لئے وکیل شرعی مقرر کئے، مؤرخ ہندوستان لکھتا ہے:۔

”سنہ ۱۰۸۳ھ میں بادشاہ نے حکم فرمایا کہ حضور میں اور شہروں میں منادی کریں کہ جس کسی کا دعویٰ شرعی بادشاہ پر ہو وہ حاضر ہو کر وکیل بادشاہ سے رجوع کرے، اور اثبات کے بعد اپنا حق لے لے، اور حکم دیا کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل شرعی حضور میں اور بلاد نزدیک و دور میں مقرر ہوتا کہ جو حضور میں آنے کی دسترس نہیں رکھتے وہ ان کے ذریعہ سے اپنی حق رسی کا دعویٰ کریں۔“

مغل دربار میں اور شاہان مغلیہ کے لئے عام طور پر کونش و آداب کے طریقے رائج تھے، جن میں مبالغہ آمیز تعظیم اور خلاف شریعت اعمال شامل تھے، سلام مسنون کا تو درباروں کا کیا ذکر امراء و رؤساء بلکہ بہت سے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بھی رواج نہیں رہا تھا، بادشاہ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی، اور سلام مسنون پر اکتفا کرنے کی تاکید کی، مؤرخ لکھتا ہے:۔

”مولا نا حکیم سید عبدالحی مصنف نزہۃ الخواطر نے اپنی گراند قدر کتاب الثقافة الاسلامیہ فی الہند میں بڑی تحقیق و تلاش سے ان لوگوں کے نام جمع کئے ہیں جو علماء کے اس بورڈ میں شامل تھے، انھوں نے بیش ایسے نام کئے ہیں جو پورے ہندوستان کے علمی حلقے

کی نامزدگی کرتے تھے، ملاحظہ ہو الثقافة الاسلامیہ فی الہند مطبوعہ دکن اکیڈمی سنہ ۱۱۰۰ھ ایضاً ص ۲۰

”انھیں دنوں میں حکم ہوا کہ جب سلمان بادشاہ سے ملاقات کریں تو سلام شرعی سلام علیک پر اکتفا کریں

کفار کی طرح سر پر ہاتھ نہ رکھیں احکام بھی خاص و عام کے ساتھ ہی طریقہ برتیں۔“

انھیں جذبات و اقدامات کی بنا پر ہندوستان کے دینی حلقوں نے بادشاہ عالمگیر کو ”محی الدین“ کا لقب دیا، علامہ اقبال کے نزدیک بھی (جن کی ہندوستان کے رجحانات اور فلسفوں اور ویدانت اور شریعت کی صفت آرائی، اور ہندوستان کے مستقبل کی صورت گیری میں قسمت آزمائی پر گہری نظر تھی) عالمگیر کا شمار ان چند شخصیتوں میں تھا جن کے سراسر ملک میں اسلام کی حفاظت کا سہرا ہے، راقم سطور نے اپنی ایک طویل ملاقات کی (جو ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو لاہور میں ان کے دولت خانہ پر ہوئی تھی) روداد قلمبند کرتے ہوئے اپنے مضمون ”عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے“ میں لکھا تھا:-

”ہندوستان میں اسلام کے تجدید و احیاء کی بات نکلی تو علامہ نے مجدد الف ثانیؒ حضرت

شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اور سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی، اور

فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جدوجہد نہ ہوتی تو ہندو تہذیب و فلسفہ

اسلام کو اپنے اندر تحلیل کر لیتے۔“

انھوں نے اسی یقین و تحقیق کی بنا پر عالمگیر کی شان میں حسب ذیل پرچوش اور فکر انگیز شعر کہے:-

شاہ عالمگیر گردوں آستان اعتبار و دومان گورگاں

پایہ اسلامیاں برتزازو احترام شرع پیغمبرازو

درمیان کارزار کفر و دین ترکش مارا خدنگ آخریں

تخم الحاد سے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت داراد مید

امام عالمگیر کے کھلے ہوئے دینی رجحان اور مملکت میں دور رس تبدیلیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادونا تھ سرکار کی کتاب

AURANGZIB (OXFORD) P. 64-66 نیز اسٹینلی لین پول کی کتاب HISTORY OF AURANGZIB VOL III P. 81-82

شمع دل در سینه باروشن نبود ملت ما از فساد ایمن نبود
 حق گزید از ہند عالمگیر را آن فقیر صاحب شمشیر را
 از پٹے احیائے دیں مامور کرد پھر تجدید یقین مامور کرد
 برق تیغش خرمن اتحاد سوخت شمع دیں در محفل مابرفروخت
 کور ذوقاں دانتانہا ساختند وسعت ادراک او نشا خلتند
 شعلہ توحید را پروانہ بود چوں براہیم اندرین بتخانہ بود

در صف شاہنشاہاں کیتا ستے
 فقر او از تربیش پیدا ستے

بالآخر حضرت مجدد کے دو خلیفہ اجل اور جانشین برحق حضرت خواجہ محمد معصوم اور
 حضرت سید آدم بنوری اور ان کے مخلص و با عظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں
 اس ملک میں بار آور ہوئیں اور رفتہ رفتہ بارہویں صدی ہجری میں یہ ملک پوری دنیاۓ اسلام
 (جس پر فکری و علمی اضمحلال کے بادل چھائے ہوئے تھے) کا روحانی و علمی مرکز بن گیا، اور
 دنیاۓ اسلام کے دور دراز گوشوں سے لوگ یہاں اپنی روحانی و علمی پیاس بجھانے،
 تزکیہ و احسان کی منزلیں طے کرنے اور حدیث کا درس لینے کے لئے آنے لگے، یہاں جابجا
 مجددی خانقاہیں اور کتاب و سنت کی تعلیم اور درس حدیث کے مرکز قائم ہو گئے، اور
 ایک عالم نے ان سے فیض اٹھایا۔

حضرت مجدد کی مخالفت و تضرع کی تحریک اور اس کے نمایاں افراد

یہ باب نامکمل رہے گا اور ناظرین کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آئے گا (جو اگرچہ بہت درخشاں اور روشن ہے) اور مجدد صاحب کی سیرت و تاریخ میں یہی پہلو غالب اور نمایاں ہو کر رہا (اگر ہم اس مخالفانہ تحریک اور مہم کا ذکر نہ کریں، جو مجدد صاحب کی زندگی کے آخری دور ہی میں شروع ہو گئی تھی، اور جو ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہو کر برصغیر تک پہنچی، اور جس کی بنیاد مجدد صاحب کی بعض تحریرات، اور مکتوبات کی بعض عبارتوں اور مضامین پر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کو ان کی زندگی میں جو قبول عام اور مرجعیت تمام عطا فرمائی، اور ان کا اہل ذکر و علم سے لے کر اہل حکومت تک پر جو اثر قائم ہوا، اور چند سال کے عرصہ میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو ہندوستان اور بیرون ہند میں جو فروغ نصیب ہوا، نیز انھوں نے جن نئے علوم و تحقیقات کا اپنے مکتوبات اور مجالس کے ذریعہ افاضہ فرمایا جن میں سے بہت سے عوام و خواص کے لئے بھی نمانوس اور ایک حد تک (اگر موجب وحشت نہیں تو) موجب حیرت ضرور تھے، اور ان میں بہت سے ان حلقوں کے مسلمات کے خلاف

تھے، جو نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے اور یہ معاملہ اکثر ان نادار روزگار شخصیتوں کے ساتھ پیش آیا ہے، جو کسی علم و فن کی مجتہد اور کسی سلسلہ و طریق کی بانی، اور اپنے زمانہ کی عام علمی ذہنی و باطنی سطح سے بلند ہوتی ہیں، اور جن کو الشریعہ لے علوم و کمالات وہی سے نوازتا ہے، اور وہ عام اصطلاحات اور قدیم تعبیرات کے دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، پھر آپ نے بدعت حسنہ کے خلاف جو قلمی جہاد شروع فرمایا، مشائخ کے لئے سجدہ تعظیمی و جد و سماع، نقلی طور پر نماز کی نیت کرنے، جماعت کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے اور محفل میلاد کی مخالفت کی یا مکاشفہ کے حجت نہ ہونے اور مشائخ طرق و اولیاء کے کبار کے بجائے ائمہ مجتہدین کے قول کے حجت ہونے کو ثابت کیا، اور کشف کی صحت و قطعیت میں کلام کیا، اور اپنے عہد و دیار کے بہت سے سلسلوں اور خانقاہوں کے مروجہ اور متعارف معمولات کے مخالف سنت ہونے کو ظاہر کیا، پھر اس سب سے بڑھ کر وحدۃ الوجود سے (جس کو ایک بدیہی حقیقت اور محققین صوفیہ کا ایک اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا تھا) اور شیخ اکبر کے علوم و تحقیقات سے جن کو علم و معرفت کا "سدرۃ المنتہی" قرار دیا گیا تھا، قدم آگے بڑھایا، اور اس کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا، اس کے بعد آپ کے بارے میں زبانوں اور قلموں کا یکسر خاموش رہنا، اور کسی مخالفانہ اور تردیدی بلکہ تضلیلی تحریک و مہم کا آپ کے آخر زمانہ میں یا آپ کے ارتحال کے فوراً بعد پیدا نہ ہونا، صرف تاریخ اصلاح و تجدید بلکہ تاریخ علم و تدوین کا بھی ایک نادار واقعہ ہوتا۔

ان اختلافات یا مخالفتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ مخالفت جو مخالفین کی کسی غلط بیانی کی بنیاد پر یا کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اور اس غلط بیانی اور سازش کا پردہ چاک ہونے، یا اس غلط فہمی کے دور ہو جانے کے بعد رفع ہو گئی، دوسری وہ مخالفت جو اختلاف عقیدہ و مسلک، یا کسی عصبیت یا ذاتی عناد پر مبنی تھی۔

پہلی قسم میں ہم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے اختلاف کو لیتے ہیں جن کا علمی و دینی پایہ خلوص و لہیت اور دینی حمیت مسلم ہے اور جو حضرت مجدد کے پیرو بھائی بھی تھے اور اپنے پیر کے خلیفہ و مجاز بھی انھوں نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا ان کے بعض اقوال و تحقیقات پر سخت حیرت اور وحشت کا اظہار کیا اور ایک مکتوب میں جو حضرت مجدد کے نام ہے اس کا برملا اظہار بھی کر دیا حضرت شیخ عبدالحق کے اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں ان کے بارے میں مجددی سلسلہ کے بہت سے اہل علم و اہل نظر کی تحقیق ہے کہ وہ محرف اور غلط ہیں یہ ایک نجی مکتوب تھا حضرت شیخ نے اس کو اپنی کتاب ”المکاتیب والرسائل“ میں درج نہیں کیا حضرت مرزا منظر جان جاناں کے ارشاد کے مطابق شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی۔

اس مکتوب کی تحریر میں اصلاً جو جذبہ کام کر رہا ہے (اور وہ فی ذاتہ محمود ہے) وہ شیخ کا یہ خیال ہے کہ مجدد صاحب کے بعض اقوال و تحقیقات سے بعض ایسے بزرگوں کی تنقیص اور تخطیہ کا پہلو نکلتا ہے جن کی جلالت قدر پر امت کا اتفاق ہے لیکن اس کا مکتوبات کے غوامض و شایع اور حضرت مجدد صاحب کے مقاصد کے رمز آشبارا جواب دے چکے ہیں اور خود مکتوبات کا مطالعہ اور حضرت مجدد کی زندگی اس کی تردید کرتی ہے اس مکتوب کا

۱۔ یہ مکتوب پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب ”حیات شیخ عبدالحق“ کے آخر میں مکمل طریقہ پر درج ہے ملاحظہ ہو ص ۳۱۲-۳۱۴ اس مکتوب کے جواب میں بکثرت رسالے لکھے گئے جن میں شیخ بدرالدین سرہندی، شیخ محمد یحییٰ (فرزند اصغر حضرت مجدد) شیخ محمد فرخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا نام لیا جاسکتا ہے مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ”ہدیہ مجددیہ“ کے نام سے ایک مستقل کتاب اسی کے رویں لکھی ہے جو ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک بڑا محکمہ حضرت شیخ کی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ وہ یگانہ عقیدت بھی ہے جو عشق و فنائیت کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ ہر طرح سے نہ صرف قابل تحسین بلکہ قابل رشک ہے اور اس میں امت کا ایک بڑا طبقہ ہر عہد و ملک میں ان کا شریک ہے حضرت شیخ کا خیال ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے کلام سے ان پر — اپنی ترجیح ثابت ہوتی ہے اس کا بھی ان تردیدی رسائل میں تشفی بخش جواب دیا جا چکا ہے یہاں اس مکتوب کے مختلف اجزا اور مشتملات کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود نہیں اس کے لئے ان رسائل کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا اس مکتوب میں حضرت مجدد کی طرف بعض ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جو بدانتہا بے اصل ہیں اور معاندین کی افتر پردازی ہے حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ نے ان کو کیسے باور کیا اور مکتوب میں درج فرمایا، حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے قلم سے جو محسم وقار و سکینت تھے اسی بنا پر اس طرح کی عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد بے اختیار نکل گیا ہے۔

”الیا ذالہ اس چہ خلاف نویسی است“ وایں چہ بے تحقیق گوئی است در پیچ مکتوب ایساں اس چہ عبارت نیست یا شیخ عفا اللہ عنک ”(پناہ بخدا یہ کیا ہے اصل و بے تحقیق کلام ہے) حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں اس طرح کی عبارت نہیں حضرت شیخ اللہ آپ کو معاف کرے!۔

لیکن چونکہ حضرت شیخ مخلص تھے اور ان کے قلم سے ان اقوال و بیانات پر جو حضرت مجدد کی طرف منسوب کئے گئے تھے جس خیر و تاثر کا اظہار ہوا اس کی محرک ان کی دینی حمیت اور علمی مقام تھا اس لئے جب ان کو اس غلط بیانی کا علم ہوا حضرت مجدد کے بارے میں غلط فہمی رفع ہوئی اور آپ کا علوئے مقام ان پر منکشف ہوا تو انہوں نے اس کی

تلافی کرنے میں قطعاً تقصیر و تاخیر سے کام نہیں لیا، اور بڑے بلند الفاظ میں حضرت مجدد کے ساتھ خلوص و محبت کا اظہار کیا، جو ان کے جیسے عالم ربانی ہی کے شایان شان ہے، انھوں نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد دہلوی کو حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

سلمکم اللہ دایمًا کم علی رؤس المحبین
الطالبین المخلصین دریں دورہ وزہ
کہ از احوال شریف خبر نہ گرفت یا
بہ جہت تقصیر کے کہ در حبلیت بشر است
یا یہ قصد آن کہ مطلقاً از آلائش ضعف
و فقرت پاک شدہ باشند تا خبر مسرت
اثر صحت کلی و عافیت تمام مشرف
و سرور گردد و امید کہ بہ اعلا م
آن مشرف گردانند۔

الشر تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے
والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی
رکھے اس دو تین دن کے عرصہ میں آپ کے
احوال شریف کی خبر نہ معلوم کرنے کی وجہ
یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے جو انسان کی
فطرت میں ہے یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا
ہے کہ کامل صحت ہو جائے اور پھر
خبر مسرت سننے میں آئے امید ہے کہ
صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔

دبیدہ محبت در راہ انتظار وصول
اخبار مسرت آثار بندگی حضرت پیا
شیخ احمد دوچار است امید ار است کہ
دعائے محبان بہ اجابت رسید اثر عظیم
آرد نسبت این فقیر در این ایام و
صفائے باطن بہ خدمت ایشان از
حد متجاوز است و اصلاً پردہ بشریت

بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اجزاء
مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے
امید ہے چاہنے والوں کی دعا قبول ہو
بڑا اثر پیدا کرے گی، آج کل ان سے
فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے،
بشریت کا کوئی پردہ یا افتاد طبع کا
کوئی اثر بالکل حاصل نہیں رہا میں خود

و غشاوہ جبلت در میان نہ ماندہ نہ سی
 دانکہ از کجا است با قطع نظر از رعایت
 طریقہ انصاف و حکم عقل کہ بہ این چنین
 عزیزان و بزرگان بد نہ باید بود و در
 باطن بہ طریق ذوق و وجدان و غلبہ
 — چیزے افتادہ است کہ زبان
 از تقریر آں لال است بحان اللہ
 مقلب القلوب و مبدل الاحوال شاید
 کہ ظاہر بنیاں در آں جا استبعاد کنند
 من نمی دانم کہ حال چیست و بہ چہ
 منوال است زیادہ چہ گوید و چہ
 نوید ^{لہ} داخلہ اعلم بحقیقۃ الحال

نہیں جانتا کہ کیس بناء پر ہے۔
 اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقہ
 انصاف کی رعایت اور حکم عقل کا
 تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور
 بزرگوں کے ساتھ بزرگان نہ ہونا چاہئے
 میرے دل میں ذوق و وجدان اور
 غلبہ کی بناء پر کچھ ایسی کیفیت پیدا
 ہو گئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان
 قاصر ہے پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے
 اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بن شاید
 اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں
 جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے
 زیادہ کیا کہوں، اور کیا لکھوں،
 حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے۔

دوسری قسم میں سے ہم سب سے پہلے بارہویں صدی کے ایک حجازی عالم شیخ حسن عجمی المکی
 (جو مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، اور اس عہد کے مشہور حنفی عالم تھے، اور حضرت
 شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے استاد تھے) کی کتاب

لہ بشارات مظهریہ از شاہ نعیم اللہ ہراچی، مخطوط کتب خانہ ندوۃ العلماء ^{۲۵} مدینہ ^{۲۵} حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

انفاس العارفين میں ان کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ وہ حدیث میں شیخ کا درجہ رکھتے تھے، مختلف علوم اور قتال میں دخل
 (باقی صفحہ ۳۴۱ پر)

”اللسان الہندی فی جواب سوال عن کلمات السرهندی“ پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اس کتاب کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان سے حرین شریفین میں ۱۰۹۳ھ میں شیخ احمد سرہندی اور ان کے ان بعض نامناسب کلمات کے بارے میں جو ان کے مکتوبات سے نقل کئے گئے ہیں، ایک سوال آیا، اور علمائے حرین شریفین سے استفتاء کیا گیا کہ جو ایسے کلمات کو اپنی زبان سے نکالے، یا ان پر اس کا اعتقاد ہو، یا وہ ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے، اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ اس کے بعد جامع کتاب نے لکھا ہے کہ میرے قابل احترام استاد و شیخ مولانا شیخ ملا ابراہیم بن حسن کورانی نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کا جواب دوں، اور علمائے حرین کی اس بارے میں رائے اور فتوے نقل کروں، مؤلف کتاب نے اس مجموعہ میں دو عالموں ایک مذکور الصدر ملا ابراہیم کورانی مدنی، دوسرے علامہ جمال الدین محمد ابن عبدالرسول البرزنجی کے

(باقی صفحہ ۳۲۰ کا) رکھتے، فصیح اللسان اور قوی الحافظ تھے، ان کی زیادہ تر صحبت و استفادہ شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے، شیخ احمد تاشی، شیخ محمد بن العلماء باہلی، اور شیخ زین العابدین ابن عبدالقادر طبری مفتی شافعیہ کی بھی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، شاہ نعمت اللہ قادری جیسے اہل طرق سے بھی ملاقات کی تھی، اور دعوت اسماء کا بھی شغل رہا تھا، ان کے درس حدیث میں شاہ ولی اللہ صاحب کے اتنا شیخ ابو طاہر کردی مدنی عام طور سے قاری ہوتے تھے، آخر عمر میں مکہ کی سکونت موقوف کر کے طائف میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، وہیں ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی، اور سیدنا عبدالنور بن عباس کے قریب جگہ پائی (انفاس العارفین ۱۸۶-۱۸۷) خیر الدین الزرکلی نے ”الاعلام“ میں ان کو انجمنی لکھا ہے، والد کا نام علی بن یحییٰ تھا، ابو البقاء کنیت تھی، بانی الاصل ہیں ۱۰۴۹ھ میں ولادت ہوئی، (جلد ۲، صفحہ ۲۲۳)

اسے عربی مخطوطہ خدابخش خاں لاہوری، بانکپور پرنٹ نمبر ۲۷۵۳- یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں مکمل ہوئی خدابخش خاں لاہوری کا مخطوطہ نسخہ مصنف کے نسخہ سے شیخ سلیمان جلیوتی نے نقل کیا اس نے وہ ہر طرح قابل اعتبار ہے

یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات میں بھی موجود ہے (شامل کتاب قدح الزند نمبر ۲۲۲ فن کلام ورق ۸) لیکن (باقی صفحہ ۳۲۰)

سب سے پہلے اس استفتاء کے دو مجیب ملا ابراہیم کورانی مدنی اور جمال الدین محمد ابن عبدالرسول برزنجی کی شخصیت سے واقفیت کی ضرورت ہے، اول الذکر کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" (صفحہ ۱۸۴-۱۸۶) پر کیا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اصل استاد حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے والد اور شیخ ہیں اس زمانہ کے ایک شیخ اور بزرگ شیخ یحییٰ شاوی کے بایں میں ان کی اس رائے سے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے ذکر کی ہے، اور جس میں شیخ نے ان پر تحسین کا فتویٰ صادر کیا، اور جس کی وجہ سے وزیر سلطنت ترکی نے جو ان کا معتقد تھا، ان کو اہانت کے ساتھ مجلس سے نکال دیا، اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشونت اور رائے قائم کرنے میں عجلت تھی، سید محمد برزنجی جو اس مجموعہ کے دوسرے مفتی ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "فی الجملہ یئس مزاج داشت" (صفحہ ۱۸۴)، (مزاج میں کسی قدر خشکی تھی)۔

(باقی صفحہ ۳۲۳ کا) اس کا نام صرف "العصب الہندی" سرورق پر درج ہے بھفت کے قلم سے کتاب کے نام کا کہیں ذکر نہیں ہے۔
کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات میں اس موضوع (حضرت مجدد کے اقوال و تحقیقات کی تردید) پر دو اور کتابیں پائی جاتی ہیں:-
۱۔ قدح الزند و قدح الزند فی رد ضلالت اہل سہن علیہ محمد البرزنجی (نمبر کتاب ۲۲۳ فن کلام ورق ۳۴)
۲۔ الناشرة الناجرة للفرقة الناصرة للكلمات الفاجرة للسید محمد البرزنجی (نمبر کتاب ۲۲۳ فن کلام ورق ۲۱ کتابت ۹۵)
سید محمد برزنجی ان کا پورا نام محمد بن عبدالرسول ابن عبدالیہ الحسنی البرزنجی ہے، ۱۲۸۵ھ میں ولادت اور ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی، شہر زور میں ولادت ہوئی، آخر میں مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، ان کی ایک کتاب "محل مشکلات ابن العربی" بھی ہے، یہ وہ برزنجی نہیں ہیں جن کا مولود دیا عرب میں مشہور ہے، (الاعلام للزکلی جلد ۷ صفحہ ۵۵) مجدد صاحب کی تردید میں ان کی مستقل کتاب "قدح الزند" بھی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "المختصر من کتاب نشر التور والزم" جزء اول تألیف الشیخ عبداللہ مراد البجانیخیر۔

اس سب کے بعد فتاویٰ اور علماء کے آراء اور حکم شرعی کے بیان و اعلان کی تاریخ میں اس تاریخی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ علماء اور اہل افتاء کے سامنے واقعہ کی جیسی صورت بیان کی جاتی ہے اور جس طرح کے منقولات و اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، انھیں کو سامنے رکھ کر اور انھیں کے پیش نظر فتویٰ صادر کیا جاتا اور حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے، مثل مشہور ہے "تنہا پیش قاضی روی راضی بیانی" (اکیلے قاضی صاحب کے پاس چلے جاؤ اور اپنے مطلب کا فتویٰ لکھوا کر آ جاؤ) یہ علماء و اہل افتاء نہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں اور نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال و بیانات کے سیاق و سباق کو دیکھیں، اور اس کی تصدیق کریں کہ یہ قول صحیح ہیں اور ان کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے "لا تقربوا الصلوة" کے مشہور عوام لطیفہ کے مطابق اپنی تائید میں نہیں پیش کیا گیا ہے، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ جواب تحریر کرنے والے حضرات نے مکتوبات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا ہوگا، اور نہ ان کو درس و افتاء سے اتنی فرصت ملی ہوگی کہ وہ مزید اس کی تحقیق کرتے، نیز اس وقت حرمین شریفین میں اس سلسلہ کے ایسے اہل علم حضرات بھی موجود نہیں رہے ہوں گے، جو حقیقت حال سے آگاہ کر سکتے۔ جہاں تک مستفتی کے فہم و امانت اور احساس ذمہ داری کا تعلق ہے، اس کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے کہ حضرت مجدد نے حقیقت کعبہ کے بارے میں جو دقیق عارفانہ کلام کیا ہے، اس کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ معروف عمارت کعبہ نہیں ہے، اور یہ بات کفر کو مستلزم ہے، مصنف لکھتے ہیں:-

ومنها انكاره معانوا تراث الكعبة
 اور انھیں کفریات میں سے ان کا اس بات
 ہی النبوة المعروفة وذلك كفر
 سے انکار کرنا ہے کہ کعبہ ہی موجودہ معروف

عمارت ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں اس مکتوب کو پڑھئے، جو شیخ تاج الدین سنہلی کے نام ہے، جو تازہ تازہ حج بیت الشریعہ سے واپس آئے تھے، مجدد صاحب بیت الشریعہ کے حالات سننے کے اشتیاق و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”فقر کے نزدیک جس طرح صورت کعبہ ربانی خلائق کے صورت و اجسام کے لئے (کیا بشر اور کیا نلک) موجود ایسا ہے اس کی حقیقت ان صورت و اجسام کے خلائق کا بھی موجود ایسا ہے، اس طرح یہ حقیقت تمام خلائق کے اوپر اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں ان تمام کمالات پر جو دوسرے خلائق سے متعلق ہیں، فوقیت رکھتی ہے، گویا یہ حقیقت خلائق کوئی اور خلائق الہی کے درمیان برنخ ہے۔“

اس ایک مثال سے ان دانستہ یا نادانستہ فتویٰ تکفیر کی حقیقت و ماہیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو ان نقول و اقتباسات پر جاری کیا گیا ہے، اس کے باوجود بھی مصنف نے آخر میں یہ احتیاط کی ہے کہ لکھا ہے:-

”یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوال کے قائل اور ان تحریرات کے لکھنے والے پر فضل فرمایا ہو، اور ان کا خاتمہ بخیر ہوا ہو، جیسا کہ اس معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رہا ہے، اور اس کی شانِ کریمی کا بارہا اظہار ہوا ہے، اور اس کا ایک یہ بھی فرمنا ہے کہ ان کی صلیبی اولاد میں سے بعض حضرات جب حرمین شریفین حاضر ہوئے تو انھوں نے حدیث کی سند لینے کا شوق ظاہر کیا، اور انھوں نے بتایا کہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت محمدی، اور نقشِ قدمِ نبوی پر چلنے پر ہے، انھوں نے مشائخ حدیث مثلاً امام زین العابدین طبری سے حدیث کی سند لی، اور ہمارے شیخ عیسیٰ محمد بن المغربی جعفری کو ایسا مطمئن و مانوس کیا کہ انھوں نے

شیخ محمد معصوم سے طریقہ نقشبندیہ کی تحصیل کی تاکہ ان کو اس کے عالی مرتبہ مشائخ کی برکت حاصل ہو۔

مصنف کے اس بیان سے جو انھوں نے ازراہ دیانت درج کیا ہے، صاف طریقہ پر اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ محض ان نقول کے اعتماد پر لکھے گئے تھے، جو پیش کی گئیں اور مفتی صاحبان خود ان کے بارے میں متردد تھے، مجددی خاندان کے عالی مرتبہ افراد کے حرمین شریفین میں حاضر ہونے اور خاص طور پر حضرت خواجہ محمد معصوم کی سیرت اخلاق اور احوال رفیعہ دیکھنے کے بعد نہ صرف یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہوگی، بلکہ خود مصنف کے ایک جلیل القدر شیخ عیسیٰ مغربی نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی اور طریقہ مجددی نقشبندیہ کی نسبت پیدا کی، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں ان کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

باجملہ کے از علماء متقین بود و سے استاد جمہور اہل حرمین است و یکے از اوجیہ حدیث

و قرأت شایعہ با حسن بہ حق و سے، گفتی من أراد ان ینظر الی شخص لا یشک فی ولایتہ
خلینظر الی هذا

ترکستان کے ایک مجددی فاضل محمد بیگ الازہبی ان فتاویٰ کے بعد حجاز آئے، انھوں نے اپنی کتاب "عطیۃ الوقاب، الفاصلۃ بین الخطأ والصواب" لکھ کر یہ ثابت کیا کہ یہ فتاویٰ مکتوبات کی عبارتوں کے غلط تراجم پر مبنی ہیں، اور دانستہ ایسی تحریف کی گئی ہے، انھوں نے غلط ترجمہ کی متعدد مثالیں دیں، اس تو ضیح سے متاثر ہو کر بہت سے علماء نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اور بعض نے امام ربانی کی تائید و دفاع میں کتاب لکھی،

ان میں حسن بن محمد مراد الشرنوبی الکی بھی ہیں جنہوں نے "الحرف الندی فی نصرة الشيخ أحمد السمری" لکھی جس میں انہوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف جو ہم شروع کی گئی تھی اس کی بنیاد غلط و محرف تراجم پر تھی، دوسرے صاحب احمد الشیشی المصری الشافعی الازہری ہیں، انہوں نے اس بات کا صفائی سے اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کی تکفیر صرف تصوف کی اصطلاحات و نظریات کے صحیح طور پر نہ سمجھنے یا غلط سمجھنے کی بناء پر ہو سکتی ہے، ہوا انہوں نے استعمال کئے ہیں، محمد بیگ نے علماء حجاز کے ساتھ اس موضوع پر مباحثے بھی کئے اور رورؤ گفتگو اور مذاکرات بھی جس کی وجہ سے البرزنجی کو اپنی کتاب "الناشرة الناجدة" لکھنی پڑی جس میں محمد بیگ کا بڑے حقارت آمیز اور تھیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا۔

ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب کی مخالفت اور ان پر اعتراضات کی ایک قابل توجہ تاریخی دستاویز جو مخالفین و معترضین کی ذہنیت اور طرز فکر کی واضح ترجمانی اور اس گروہ کی کسی درجہ میں نمائندگی کرتی ہے، وہ شیخ عبدالشرخویشگی قصوری (۱۰۴۳-۱۱۰۶ھ) کی کتاب "معارج الولاية" ہے جو ایک ضخیم تصنیف ہے، عبدالشرخویشگی کے (جو اختصاراً عبدی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں) حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں، اپنے زمانہ کے مروجہ علوم میں دخل رکھتے ہیں، تصوف میں سلسلہ چشتیہ سے ان کا تعلق ہے، اور ذوقاً و مشرباً و جود میں ہیں، بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ وحدۃ الوجود میں ان کو غلو ہے،

۱۔ اس کتاب کے قلمی نسخہ کا راقم سلور نے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ لاہور میں بھی ہے۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہواحوال و آثار عبدالشرخویشگی

قصوری تالیف محمد اقبال مجددی، شائع کردہ دارالمؤرخین لاہور۔

ان کے اساتذہ اور معتقد فیہ اشخاص بھی زیادہ تر حضرت مجدد کے مخالفین اور وصال الوجودی صوفیہ ہیں، اور ان میں سے بعض (مثلاً شیخ نعمت لاہوری اور قاضی نور الدین قاضی قصوی) مجدد صاحب فتویٰ تکفیر پر دستخط کرنے والوں میں ہیں، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید محمد برزنجی مؤلف "قدح الزند" کے متعلقین سے بھی متاثر ہوئے ہیں، جو اورنگ آباد میں مقیم تھے، جہاں ۱۰۹۶ھ میں خوشگی نے اس کتاب کی تکمیل کی ہے، اس کتاب کا ایک ماخذ اس عہد کی ایک دوسری تصنیف "کاسۃ المخالفین" ہے، جو حضرت مجدد اور آپ کے تبعین کے رد میں لکھی گئی تھی۔

قصوری کے طرز فکر اور مبلغ علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجدد صاحب کی قابل اعتراض چیزوں میں نماز کی زبان سے نیت نہ کرنے کو بھی شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

چوں برائے تحریجہ نماز برخاستے اغلب	جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے
اوقات نیت را بدل کر دے و زبان را	اکثر اوقات دل سے نیت کرتے
ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول اللہ	زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ
صلی اللہ علیہ وسلم نیت بدل کر دے	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی
نہ بزبان، زیرا کہ نیت فعل قلب	یہی معمول تھا کیونکہ نیت دل کا
است نہ فعل لسان۔	فعل ہے نہ کہ زبان کا۔

خوشگی نے مکتوبات کا مطالعہ کس نظر غائر سے کیا تھا، اور ان کے اندر کس درجہ میں ذمہ داری کا احساس اور کسی کی طرف اقوال و خیالات کی نسبت کرنے میں کتنی احتیاط تھی، اس کا اندازہ ان کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:-

لہ اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ آباد گیارہویں صدی کے آخر میں اس تحریک مخالفت کا بڑا مرکز تھا اور وہیں سے یہ مسئلہ سب سے پہلے پھیل گیا۔

بعض مشائخ متقدمین ہر کائنات
 بہ وحدۃ وجود شدہ چنانچہ حسین
 منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال
 اُن اور المحدثین کفنیہ در مکتوبات
 خود کہ مجلد بسہ مجلد است در اکثر
 مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر
 نموده و در بعضی محال نسبت مذاہب
 اعتزال بہ وے ثابت نموده و بایں
 ہمہ اور از جملہ مقبولان شمرده۔

مشائخ متقدمین میں سے جو لوگ
 وحدۃ الوجود کے قائل تھے مثلاً
 حسین منصور اور شیخ محی الدین عربی
 وغیرہ (شیخ احمد سرہندی) ان کو
 لمحدوزندیق کہتے تھے اپنے مکتوبات
 میں جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اکثر
 مقامات پر شیخ محی الدین عربی کی
 تکفیر کی ہے اور بعض مقامات پر
 مذاہب اعتزال کی ان سے
 نسبت کی ہے اور اس سب کے
 باوجود ان کو مقبولین الہی میں شمار
 کیا ہے۔

ان اعتراضات کے ساتھ حضرت مجدد کی تعریف بھی کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-
 بہ دعوت طالبان حق ارشاد کردہ
 پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت
 نمودے، و بہ جانب حق دلالت
 فرمودے، و بر اجراءے شرائع تقید
 فرمودے، و تارک شرائع را توبیخ
 و زجر کردے، و مرتکب شرائع را
 (حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو
 دعوت طالبان حق کی اجازت دی
 چنانچہ طلبگاران حق کو آپ ہدایت
 کرتے، الشر کی طرف رہبری فرماتے
 احکام شرعیہ کی پیروی کی تاکید
 فرماتے، تارک شریعت کو زجر و توبیخ

دوست داشتے۔
کرتے، شریعت پر عمل کرنے والے
سے خوش ہوتے۔

مجدد صاحب کی طرف سے تاویل بھی کرتے ہیں، اور حسن ظن بھی ظاہر کرتے ہیں، مخالفین
نے جن عبارتوں اور الفاظ پر اعتراض کیا ہے، ان کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

وقتے لازم آید کہ مراد ازیں الفاظ معنی
ظاہری بود فاما اگر مراد از معنی باطنی
بود چنان کہ گزشتہ سیح تکفیر و
وتشیع لازم نیابد۔
لیکن یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ سے
معنی ظاہری ہی مراد ہو، لیکن اگر ان سے
معنی باطنی مراد ہوں جیسا کہ اوپر
گزارا تب... اس سے کوئی تکفیر و
وتشیع لازم نہیں آتی۔

لیکن پھر وہ خیال جو صحبت و ماحول کے اثر اور افواہوں کی کثرت سے ان کے ذہن
میں جاگزیں ہو گیا ہے، غالب آتا ہے، اور وہ لکھتے ہیں:-

و لیکن حق آنست کہ ایراد کلامے
کہ موہم بنقص بود بجناب نبوی
خالی از نقص و قصور نیست مگر
لیکن حق یہ ہے کہ ایسے کلام کا لانا
جس سے بارگاہ نبوی میں تنقیص کا
وہم پیدا ہوتا ہو نقص و قصور سے
خالی نہیں۔

اس کتاب کی زیادہ تر اہمیت اور شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ اس میں قاضی
شیخ الاسلام کا... مراسلہ درج کیا گیا ہے، جو انھوں نے اورنگ آباد کے قاضی قاضی ہدایت اللہ

لہ قاضی شیخ الاسلام قاضی القضاۃ عبد الوہاب گجراتی کے بیٹے، اور عہد عالمگیری کے نامور قضاۃ میں تھے، ۱۱۸۶ھ

میں عالمگیری نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا، ۱۱۹۴ھ میں اس عہدہ جلیلہ سے استعفا دیا اور حج کے لئے روانہ
(باقی صفحہ ۳۵ پر)

کے نام بھیجا ہے اور اس کے متعلق مصنف کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ اسلام (اورنگزیب عالمگیر) کے حکم سے جاری کیا گیا، اور اس پر قاضی شیخ الاسلام کی مہر تھی، مصنف کے بیان کے مطابق اس پر ۲ شوال سنہ ۱۰۹۰ھ کی تاریخ درج ہے، یہ مراسلہ یا فرمان مصنف نے کتاب "کاسر الحقائق" سے نقل کیا ہے، اور یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

۲۷ راہ شوال سنہ ۱۰۹۰ھ..... قاضی	از قرار بتایک بست و ہتم شہر شوال
ہدایت الشر کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں	سنہ یک ہزار و نو و ہجری آنکہ
سمع مبارک تک یہ بات پہونچی کہ	شرعیات پناہ فضائل و کمالات
مکتوبات شیخ احمد سرہندی کے	دستگاہ فقاہت انتباہ، قاضی
بعض مقامات ظاہر عقائد اہل سنت	ہدایت الشر بجا فیت باشند۔
کے مخالف ہیں، شیخ مذکور کے معتقد	دریں ولا، عرض مقدس علی رسید کہ
جو شہر اورنگ آباد میں سکونت رکھتے	بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی
ہیں، ان کی اشاعت کرتے ہیں،...	ظاہر و مخالفت عقائد اہل سنت
اور ان کا درس دیتے ہیں، اور ان	جماعت است، و معتقدان شیخ
عقائد باطلہ مذکور کی حقیقت پر	مذکور کہ در بلاد اورنگ آباد خجستہ بنیاد
اعتقاد رکھتے ہیں، حکم والا شرف	سکونت دارند و ترویج آن بشیر و ہند
صدر و لایاکہ یہ خادم شرعیات پناہ کو	و تدریس می نمایند اعتقاد حقیقت
لکھے کہ ان کو رشد (۹) اور ان مضامین	عقائد باطلہ مذکورہ دارند۔

(باقی صفحہ ۳۴۹ کا) ہو گئے، عالمگیر کے اصرار کے باوجود انھوں نے دوبارہ یہ عہدہ قبول نہیں کیا (تاریخ گجرات)

از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم صفحہ ۷۱۔ ۷۲۔ منقول از آثار الامراء وغیرہ۔ لے افسوس کہ کتاب مصنف کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حکم والا شرف صدور یافت کہ
 اس خادم شریعت با شریعت پناہ
 بنویسد کہ آنہارا از رشد و دریں
 منع بکنند کہ معلوم شود کہ معتقد
 عقائد باطلہ مذکورہ است، اورا
 بہ سزا شری رسانند لہذا نگارش
 شد باید کہ بر طبق حکم مطاع واجب
 الاتباع بعمل آزند و حقیقت بزرگوارند
 کے درس و تدریس سے روک دیا جائے
 اور جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ان
 عقائد باطلہ پر اعتقاد رکھتا ہے،
 اس کو سزائے شرعی دی جائے،
 اس لئے اس کو تحریر میں لایا گیا،
 چاہئے کہ اس حکم واجب الاتباع
 کے مطابق عمل کیا جائے اور حقیقت
 لکھی جائے۔

اس فرمان شاہی کو زمانہ حال کی بعض تصنیفات میں بڑی اہمیت دی گئی ہے اور
 گویا یہ ایک عظیم تاریخی انکشاف ہے جو عالمگیر کے مجددی تحریک سے تاثر اور حضرت مجدد اور
 ان کے خاندان سے عقیدہ مندانہ تعلق اور روابط کی پوری عمارت کو منہدم کر دیتا ہے۔
 لیکن اگر نظر غائر دیکھا جائے تو وہ اتنا سنسنی خیز اور ہوش ربا نہیں ہے جتنا سمجھا
 گیا ہے پہلی بات یہ ہے کہ اس میں جہاں مکتوبات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ظاہر در مخالفت
 عقائد اہل سنت و الجماعہ کہا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس بات پر تشویش ظاہر کی گئی
 ہے وہ ان مضامین کی ترویج و تدریس ہے اور جس چیز سے روکا گیا ہے وہ یہی عمومی اعتدال

لہ معارج الولاية ص ۷۷

۷۷ شلا یودی فاضل YOHANAN FRIEDMANN کی کتاب SHAYKH AHMAD SIRHINDI-AN OUT

LINE OF HIS THOUGHT & A STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY,

MCGILL UNIVERSITY, MONTREAL & LONDON, 1971)

مطبوعہ

اور درس و تدریس ہے، ظاہر ہے کہ ان دقیق و غامض مضامین کی (جن کا فہم محققین کی اصطلاحات سے واقفیت، اور سلوک و تصوف کے عملی تجربات و مہارت پر موقوف ہے) عام اشاعت اور ان کا حلقہ درس میں لانا جس میں مبتدی و منتہی سب شریک ہوتے ہیں، انتشار خیال کا موجب اور اختلاف کا باعث ہو سکتا ہے، اور ایک حامی شریعت بادشاہ کو جس کے پیش نظر اپنے ملک کے معاشرہ کا ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہنا ہے، اور بزرگوں کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے سے احتیاط کرنا ہے، اور جس کو اپنی اس دعوت اور اس خاندان والا شان سے قلبی و مخلصانہ روابط پر اعتماد ہے، اور جو اپنے اثر و اقتدار سے اس کو کامیاب بنانے میں ساعی و سرگرم ہے، انتظاماً ایسی پابندی عائد کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے، اگر اس فرمان کو عالمگیری کی ذاتی زندگی، اس کے حقیقی رجحانات و جذبات، اور اس خاندان کے ساتھ اس کے ان روابط و تعلقات کے (جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) سیاق و سباق میں دیکھا جائے، تو اس کے چند جلوں میں اس پوری تاریخ، اور عالمگیر کے اس طرز عمل کی تردید کا کوئی سامان نہیں ہے، جس نے بالآخر سلطنت مغلیہ کا رخ ہندوستان سے اسلامی اثرات کے ختم کرنے سے ہٹا کر شریعت اسلامی کے نفاذ، اور اسلامی تہذیب کے اجراء پر ڈال دیا، اور جس میں بلاشبہ حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خاندان، خلفاء، اور تبعین کا بنیادی حصہ ہے۔

بہر حال، افسوس کہ کچھ بھی ہو، ہندوستان اور ہندوستان کے باہر حضرت مجدد کی وفات کے بعد ان کے مکتوبات اور ان کی بعض تحقیقات و نکات کی بنیاد پر مخالفت و تضلیل کی جو مہم شروع کی گئی تھی، اور جس میں علماء و اہل افتاء کی بھی ایک تعداد شریک ہو گئی تھی، اس نے بارہویں صدی کے ربع اول ہی میں دم توڑ دیا، اور اب وہ صرف تاریخ کے (اور وہ بھی بعض قلمی کتابوں کے

سہارے پر) اور اوراق میں مدفون ہو کر رہ گئی ہے، بارہویں صدی کے نصف اول ہی میں ہندوستان سے ترکستان تک مجددی خانقاہیں، اور ہدایت و ارشاد کے مرکز قائم ہو چکے تھے، سلسلہ مجددیہ کے مشائخ اور علماء نے مکتوبات کے مستند عربی ترجمے کر کے بیشتر اسلامی ممالک میں پھیلا دیئے تھے، شیخ محمد راوی قزانی نے حضرت مجدد اور ان کی اولاد و اخفاء اور ان کے سلسلہ کے عرب ترک مشائخ کا عربی میں تذکرہ لایا جو "ذیل الرشحات" کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز مکتوبات کا ترجمہ بھی کیا، جو "الدرر المکتوبات النفیسة" کے نام سے شائع ہوا، نیز شیخ محمد نور الدین سبک الأوزبکی کا عربی رسالہ "عطیة الوہاب" الفاصلة بین الخطأ والصواب، بھی شائع ہوا، اور مکتوبات کی ممالک عربیہ اور ترکی میں ایسی اشاعت ہوئی کہ تمام غلط فہمیاں رفع ہوئیں، سرآمد علماء روزگار علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۸ھ) اپنی شہرہ آفاق تفسیر "روح المعانی" میں مجدد صاحب کا بڑا احترام سے نام لیتے ہیں، اور مکتوبات کے بکثرت اقتباسات پیش کرتے ہیں، اور اب کہیں بھی علماء کے حلقہ سے مخالفت اور تضلیل کی کوئی تحریک یا مہم جاری نہیں۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا
مِثْلُ آبٍ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ فِي الْأَرْضِ ۖ

مِثْلُ آبٍ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ فِي الْأَرْضِ ۖ
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۚ

کذا لک یضرب اللہ الامثال۔
لئے نفع ہوتا ہے، وہ زمین میں رہ جاتی ہے،

(سورة الرعد - ۱۷)
اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے)

مثالیں بیان کرتا ہے۔

حکمت الہی کی یہ عجیب کار فرمائی ہے کہ مخالفت و تضلیل کی اس مہم میں سب سے بڑا حصہ حجاز کے ان علماء نے لیا تھا، جو کردی الاصل تھے، شیخ ابراہیم الکورانی کردی ہیں، اور سید محمد برزنجی بھی شہر زور میں پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سلسلہ مجددیہ نقش بند یہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جن حضرات نے رجوع کیا، حضرت مجدد اور ان کے سلسلہ کے دفاع کا فرض انجام دیا، ان کے نام نہایت انوار و شرف سے مزین ہیں۔

کے لئے ایک کردی عالم مولانا خالد شہر زوری کا انتخاب فرمایا، جن کی مساعی جمیلہ اور قوتِ نسبت سے یہ سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں اس طرح پھیلا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ”وَبَلَدِ جُنُودِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“



باب ہشتم

حضرت مجددؑ کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ
آپ کے تجدیدی کام کی توسیع و تکمیل

مشاہیر خلفاء

حضرت مجددؑ کے خلفائے عظام کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشواری نہیں
بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے، اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور
سرگرم عمل رہے، خلفاء میں متعدد اصحاب کے نام جن کو آپ نے بعض بیرونی ممالک میں اصلاح
و تربیت کا کام تفویض کر کے روانہ فرمایا تھا، یا ہندوستان کے بعض اہم مقامات میں اس
خدمت پر مامور فرمایا تھا، گزشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں، یہاں پر حروف تہجی کے اعتبار سے
ان میں سے مشاہیر کی فہرست درج کر دی جاتی ہے، پھر دو اہم ترین خلفاء (حضرت خواجہ
محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری) کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا،
پھر ان کے خلفائے کبار اور ان کے سلسلوں کی اشاعت اور ان کے ذریعہ سے اصلاح و
تربیت کا جو کام انجام پایا، جن اہم روحانی و تربیتی مراکز کی بنیاد پڑی اور ان سے عوام
و خواص کو جو فائدہ پہنچا اس کا اجمالاً تذکرہ آئے گا، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مجدد کے سلسلہ کو کس طرح قبول عام عطا فرمایا اور ان کی اصلاحی و تجدیدی مہم کو کیسا بار آور اور پُر اثر فرمایا، اور یہ سب ارادہ خداوندی، تائید غیبی، قبولیت عند اللہ غایت اخلاص اور اتباع سنت کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ
 اس سعادت بزور بازو نیست
 تانہ بخشہ خدائے بخشندہ

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا احمد دہلوی (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدرالدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خاں افغانی (۱۰) میر صغیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ خورد (۱۵) شیخ عبدالحی حصاری (۱۶) مولانا عبد الواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبدالبہادی فاروقی بدائونی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (۲۱) سید محب اللہ بانکپوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۵) شیخ مزل (۲۸) حافظ محمود لاہوری (۲۹) شیخ نور محمد مٹھی (۳۰) مولانا یار محمد جدید بخشی طالقانی (۳۱) مولانا یار محمد قدیم (۳۲) شیخ یوسف برکی (۳۳) مولانا یوسف سمرقندی۔

۱۔ حروف تہجی کی رعایت سے یہ فہرست مولانا سید زوار حسین کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانی" (شائع کردہ ادارۃ مجددیہ کراچی) سے ماخوذ ہے ان کے حالات کے لئے مذکورہ بالا کتاب از ص ۲۷ تا ص ۷۰ اور تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی کا مقالہ تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانی (از مولانا

نسیم احمد فریدی ص ۳۱ تا ۳۵ ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ محمد معصوم

شیخ طریقت و امام وقت، فاضل اجل حضرت معصوم بن احمد بن عبدالاحد الحدادی اہری
یعنی خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی اپنے والد کی چہیتی اولاد صورت مشابہ، انزب تر
پیروی و اتباع میں فائق آپ کے علوم کے حامل خصوصی، فرزند ان گرامی میں سب سے زیادہ مشہور
اور ان میں سب سے زیادہ بابرکت تھے۔

۱۱۔ ارشوال ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوئے اور بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ
محمد صادق سے اور بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں اپنے والد
کی خدمت میں رہ کر تحصیل طریقت کی اور تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، نسبت پدری کی
تحصیل میں آپ کا حال صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ جلیا تھا، جو اپنے دادا صاحب
کی تحریروں کو ان کے لکھے جانے کے ساتھ ہی حفظ کرتے جاتے تھے، اسی لئے اس مرتبہ کو
پہنچے جہاں آپ کے والد کے اصحاب میں سے کوئی نہیں پہنچا چنانچہ آپ کے والد ماجد نے
”قیومیت“ وغیرہ جیسے بلند مقامات کی بشارت دی، والد ماجد کی وفات کے بعد سند ارشاد پر
بیٹھے اور حرمین شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور خاصی مدت تک نیمہ منورہ
میں مقیم رہ کر ہندوستان واپس ہوئے اور درس و افتادہ میں عمر صرف کر دی تفسیر بیضاوی،
مشکوٰۃ و ہدایہ، عہدی، و تلویح زیادہ تر درس میں رہی۔

شیخ مراد بن عبدالشرقرانی ”ذیل ریشات“ میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی طرح
الشرکی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے آپ نے دنیا کو روشن کر دیا، اور اپنے توجہات اور

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کا یہ تذکرہ جس میں اکثر ضروری باتیں آگئی ہیں ”زہنہ الخواطر ج ۵ سے ماخوذ ہے۔

بلند حالات کی برکت سے جہالت و بدعت کی تاریکیوں کو کا فور کر دیا، ہزاروں انسان اسرار الہی کے محرم ہوئے اور آپ کے شرف صحبت کے سبب بلند حالات تک پہنچے، کہا جاتا ہے کہ نولاکھ انسانوں نے آپ سے بیعت کی جن میں آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار ہے جن میں شیخ حبیب اللہ بخاری بھی تھے جو اپنے زمانے میں خراسان و ماوراء النہر کے سب سے بڑے شیخ تھے، آپ کی وجہ سے بخارا کی فضائیں بدعت کی تاریکیوں کے بعد سنت کی روشنیوں سے معمور ہو گئیں آپ نے چار ہزار مریدوں کو باکمال بنا کر خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

شیخ محمد معصومؒ کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں، اور والد ماجد (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے مکتوبات ہی کی طرح اسرار و رموز اور لطائف و اشارات پر مشتمل ہیں، اور اکثر مجدد صاحب کے دقیق علوم و معارف کی تفسیر و تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ کو شہر سرہند میں انتقال فرمایا جہاں دفن ہوئے، قبر مبارک مشہور اور زیارت گاہ خلّائق ہے۔

حضرت سید آدم بنوریؒ

شیخ عارف، ولی کبیر حضرت آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار میں ہیں، آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملی تھی، سرہند کے قریہ بنور (بفتح با و تشدید نون) میں آپ کی ولادت و نشو و نما ہوئی۔

آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مرید حاجی خضر روغانی سے ملتان میں روحانی

۱۰ حضرت شیخ آدم بنوری کا تذکرہ نہایت خوبصورت و دلچسپ ہے جو اس سلسلہ میں مآثر و دلّ کا مصداق ہے۔

استفادہ کیا اور دو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر شیخ کے حکم سے حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کے پاس مدت تک مقیم رہ کر طریقت کی تحصیل کی "خلاصۃ المعارف" میں ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی خدمت میں آپ کو ربانی کشش حاصل ہوئی جو انھیں اپنے شیخ اسکندر سے اور انھیں اپنے دادا شیخ کمال الدین کنتھلی سے حاصل ہوئی تھی، فی الجملہ آپ اس رتبے کو پہنچے جہاں آپ کے بہت سے معاصر مشائخ نہیں پہنچ سکے، آپ کا طریقہ شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ کا اتباع تھا جس سے اپنے اقوال و افعال میں سب مواخرات نہیں کرتے تھے۔

آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا کہا جاتا ہے کہ آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی اور ان میں سے ایک ہزار نے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا، کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمیوں سے کم تعداد شاید ہی کسی دن رہتی ہو، سب لوگ آپ کے مہمان ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ حضرت سید آدم جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ دس ہزار اعیان و مشائخ اور ہر طبقہ کے افراد تھے، شاہجہاں بادشاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں تھا، جسے ان کی مقبولیت سے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے وزیر سعد الشراخ کو شیخ کے پاس بھیجا، مگر اس ملاقات میں بد مزگی کے سبب وزیر مذکور نے بادشاہ سے شیخ کی شکایت کی، جس کے نتیجے میں بادشاہ نے انھیں حرمین شریفین کے سفر کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حجاز کا رخ کیا اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حقائق و معارف میں شیخ آدم بنوری کی متعدد کتب و رسائل ہیں جن میں فارسی

میں دو جلدوں میں "خلاصۃ المعارف" نامی کتاب ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے:

”الحمد لله رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائہ والائہ الخ“ ان کی کتابوں میں
”نکات الاسرار بھی ہے۔“

شیخ آدم بنوری امی تھے، انھوں نے کسی سے علمی تحصیل نہیں کی تھی، آپ نے ۲۳ سوال
۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں قبۃ سیدنا عثمانؓ کے پاس
دفن ہوئے۔

سلسلہ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار

ہم پہلے حضرت خواجہ محمد معصوم کے سلسلہ کے مشائخ کبار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جس سے
ان کی مقبولیت اور مرجعیت ان کے افادہ و افانہ کے دائرہ کی وسعت ان کی طرف
رجوع عام اور خلق خدا کے پروانہ وار ہجوم و ازدحام اور اس وقت کے اسلامی معاشرہ اور
مسلمانوں کی زندگی پر ان کے وسیع و عمیق اثرات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، ان کے
مفصل حالات و سوانح کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جو مستقلاً
ان کے حالات میں لکھی گئیں یا ان کتب و تراجم کی طرف جن میں ان کا اجمالی تذکرہ آیا ہے
جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس کے لئے مولانا حکیم سید عبدالحی کی شہرہ آفاق
کتاب ”ترہنۃ الخوادم“ کی جلد پنجم، ششم اور ہفتم پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے طریقہ کی اشاعت اور بانی سلسلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ

امہ مصنف نے تحدیث بالنعمة کے طور پر لکھا ہے کہ یہ کتاب ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

کے مقاصد کی تکمیل (جن میں تعلق مع الشریک تجدد و اتباع سنت کا رواج اور ازالہ البدعات و منکرات خاص اہمیت رکھتا ہے) حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلف الرشید اور خلیفہ راشد حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی (۱۰۴۹-۱۰۹۶ھ) سے ہوئی جنہوں نے اپنے والد ماجد کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی، آپ کے ہاتھوں اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی جس کو بعد میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے تربیت روحانی کا عالمگیر مرکز بنادیا، اور جس کے انوار سے ایک طرف افغانستان و ترکستان دوسری طرف عراق و شام و ترکی منور ہوئے اور شاعر کا یہ کہنا حرف بحرف صادق آیا ہے

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

منور از فروغش ہند تا روم

سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے (جس نے جیسا کہ اوپر گزرا ہے) حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی) حضرت خواجہ سیف الدین سے روحانی تربیت حاصل کی، حضرت خواجہ کے محل شاہی میں جانے اور دیواروں پر کندہ تصویروں پر اعتراض کرنے اور بادشاہ کے اسی وقت ان کے ختم کرنے کا حکم دینے کا تذکرہ تاریخ میں آتا ہے خواجہ سیف الدین نے اپنے والد ماجد کو اس کی اطلاع دی اور خواجہ نے (بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں) اس پر سرت کا اظہار فرمایا، تحریر فرماتے ہیں:-

چہ نعمتے ست کہ بایں ہمہ طمراق یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہان شان

بادشاہی و دبیرہ سلطانی کلمہ حق دشوکت اور بادشاہی و دبیرہ باوجود

لہ ذیل الرشحات تابع شیخ محمد اود القزانی ص ۴۴ المطبعة المیریہ بکترہ الحمیہ سن ۱۳۳۵ھ

بہ سمع قبول افتد و گفتہ نامرادے کلمہ حق قبول کیا جائے اور ایک موثر شود۔
نامراد کا کہنا موثر ہو۔

خواجہ سیف الدین نے بادشاہ میں آثار ذکر ظاہر ہونے اور بادشاہ کے بعض منازل سلوک طے کرنے کی بھی اطلاع دی اور خواجہ محمد معصوم نے اس پر بھی اپنی مسرت و اطمینان کا اظہار فرمایا ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”بادشاہ دہلی پناہ کے جو احوال تم نے ذکر کئے مثلاً لطائف میں ذکر کا سرایت کرنا اور سلطان ذکر اور رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمہ حق قبول کرنا بعض منکرات کا رفع ہونا اور لوازم طلب کا زائل ہونا یہ سب بوضاحت معلوم ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر سب لانا چاہئے بادشاہوں کے طبقے میں یہ باتیں عقا کی طرح نایاب ہیں“

بادشاہ نے ان سے رابطہ روحانی قائم رکھا ”آثر عالمگیری“ کے مصنف محمد ساقی مستعد خاں نے سال دوازدہم سنہ ۱۳۱۳ (محرم) کے واقعات میں بادشاہ کے ایک پہر رات گئے باغ حیات بخش سے حضرت خواجہ کے دولت خانہ میں تشریف لے جانے اور ایک گھڑی بیٹھ کر ان کی صحبت بابرکت اور کلمات طیبہ سے مستفید ہونے اور ان کا اعزاز و اکرام کرنے کے بعد دولت خانہ شاہی میں مراجعت کا ذکر کیا ہے۔

حضرت خواجہ کا خاص ذوق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تھا، اور اس میں وہ بڑے سرگرم تھے، ذیل الرشحات کے مصنف شیخ مراد بن عبداللہ القرانی کے بیان کے مطابق ”ان کی ان مسمعی کا اثر یہ ہوا کہ قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان سے بدعات کا

۱۷ مکاتیب حضرت خواجہ محمد معصوم ج ۳ مکتوب ۲۲۷ ۱۸ ایضاً ج ۳ مکتوب ۲۲۷

۱۹ ”آثر عالمگیری“ شائع کردہ ایٹانک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۸۱ء ص ۸۴

خاتمہ ہو جائے اسی بنا پر ان کے والد ماجد نے ان کو مختص الامتہ کا خطاب دیا نہایت قوی تاثیر صاحب جذب و تصرف تھے لوگ ایک اضطراب و استغراق کی حالت میں ان کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے دبذبہ اور عظمت کے شیخ تھے، سلاطین و امراء ان کی مجلس میں مؤدب کھڑے رہتے تھے اور ان کو ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، رجوع عام کا یہ حال تھا کہ روزانہ پودہ سو آدمی دونوں وقت ان کے مطبخ سے اپنی خواہش و ذوق کے مطابق کھانا پاتے تھے۔

خواجہ سیف الدین کے بعد ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) نے ان کی جگہ کو آباد و ان کی خانقاہ کو نور محمدی سے منور رکھا ان کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جانا نے ان کی مسند ارشاد کو زینت بخشی جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی تک

حضرت خواجہ محمد معصوم کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد نقشبند تھے (م ۱۱۴۲ھ) جو حجة الشرفین کے نام سے مشہور ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم نے ان کو اپنا جانشین و خلیفہ بنایا تھا، اور ان کی وفات کے بعد وہ ہمہ تن ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

ان کے خلفاء میں خواجہ محمد زبیر (ابن ابی العلامین خواجہ محمد معصوم، م ۱۱۵۵ھ) تھے، جن کی طرف طالبین کا ایسا رجوع ہوا جو اس عہد میں کتر کسی کی طرف ہوا ہوگا، جب آپ مکان سے مسجد شریف لاتے تھے، تو امراء اپنے دو شاہے اور بگڑیاں مکان سے سجد تک

۱۔ ذیل ارشادات م ۱۱۵۰-۱۱۵۱ھ چلی قریب موجود خانقاہ اہل حق شاہ غلام علی کے زمانہ میں قائم ہوئی جنھوں نے اس مکان کو جس میں حضرت مرزا صاحب کی تدفین ہوئی تھی خرید کر مسجد و خانقاہ کی تعمیر کی۔

بچھانے تھے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے، اور اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے مثل آپ کی سواری جاتی تھی۔^{۱۵}

حضرت خواجہ محمد زبیر نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ان میں تین بڑے نامور ہوئے، حضرت شاہ ضیاء الشرحین کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاق ہیں، دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب جن کے فرزند و خلیفہ خواجہ میر درد دہلوی ہوئے، تیسرے حضرت خواجہ عبدالعدل جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ بڑے پایہ کے شیخ طریقت و صاحب نسبت تھے، حضرت شاہ غلام علی فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو، وہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کو دیکھے۔^{۱۶}

ان کے خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۱۶۰-۱۲۵۱ھ) کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام عطا فرمایا، اور شہرہ آفاق بنایا، دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا کابل تشریف لے گئے تو زباں شاہ، شاہ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شاہ محمد آفاق کے خلیفہ ارشد اویس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) تھے جن کے جذب قوی، نفس گرم، زہد و تجرید، اتباع شریعت، علم سنت و حدیث اور عشق الہی و حب نبوی نے نصف صدی سے زائد تک ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند) کی فضا کو گرم اور منور رکھا اور خود انھیں کے الفاظ میں عشق کی

لے ”در المعارف“ ملفوظات حضرت شاہ غلام علی۔

دکان کی گرم بازاری رہی!

ہندوستان کے وسیع النظر و محتاط مؤرخ اور تذکرہ نگار مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف
”نزہۃ النواظر“ کے بقول:-

”عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی، بڑے
بڑے امراء اور رؤساء دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے
اور آپ کی دات مرجع خلافت بن گئی، اور ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی، جو
اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے، وہ حد تو اتر کو پہنچ گئی ہیں اور اس
بارہ میں اولیاء متقدمین میں بھی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر
نہیں ملتی!

مفصل تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمن
گنج مراد آبادی۔

لے ندوۃ العلماء کے اکثر بانی و ناظم حضرت مولانا کے مرید و مسترشد تھے، مثلاً مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم اول
ندوۃ العلماء، مولانا سیح الزماں خاں شاہجہاں پوری (استاد اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں نظام دکن) مولانا سید
ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا سید نجم حسین بہاری، مولانا حکیم سید عبدالحی، ناظم ندوۃ العلماء، نواب صدیق جنگ
مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی (صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن) حسام الملک صفی الدولہ نواب سید
علی حسن خاں ناظم ندوۃ، مولانا کے سلسلہ کی اشاعت اول الذکر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے بڑے وسیع پیمانے

مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی

حضرت سید نور محمد بدایونی کے خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید^{۱۱۱۱ھ} (۱۱۱۳ھ) ۱۹۵ھ تک تھے جنہوں نے پینتیس^{۳۵} سال تک اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کو گرم و منور رکھا اور دارالسلطنت دہلی میں عشق کا زور بازو اپنے عروج پر رہا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے صاحب نظر معاصر کی ان کے متعلق شہادت ہے۔

”ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں کہ یہیں کی پیدائش ہے اور یہیں عمر بسر ہوئی ملک عرب کو خود دیکھا ہے اور اس کی سیاحت کی ہے افغانستان و ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور طریقت پر اور کتاب و سنت کی پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم ہوا اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو ہمارے دور میں ان ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا پایا نہیں جاتا، دور ماضی اور بزرگان سلف میں بیشک ہو سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پُر ہے“

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلقاء میں حضرت مولانا نعیم الشہرانی^{۱۱۵۳ھ} (۱۲۱۸ھ) مصنف ”معمولات مظہریہ“ اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء الشریانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مصنف ”التفسیر المظہری“ و ”الابد منہ“ اور مولانا غلام یحییٰ بہاری (ن ۱۱۸۸ھ) جیسے سرآمد روزگار

۱۔ اصل نام شمس الدین حبیب اللہ تھا، مظہر تخلص تھا، والد کا نام مرزا جان تھا، اسی نسبت کا لکیر مرحوم نے جان جان نام رکھا کہ فرزند جان پدر ہوتا ہے، خلعت کی زبان پر جان جاناں جاری ہو گیا۔ ۲۔ کلمات طلیات ۱۶۳-۱۶۵

علماء و مشائخ تھے، لیکن مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ان کے خلیفہ ارشد حضرت شاہ غلام علی بٹالوی ^(۱۵۶ھ - ۱۲۴۰ھ) کے لئے مقدر تھی، ان کو سلسلہ مجددیہ کا مجدد بلکہ تیرہویں صدی میں سلوک الی الشراور تزکیہ و احسان (جس کا معروف نام تصوف ہے) کا مجدد کہنا صحیح ہوگا جن پر عجم و عرب کے طالبین نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس خلفاء تھے، سرسید احمد خاں مرحوم "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں :-

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا، اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔^۱

شاہ رؤف احمد مجددی دُرّ المعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں، جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

• سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امرتسر، سنبھل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونا وغیرہ۔^۲

ان کے اس فیض عام کو دیکھ کر ان کے مسترشد مولانا خالد رومی کا فارسی کا یہ شعر بالکل واقعہ کی تصویر ہے۔

۱۔ خلفاء و مریدین کبار کے لئے ملاحظہ ہو مقامات منظری۔ ۲۔ از مسند ۱۲۴۳ھ میں جن خلفاء کے نام دیئے ہیں ان کی تعداد ۴۴۲ ہے۔

۳۔ آپ کا اصل نام عبداللہ تھا شاہ غلام علی کے نام سے شہرہ آفاق ہوئے، ۴۔ آثار الصنادید باب چہارم ۵۔ در المعارف مطبع نامی

خبر از من دہید آن شاہ خواب را بہ پنهانی
کہ عالم زندہ شد بار دیگر از ابر نیسانی

حضرت شاہ غلام علیؒ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلفاء ہوئے ان میں سے حضرت شاہ سعد اللہ جن کے خلیفہ شاہ محمد نعیم معروف بہ سکیں شاہ صاحب (م ۱۲۶۴ھ) تیرہویں صدی کے وسط میں حیدرآباد تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا، آصف جاہ ششم علی حضرت میر محبوب علی خاں ان کے ارادت مند تھے، شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد یاد شاہ بخاری (م ۱۳۲۵ھ) تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایک خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی (۱۲۰۱ھ - ۱۲۶۶ھ) نے بھوپال میں خانقاہ مجددیہ کی بنیاد ڈالی، بہرائچ میں مولانا شاہ بشارت الشہرائچی (م ۱۲۵۴ھ) نے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کی اشاعت کی، بخارا میں شیخ گل محمد شیخ اکل بنے ہوئے تھے اور انھوں نے سلسلہ مجددیہ کا فیض عام کر رکھا تھا، شیخ احمد بغدادی قادری نے بغداد سے آ کر بیعت و اجازت حاصل کی۔

مولانا خالد رومی

عراق و شام اور ترکی میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے سلسلہ کی اشاعت کا کام اللہ نے ایک کردی فاضل اجل مولانا خالد رومی سے لیا، جو اپنے ملک میں حضرت کے فیض و ارشاد

۱۔ یہ انسٹوٹ شعر کا قیودہ ہے جو شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے پورا نقل کیا ہے ۲۔ مخبر و کن مدراس ۱ جنوری ۱۸۹۶ء
۳۔ جن کے خلیفہ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب (م ۱۳۸۴ھ) مصنف ”زجاجة المصابیح“ مدت دراز تک حیدرآباد میں سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ ۴۔ جس کو پیر ابو احمد صاحب اور ان کے فرزند ارجمند مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب

نے اپنے وقت میں آباد کیا۔ ۵۔ درالمعارف ص ۱۲۵ ۶۔ ایضاً ص ۱۲۴

کا آواز سن کر بہت تین شوق و بے قراری بن کر منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے ایک سال میں دہلی پہونچے اور آستانہ پر آکر ایسے پڑے کہ تکمیل سلوک کی منزلیں طے کر کے اجازت و خلافت خاصہ سے مشرف ہوئے اس عرصہ میں ان کی کیسوئی کا عالم یہ تھا کہ دہلی کے علماء و مشائخ جو ان کے فضل و کمال کی شہرت برسوں سے سنتے تھے ملنے آتے تو فرما دیتے کہ فقیر جس مقصد کے لئے آیا ہے اس کے حصول کے بغیر کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا ہندوقت سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آئے کہ القادیم یزار (باہر سے آنے والے سے خود ملنے جاتے ہیں) اور حضرت شاہ ابوسعید صاحب نے جو ان کے شاگرد رشید تھے عرض کیا کہ استاد الہند آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں فرمایا کہ سلام کہو اور کہو کہ مقصد باری کے بعد میں خود حاضر ہوں گا۔

وطن واپس گئے تو طالبین خدا پر وائے وارٹوٹ پڑے اور ایسا رجوع ہوا کہ بایں شاید مولانا شاہ رؤف احمد صاحب مجددی اپنی کتاب دُرُ المعارف میں جمعہ ۲۴ رجب ۱۲۳۱ھ کی روداد میں لکھتے ہیں کہ ایک مغربی بزرگ حضرت کا نام مبارک سن کر منزلوں پر منزلیں قطع کر کے بغداد میں مولانا خالد رومی سے ملتے ہوئے حاضر ہوئے انھوں نے مولانا کی مقبولیت و مرجعیت کا حال بیان کیا کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی حلقہ بگوش ارادت اور بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں، ایک ہزار عالم فقہ داخل طریقہ ہو کر مولانا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، خود مولانا خالد نے حضرت شاہ ابوسعید کے نام جو خط لکھا ہے اس میں تحدیث بالنعمة کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:-

تمام ملک روم و عرب اور حجاز و عراق اور بعض ممالک عجم اور سائر کردستان طریقہ عالیہ نقشبندیہ

کی تاثرات و جذبات سے سرشار ہے اور شب و روز تمام محافل و مجالس، مساجد و مدارس میں حضرت امام ربانی مجدد و مجدد الف ثانی کے محاسن و محامد کا ذکر اس طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے کہ اس کا گمان نہیں ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوشتِ زمانہ نے ایسا زمرہ بنا ہوا چشمِ فلک نے ایسی رعیت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو..... اگرچہ اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ایک طرح کی گستاخی اور خود بینی ہے، یہ فقیر اس پر شرمندہ ہے محض دوستوں کے حق کو مقدم جان کر اس نے بے ادبی کی جرأت کی ہے

علامہ ابن عابدین مشہور بہ علامہ شامی مصنف "رد المحتار" شرح الدر المختار مولانا خالد رومی کے شاگرد و دستِ گرفتہ تھے انھوں نے ان کے مناقب میں پورا رسالہ "سُلّ احام الہندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی" کے نام سے تصنیف کیا ہے جو اصل ایک رسالہ کی تردید میں ہے جو بعض حاسدین نے مولانا خالد کی مخالفت و تضلیل میں لکھا تھا، رسالہ کے آخر میں مختصر حالات لکھے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلیمانہ کے قریب قصبہ قرہ داغ کے رہنے والے تھے ۱۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی اساتذہ وقت سے علوم مروجہ کی تعلیم حاصل کی اور معقولات، ریاضیات، ہیئت وغیرہ میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلیمانہ واپس آکر حکمت، علم کلام و بلاغت کی انتہائی کتابیں پڑھائیں ۱۲۲۰ھ میں حج بیت الشریارت سے مشرف ہوئے، مکہ معظمہ میں دہلی جانے کا اشارہ غیبی پایا پہلے شاہ واپس آئے، وہاں ایک ہندوستانی سے حضرت شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سنا اس کی بنا پر ۱۲۲۰ھ میں ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے اور ہر جگہ اپنے علم کا سکھ منواتے ہوئے لاہور کے

لے ترجمہ ماخوذ از مقالہ مولانا عبد الشکور صاحب شمولہ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی

۱۲۷۰ھ شال مجوعہ رسائل ابن عابدین طبع جدید پھیل اکیڈمی لاہور پاکستان۔

راستہ سے پورے ایک سال کی مدت میں دہلی پہنچے، دہلی پہنچ کر عربی میں قصیدہ شوقیہ کہا جس کا مطلع ہے

عملت مافة کعبة الآمال

حمد المہن قد مت بالاعمال

ایک سال نہیں گذرا تھا کہ طرق خمسہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر اپنے مرشد کے حکم موکد سے وطن کی طرف واپس ہوئے، بغداد پہنچ کر تربیت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا، پانچ مہینے وہاں قیام کر کے وطن واپس ہوئے، ۱۲۳۸ھ میں پھر بغداد واپس ہوئے وہاں ان کی قبولیت اور رجوع عام دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوا، اور ان کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کیا گیا، والی بغداد سعید پاشا کی طرف سے بعض علماء کو اس کی تردید کا ایسا ہوا، علماء بغداد نے اپنی مہروں سے مرہن کر کے ان کی برأت اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کا فتویٰ دیا، کردوں، اہل کرکوک، اہل موصل، عمادیہ، عینتاب، حلب، شام، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بغداد کے ہزاروں آدمیوں نے ان سے نفع اٹھایا۔

مصنف نے اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کا ذکر اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور شاعر شیخ عثمان سند کی بھی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے، جو مولانا خالد کے حالات میں لکھی گئی ہے اور اس کا نام ہے "أصغی الموارد فی ترجمۃ حضرت سیدنا خالد" آخر میں مولانا خالد نے شام کو اپنا مستقر بنایا انھوں نے ۱۲۳۸ھ میں اپنے خلفاء و مریدین کے ایک جم غفیر کے ساتھ شام کا سفر فرمایا، اور ملک شام گویا ان پر امنڈ آیا، سلوک و ارشاد کے ساتھ علوم شرعیہ کی اشاعت مساجد کی دوبارہ آبادی و رونق کی طرف بھی متوجہ رہے، بالآخر ۱۲۴۲ھ کے طاعون میں ۱۴ ارزی القدرہ کو شہادت حاصل کی

اور قاسیون کے دامن میں مدفون ہوئے، مولانا نسباً عثمانی تھے، موافقت رسالہ نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ سیدنا عثمان بن عفان کا انتقال ہو گیا ہے، اور میں ان کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ یہ میری رحلت کا اشارہ ہے، میں ان کی اولاد ہوں، یہ خواب انھوں نے مغرب کے وقت بیان کیا تھا، اور مولانا خالد نے عشاء کی نماز پڑھ کر وصیت فرمائی، اور جانشین بنایا، گھر میں تشریف لے گئے اسی رات طاعون کا حملہ ہوا، اور انتقال فرما گئے۔

حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے اصل جانشین اور ان کے سلسلہ کو چار دانگ عالم میں پھیلانے والے ان کے خاص تربیت یافتہ خاندان مجددی کے چشم و چراغ حضرت شاہ احمد سعید ابن شاہ ابوسعید (۱۲۱۴ھ - ۱۲۷۶ھ) تھے، جنھوں نے اپنے والد حضرت شاہ ابوسعید کی وفات کے بعد ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے سجادہ کو رونق بخشی اور کامل ۲۳ برس (۱۲۵۰ھ - ۱۲۷۳ھ) تک سرگرمی سے سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں سرگرم رہے، اور اسی سال (۱۲۸۵ھ) میں مجبوراً ہندوستان اپنے آبا و اجداد کی خانقاہ کو خیر باد کہا، اور محرم ۱۲۷۴ھ میں دہلی سے روانہ ہو کر شوال ۱۲۷۴ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے، پھر مدینہ طیبہ میں مستقل طور پر قیام اختیار کیا اور دو سال بقید حیات رہ کر وہیں آسودۂ خاک ہوئے، دو سال کے اس قلیل عرصہ میں ترک اور عرب سیکڑوں کی تعداد میں آپ سے بیعت ہوئے ایک شاہد علیہ کے بقول "اگر آپ کی حیات وفا کرتی، اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو آپ کے لئے سل احمام الہندی ۳۱۵-۳۲۵، مولانا کا سلسلہ شام و ترکی میں اب تک موجود ہے میں نے دمشق و حلب و ترکی میں اس سلسلہ کے

متعدد شاخ گیار کی زیارت کی ہے۔ ۲۔ مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ النوا طر ج، بمقام خیر از مولانا شاہ ابوالحسن زبید فاروقی۔

مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے ”مناقب احمدیہ میں
 انہی حضرات کے نام مذکور ہیں، ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت ایک طرف شیخ دوست محمد
 قندھاری کے ذریعہ ہوئی جن کے خلیفہ اعظم خواجہ عثمان دامانی (م ۱۳۱۳ھ) نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے
 قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضا کو عشق کی حرارت اور نسبت نقشبندیہ کی سکینت سے معمور و مخمور کر دیا
 ان کے خلیفہ اعظم خواجہ سراج الدین (م ۱۳۳۳ھ) نے اس سلسلہ کو دوڑ تک پہنچا دیا، اللہ نے
 ان کو وجاہت عظیم عطا فرمائی، اور انھوں نے ارشاد و تربیت اور عزم استقامت و اشتغال
 باحدیث کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کے سجادہ کو آباد رکھا، خواجہ سراج الدین کے خلیفہ مفسر قرآن اور
 داعی الی التوحید و الی بچہراں کے مولانا حسین علی شاہ صاحب (۱۲۸۳ھ - ۱۳۶۳ھ) ہوئے، ان سے اس
 پیمانہ پر اصلاح عقائد کا کام ہوا، اور توحید خالص کا آواز بلند ہوا جس کی نظیر اس زمانہ میں شکل ہے۔
 اسی زمانہ میں سلسلہ مجددیہ ایک بڑے شیخ شاہ امام علی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۸۲ھ) مکانوی تھے، جن کے
 رجوع عام و مقبولیت کا حال یہ تھا کہ ان کے باورچی خانہ میں روزانہ مہمانوں کے لئے تین سو
 بکرے ذبح ہوتے تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت عبداللہ محدث معروف بشاہ گل کے ذریعہ مجددیہ تک پہنچا ہے۔
 حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک حلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ سید عبدالسلام صاحب
 واسطی ہسوی (۱۲۳۴ھ - ۱۲۹۹ھ) تھے جو بڑے عالی نسبت و صاحب استقامت شیخ تھے،
 اور جن سے صوبجات متحدہ میں طریقہ کی اشاعت ہوئی۔

۱۔ مکتوب شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعید بنام مولانا سید عبدالسلام ہسوی۔ ۲۔ تالیف شاہ محمد ظہیر علی ضلع میانوالی مغربی پنجاب
 ۳۔ مکان شریف ضلع گرداسپور میں ایک قصبہ جس کا پرانا نام رز پھر ہے۔ ۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ بے مثل
 راجگان راجوراز مرزا ظفر اللہ خاں ص ۵۰۵-۵۲۱ ۵۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”نہایت الخواطر“ ۷

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک فرزند حضرت شاہ عبدالرشید تھے (۱۲۳۶ھ - ۱۲۸۶ھ) جن سے نواب کلب علی خاں والی رامپور نے تربیت حاصل کی (اپنے والد ماجد کے بعد مدینہ منورہ میں ان کے جانشین و قائم مقام ہوئے آخر میں مکہ مکرمہ آگئے تھے اور وہاں طالبین کی تربیت میں مشغول رہ کر راہی ملک بقا اور جنت المعلّٰی میں آسودہ خاک ہوئے، آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد معصوم (۱۲۶۳ھ - ۱۳۴۱ھ) نے رامپور میں خانقاہ معصومی کی بنیاد رکھی، ۳۲ سال رامپور میں قیام رہا اور ۱۳۴۱ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے دوسرے فرزند شاہ محمد مظہر (۱۲۴۸ھ - ۱۳۰۱ھ) بڑے قوی النسبت اور کثیر الارشاد بزرگ تھے، ہرقند، بخارا، قزان، ارض روم، افغانستان و ایران، جزیرۃ العرب اور شام کے صہبائے طالبین راہ خدا فیض یاب ہوئے، ۱۲۹۰ھ میں مدینہ منورہ میں نہایت عمدہ سے منزلہ خانقاہ تعمیر کی جو رباط مظہری کے نام سے مشہور ہے، یہ باب النساء اور جنت البقیع کے درمیان واقع ہے۔

تیسرے صاحبزادہ شاہ محمد عمر تھے (۱۲۴۴ھ - ۱۲۹۸ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی تھے۔

حضرت شاہ عبدالغنی

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے برادر خود لیکن عالی مرتبت بھائی، محدث جلیل حضرت شاہ عبدالغنی (۱۲۳۹ھ - ۱۲۹۶ھ) جنہوں نے درس حدیث اور سلوک و تصوف کو اس طرح جمع کیا جس کی نظیر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ذات کو مستثنیٰ کر کے ملنی مشکل ہے،

لے آپ کے فرزند مولانا ابوسعید بقید حیات ہیں۔

دولت باطنی اور نسبت مجددی کے حامل اور شیخ کامل ہونے کے ساتھ حدیث میں اتاد الہند
 اور شیخ وقت تھے جن کے حلقہ تدریس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی
 جیسے علماء اعلام تیار ہوئے اور ہندوستان میں حدیث کا سکہ رواں ہوا اور دیوبند و
 مظاہر علوم کے جیسے عظیم مدارس تدریس حدیث کے مرکز قرار پائے ۸۵۶ھ کے ہنگامہ رنجیز
 میں وہ بھی اپنے برادر معظم کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر گئے اور مدینہ طیبہ میں مستقل
 اقامت اختیار کی اور علامہ شیخ علی متقی صاحب کنز العمال کی سنت کو زندہ کر کے حرمین شریفین
 میں مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے اور عرب و عجم کو فیض پہنچا کر بقیع میں
 اسودہ خاک ہوئے۔

شاہ عبدالغنی صاحب کے تین نامور خلفاء مولانا عبدالحق آبادی مہاجر کی جو
 صاحب الدلائل کے نام سے مشہور ہیں (م ۱۳۲۳ھ) شاہ ابوالاحمد مجددی بھوپالی (م ۱۳۲۲ھ)
 اور حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی مہتمم اول دارالعلوم دیوبند (م ۱۳۰۸ھ) (جن سے حضرت
 مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی (م ۱۳۲۴ھ) کو خلافت حاصل تھی) انھیں کے خلیفہ و
 مجاز تھے حضرت شاہ احمد سعید اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے ہندوستان سے ہجرت
 کر جانے کے بعد یہ خانقاہ والا شان جو نصف محمدی زائید تنگ آباد و مہمور تھی خالی ہو گئی ابلاً آخر

لہ ان کے شاگرد رشید شیخ محمد عیسیٰ ترمذی نے ان کے اور ان کے شاخ کے حالات میں عربی میں مستقل کتاب لکھی ہے اس کا
 نام ایانہ ابجی فی اسانید الشیخ عبدالغنی ہے اور وہ ایک ہندوستانی اہل علم کی عربیت و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔
 ۸۵۷ھ مصنف کی نظر سے مولانا سید عبدالسلام ہوسوی کا ایک خط گذرا ہے جو موصوف نے ایک ایسے صاحب کو جواب میں لکھا
 تھا جنھوں نے ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد خانقاہ کے خالی ہو جانے کا حکوہ کیا ہے حضرت شاہ عبدالغنی جمدانی

مدینہ طیبہ سے جواب کیا کہ مولانا عبد السلام صاحب ہوسوی کو لے جاؤ اور ہماری جگہ پر بجاؤ اس وقت وہ اس جگہ پر بیٹھنے کے سبب زیادہ اہل ہیں

اسی خاندان والا نشان کے چشم و چراغ اور اس سلسلہ کے ایک جلیل القدر شیخ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی (۱۲۷۲ھ تا ۱۳۵۱ھ) نے جو شاہ احمد سعید صاحب کے صاحب نسبت و باکمال پوتے تھے، اس کو آباد کیا، اور جلد وہ خانقاہ پھر مرجع خلائق بن گئی۔

حضرت مجدد کا خاندان والا نشان چوتھی پانچویں پشت کے بعد سرہند سے نکل کر اطراف عالم میں منقسم ہو گیا اس میں اسلاف کرام کی قبور کی مجاوری سے حفاظت کے علاوہ (جس کے بہت سے مفاسد تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں) حضرت مجدد کے طریق کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے بہت سے مصالح مضمر تھے چنانچہ ایک شاخ کابل میں (جس کا آخری مرکز قلعہ جواد تھا) عزت و وقار اور افادہ و ارشاد کے ساتھ مقیم رہی، حضرت نور المشائخ شیخ فضل عمر مجددی معروف بہ شیر آغا اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے جن کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے، ان کے برادر اصغر شیخ محمد صادق مجددی مشرق وسطیٰ میں افغانستان کے سابق سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن اپنے علم و صلاح و تقویٰ اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی وقائدانہ کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں اہل انشا کی کو تخت تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور شاہ تخت نشین ہوئے۔

۱۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات خیر از مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ
۲۔ افسوس ہے کہ روی افواج کی یلغار اور اشتراکیت نواز افغانی حکومتوں کی دستبرد سے یہ مرکز تاراج اور اس کے آباد رکھنے والے علماء و مشائخ اسیر و جلاوطن ہوئے خاکسار مصنف نے ۱۹۷۳ء کے دورہ افغانستان و ایران میں اس مرکز کو آباد و گلزار دیکھا تھا، اور مولانا محمد ابراہیم نور المشائخ کی بزرگاہ عنایتوں سے شرف ہوا تھا۔ ۱۹۷۵ء محرم الحرام ۱۳۹۵ھ میں ان کا

انتقال ہوا، اہم انکسوف نے کہ معظمہ اور لاہور میں ان کی زیارت کی ہے ۱۹۷۶ء دریائے کابل سے دریائے بیوک تک ز مصنف ۱۳۹۵ھ

سندھ میں بھی اس خاندان کی ایک موقر شاخ قصبہ ٹنڈہ سائیں داد حیدر آباد سندھ میں مقیم تھی اسی شاخ میں خواجہ محمد حسن مجددی اور ان کے صاحبزادہ حافظ محمد ہاشم جان مجددی معروف و ممتاز تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں بھی مجددی خاندان کی شاخیں موجود ہیں اور وہ صنعت داری اور اپنی خاندانی روایات کے ساتھ معاش و معاد کے شرفیادہ مشاغل میں مشغول اور نیک نام ہیں۔

سلسلہ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار

حضرت سید آدم بنوری اگرچہ حضرت مجددی کے طریقہ عالیہ کے خوشہ چیں اور ان کے آغوش تربیت کے پروردہ ہیں، لیکن اپنی استعداد عالی اور فطرت ارحمہ کی بنا پر سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں بھی ایک خاص رنگ کے حامل اور ایک (ذیلی) طریقہ کے بانی ہیں جس کو بہت سی مجتہدانہ خصوصیات کی بنا پر طریقہ احسنیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حکمت الہی کی یہ جلوہ گری تھی کہ جس خانوادہ عالی کی بنیاد ایک می کے ہاتھ سے پڑی اس کے حصہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء، محدثین، اساتذہ وقت، ناشرین کتاب و سنت، داعی مصلح، عظیم مدارس دینیہ کے بانی اور مصنف و محقق آئے اور وہ اس باسے میں بھی اپنے جدا مجددی سنت کے پیرو اور ان کی میراث کے وارث ہیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز داعی الی اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید، مسند الہند حضرت شاہ اسحق دہلوی، بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی

لہذا راقم نے ۱۹۳۳ء میں حضرت شاہ محمد حسن مجددی کی ان کے قصبہ اور خانقاہ میں زیارت کی وہ صاحب علم و تصنیف بزرگ تھے، مولانا حافظ ہاشم جان کی نظام الدین دہلی میں آمد و رفت تھی، اور راقم کے وطن دائرہ شاہ علم الشرائع بریلی

میں بھی ایک بار تشریف لائے ہیں، رحمۃ اللہ علیہ، و تہ سائیں داد حیدر آباد میں مولانا محمد شہید معصوم شہید معصوم مانی پر جا کر

اسی سلسلہ احسنیہ کے شیوخ کبار کے ذریعہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور اس میں صاحب اجازت و خلافت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی صلیہ طرق تصوف کے مبصر اور نسبتوں کے رمز شناس حضرت سید آدم بنوری کے متعلق بڑے بلند الفاظ لکھتے ہیں، اور ان کو سلوک و احسان کے فن کے مجتہدین اور مستقل سلسلوں کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت سید آدم بنوری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ان کا انتقاء اس مختصر باب میں شکل ہے، "نزہۃ الخواطر" میں حسب ذیل حضرات کے نام آئے ہیں جن کو حضرت سید آدم بنوری سے نسبت و ارادت اور بعض کو خلافت و اجازت حاصل تھی، دیوان خواجہ احمد نصیر آبادی (م ۱۰۸۸ھ) شیخ بایزید قصوری (م ۱۰۹۸ھ) شاہ فتح اللہ سہارنپوری (م ۱۱۰۸ھ) شیخ سعد اللہ بلخاری لاہوری (م ۱۱۰۸ھ) لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت حسب ذیل چار خلفاء سے ہوئی جو ان کی مجتہدانہ تربیت و تعلیم کا نمونہ اور ان کی یادگار تھے، حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (م ۱۰۳۳ھ) حضرت شیخ سلطان بلیاوی، حضرت حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی، شیخ محمد شریف شاہ آبادی (م ۱۰۹۶ھ)۔

حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان

حضرت سید شاہ علم اللہ کے متعلق حضرت سید نے ہجرت کے وقت فرمایا تھا کہ "سید

لہ ان کے ایک بڑے خلیفہ عبدالغنی (شام جو راسی ضلع جالندھر) تھے جو اپنے زمانہ کے بڑے عارف قوی النسبت شیخ تھے اور جن کی ولایت و جلالت شان پر اس زمانہ کے لوگوں کا اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انتباء فی سلاسل اولیاء اللہ" میں ان کا ایک لطیف مکتوب نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶

مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر جٹ، اول سیرت سید احمد شہید حصہ اول از مصنف، تذکرہ شاہ علم اللہ از مولوی محمد اکرم، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاں معارف میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو

خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت مشائخ اودھ میں ایسی ہوگی جیسی تیار

میں آفتاب کی "خواجہ محمد امین بدخشی کی جو حضرت سید آدم بنوری کے مجاز و مقرب ہیں ان کے متعلق شہادت ہے کہ دنیا کی بوجہ اپنے پاس نہیں آنے دیتے ہندوستان و عرب میں بھی ان کے تقویٰ و استقامت کا غلغلہ ہے..... اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام ایسے ہی ہوں گے صاحب بجز خانہ نے آپ کے تذکرہ میں یہ لفظ لکھے ہیں "مجاہد اتیکہ ازاں یگانہ زمانہ در باب نفرت دنیا با اتباع طریقہ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام در دیگر اولیاء امت متاخرین کم تر یافتہ می شود" ان کا بیان ہے (جب آپ نے سفر حج فرمایا تو) کہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوتِ عمل، کمالِ اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ "هذا کأبی ذر" یعنی شاہ علم اللہ صاحب اس زمانے میں ابوذر غفاریؓ کا نمونہ ہیں اور یہ فقرہ حرمین میں بان زد ہو گیا تھا، اس اتباعِ کامل کا نتیجہ تھا کہ انتقال کی شب کو عالمگیر نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ اس رات سید شاہ علم اللہ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباعِ سنت میں رسول اللہ کے قدم بقدم تھے، سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اس شب کو جناب مہدوح نے انتقال کیا۔

آپ کے خاندان میں سلسلہ احضیہ سلسل طریقہ پر جاری رہا جس میں آپ کے فرزند چہارم حضرت سید محمد (م ۱۱۵۶ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب (م ۱۱۹۲ھ) حضرت سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن شاہ علم اللہ (م ۱۱۶۳ھ)

لے نتائج اکرمین بوالہ شیخ عبدالحکیم ۱۱۵۶ھ بجز خانہ از شیخ وجیہ الدین اشرف میں مفصلاً اور در المعاریت مجموعہ ملفوظات

حضرت شاہ غلام علی مرتبہ حضرت شاہ رؤف احمد مجددی ص ۲۶ میں بجملاً اس روایے سے صادق ذکر ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید ابن سید محمد ضیاء ابن سید آیت اللہ بن علم اللہ (م ۱۱۹۳ھ) حضرت سید محمد واضح ابن سید محمد صابر مولانا سید محمد ظاہر حسنی (م ۱۲۴۸ھ) مولانا سید خواجہ احمد بن حسین نصیر آبادی (م ۱۲۸۹ھ) اور حضرت شاہ ضیاء النبی (م ۱۳۲۶ھ) بڑے پائے کے بزرگ اور عالی مرتبت مشائخ گزشتہ ہیں جن سے ہزار ہا انسانوں کو ایمان و احسان کی دولت عمل بالشریعت اور اتباع سنت کی توفیق حاصل ہوئی۔

شیخ سلطان بلیاوی

حضرت سید آدم بنوری کے دوسرے خلیفہ اجل حضرت شیخ سلطان بلیاوی تھے، نتائجِ احقرین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید آدم کے خلفاء کبار میں تھے، اکثر ان کا نام حضرت شاہ علم اللہ صاحب کے ساتھ آتا ہے۔

حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی اور سلسلہ ولی اللہیہ

حضرت سید آدم بنوری کے تیسرے خلیفہ اجل جن سے ان کے سلسلہ کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی تھے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی (م ۱۱۳۱ھ) انھیں کے خلیفہ و

۱۔ آپ کی وفات تیرہویں صدی کی ابتدا میں ہوئی۔ ۲۔ حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر ج ۶۔ ۷۔

۳۔ یہ بلیا صوبہ بہار میں گنگا کے کنارہ آباد تھا اب یہ جگہ کھنیا (ضلع بیگنور) کے نام سے معروف ہے، ہونگیر کے

مقابل دریا کے دوسرے کنارہ پر ہے۔ ۴۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات و ملفوظات محفوظ نہیں رہے

اب اس قصبہ میں ان کا خاندان آباد ہے۔

تربیت یافتہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا سلسلہ جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور پھر ان کے توسط سے حضرت حاجی عبدالرحیم شہید و لائٹی، میاں نجی نور محمد جھنجھانوی اور ان کے توسط سے شیخ العرب العجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور ان کے خلفاء مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی کے وساطت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد دہلوی حضرت شاہ عبدالرحیم کے خلفاء میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، اور مولانا خلیل احمد صاحب کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی سلسلہ تبلیغ نظام الدین اور حضرت شیخ اکبریت مولانا محمد زکریا صاحب کو سلسلہ احسنیہ مجددیہ سے انتساب ہے اور وہ اس طریقہ میں مجاز و صاحبِ رشاد ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے متعلق اس باب میں کچھ لکھنا تو ممکن نہیں کہ

سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

ان کا تذکرہ تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک مکمل جلد کا طالب ہے جو شاید اس سلسلہ کی پانچویں جلد ہو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت گزر چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق حضرت شاہ غلام علی صاحب نے مقامات مظہری میں مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:-

”شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نئے طریقہ کی وضاحت فرمائی ہے، حقائق و معارف کے اسرار اور“

لے حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی کے فضائل و مناقب کے لئے ملاحظہ ہو انفاس العارفین ص ۱۵۱ حضرت شاہ عبدالرحیم کے حالات و کمالات کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین تصنیف فرمائی اور تفصیل کے

ساتھ ان کا اور ان کے خاندان کا تذکرہ فرمایا یہ کتاب ۱۳۳۹ھ مطبع مجتبائی میں طبع ہوئی ملاحظہ ہو ص ۱۵۱ تا ۱۵۷

علوم کے وقائے وغوامض کے بیان کرنے میں ان کا ایک خاص اسلوب ہے، علماء میں وہ ربانی
 کے لقب کے مستحق ہیں، ان صوفیاء محققین میں بھی..... جو علم ظاہر و باطن کے
 جامع تھے ایسے لوگ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ہیں جنہوں نے ان کی طرح نئے علوم و مضامین کے بارہ
 میں زبان کھولی ہے

امام معقولات علامہ فضل حق خیر آبادی نے جب شاہ صاحب کی تصنیف "ازالۃ الخفا"
 دیکھی تو اپنے تلامذہ کے سامنے بر ملا کہا کہ اس کتاب کا مصنف ایک بجز خار ہے جس کا ساحل
 نظر نہیں آتا، عالم جلیل مفتی عنایت احمد کا کووی کا مقولہ ہے کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال
 شجرہ طوبیٰ کی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخ ہر مسلمان کے گھر میں ہے جہاں تک
 حضرت شاہ عبدالعزیز کا تعلق ہے ان کی جامعیت، معقولات، منقولات، فنون ادبیہ میں یکساں
 مہارت، قوت تدریس، اشاعت علم حدیث، افاضہ باطنی، حسن تربیت، قدرت تصنیف، جلالت کلام،
 وسعت اخلاق، ملت اسلامیہ ہندوستان کے لئے دلسوزی و درد مندی اور کثرت فیضان میں ان کی نظیر
 دور دور مشکل ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت

جہاں تک حضرت سید احمد شہیدؒ کا تعلق ہے جن کا خصوصی تعلق سلسلہ احسنیہ مجددیہ سے
 تھا، تو ان کے حالات پر ضخیم کتابیں تیار ہو چکی ہیں، جن میں سید احمد شہیدؒ از مولانا غلام رسول تہر
 (۱، ۲، ۳، ۴) اور سیرت سید احمد شہیدؒ از مصنف (۱، ۲) کا مطالعہ کافی

۱۔ مقامات نظری مطبوعہ مطبع احمدی ص ۶۱۶ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ النواجر ج ۶

۳۔ حالات و کمالات کی قدرے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ النواجر ج ۷۔

ہے، ان کا اس عہد اور ہندوستان کی تاریخ پر جو گہرا اثر پڑا، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق، اشاعت اور حفاظت اسلام کا جو عظیم الشان کام لیا اس کے متعلق چند شہادتوں پر گفتگیا جانا ہے۔ اس عہد کے ایک صاحب نظر عالم مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:-

• حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے، اور

تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے

دریہ رخے زمین پر جاری ہے، اس سلسلہ میں کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔

مشہور عالم ربانی مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۳۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

• ہزار ہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزار ہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے

توبہ کی پانچ چھ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر

حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے۔

ہندوستان کے شہرہ آفاق مصنف و مؤلف نواب سید صدیق حسن خاں والی بھوپال

(م ۱۳۳۸ھ) جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور ان کے دیکھنے والوں

کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، نقصان جو دلائل حراز میں لکھتے ہیں:-

• خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت

اور ایک بڑی دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے

سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر

ڈال دیا، ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔

اے مصنف کے مختصر رسالہ تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ کا مطالعہ بھی اس سلسلہ میں مفید ہوگا۔

۱۷ سوانح احمدی ۳۷ رسالہ دعوت مشمول مجموعہ رسائل تسبیح از مولانا ولایت علی عظیم آبادی ص ۶۵

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال شنا نہیں گیا، اور جو فیض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہونچے ان کا عشر عشر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہونچا۔“

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، سید صاحب ہی کے واسطے سے اکابر و یوں بند و بزرگان صادق پور سلسلہ مجددی نقشبندیہ میں داخل اور صاحب اجازت و خلافت ہیں، ان حضرات سے اس تختی بر عظم میں علوم دینیہ کی بواشاعت مدارس کا جو قیام اور دعوت و اصلاح کا جو عظیم الشان کام عمل میں آیا اور جس سے کوئی صاحب انصاف انکار نہیں کر سکتا، وہ سب بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید اصلاح کے نتائج اور اس کے ثمرات و برکات کی فہرست میں شامل ہیں، کہ انھوں نے ہی گیارہویں صدی کے پُر آشوب دور کے آغاز میں اس کا راستہ ہموار کیا اس کے لئے سازگار حالات اور فضا پیدا کی دلوں میں اس کا جذبہ اور ولولہ بیدار کیا، اور ایک ایسی جماعت یا دگار چھوڑی جس نے اپنے سوز دروں اور نور باطن سے دین کی اس شمع کو روشن و فروزاں رکھا اور پھر دیئے سے دیا جلتا رہا، اور اس ملک میں پھر کفر و جہالت اور شرک و بدعت کی تاریکی اس طرح پھیلنے نہیں پائی، جیسی کہ دسویں صدی کے آخر میں دیکھنے والوں کو نظر آرہی تھی، ان سے بلا واسطہ اور بالواسطہ نسبت رکھنے والی جماعت کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ

آفتشہ ایم ہر سر خارے بخون دل قانون باغبانی صحرانوشہ ایم

لے صادق پور پٹنہ کا ایک مشہور محلہ ہے جو سید صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک جہاد و اصلاح کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جس نے اس کام کو آخر وقت تک جاری رکھا اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قربانیاں دیں، حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی مولانا یحییٰ علی مولانا احمد الشہ، مولانا غایت علی غازی، مولانا عبد اللہ امیر جماعت مجاہدین (چم قند) اور مولانا

عبد الرحیم صادق پوری اس کے ممتاز فرد تھے، تم المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ فمحم من قضي فجبہ و تم من

”ينتظرو ما يبدوا بتدبلا“

حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل

ہم آخر میں حضرت مجدد کی تصنیفات کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان کے مفصل تعارف کے لئے ناظرین کو مولانا سید زوار حسین شاہ کی فاضلانہ تصنیف "حضرت مجدد الف ثانی کے مضمون" حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف عالیہ کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے جس میں فاضل مصنف نے ان تصانیف عالیہ میں سے ہر ایک کا مفصل تعارف کرایا ہے اور ان کے متعلق بیش قیمت مواد جمع کر دیا ہے۔

۱۔ اثبات النبوة (عربی) اس کے قلمی نسخے مجددی خاندان کے کتب خانوں اور خانقاہوں میں محفوظ چلے آ رہے تھے، کتب خانہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۳ھ میں اصل عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے ساتھ اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

۲۔ رد و افض "یہ رسالہ بعض ایرانی شیعہ علماء کے رسالہ کے جواب میں ہے یہ رسالہ غالباً ۱۲۸۵ھ کے قریب لکھا گیا ہے اس رسالہ کے بعض مضامین دفتر اول مکتوب ۸۷ اور ۷۰ میں بھی ملتے ہیں اس رسالہ کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں بہت سے مطالع نے شائع کیا، حشمت علی خاں صاحب نے ۱۳۸۴ھ میں رامپور سے اس کا فارسی متن پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے فارسی متن علیہ اور اردو ترجمہ علیہ شائع کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جو طبع نہیں ہوئی۔

۳۔ رسالہ تہلیلہ (عربی) یہ رسالہ سلسلہ میں مرتب ہوا، اس کے صرف قلمی نسخے پائے جاتے تھے، ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۴ھ میں عربی متن مع اردو ترجمہ اور ادارہ سعودیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں صرف عربی متن دیگر رسائل کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ "شرح رباعیات" اس میں حضرت خواجہ باقی بالشکر کی دو رباعیوں کی حضرت خواجہ کے قلم سے شرح اور حضرت مجدد صاحب کے قلم سے شرح الشرح ہے، ادارہ سعودیہ مجددیہ لاہور اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی کی طرف سے علی الترتیب ۱۳۸۵ھ اور ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا، اس شرح رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی شرح فرمائی ہے، جو کشف الغین فی شرح رباعین کے نام سے مطبع مجتہبی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۵۔ "معارف لدنیہ" (فارسی) یہ حضرت مجدد کے معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث پر مشتمل ہے جس کو خود حضرت ہی نے ۱۱۵۰ھ یا ۱۱۶۰ھ میں مرتب فرمایا تھا، مضمون کو "معرفت" کا عنوان دیا گیا ہے، ان معارف کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے، اس رسالہ کا فارسی متن سب سے پہلے حافظ محمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا، پھر مجلس علمی ڈابھیل، حکیم عبد المجید سیفی، ادارہ سعودیہ مجددیہ اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی لاہور نے مختلف سنیں میں شائع کیا۔

۶۔ "مبداء و معاد" (فارسی) یہ رسالہ حضرت مجدد کے علوم و معارف پر مشتمل ہے، اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے، جن کو حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی نے ۱۱۹۰ھ میں مدون و مرتب فرمایا، اور اس کے مضامین کو "منہا" کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، ان مضامین کی مجموعی تعداد اکتیس ہے، مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصار کا

دہلی ۱۳۰۰ھ کا مطبوعہ ہے، پھر متعدد بار مختلف سنیں میں شائع ہوا، آخری بار ۱۳۸۶ھ میں

ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن مولانا سید زوا حسین شاہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا اس رسالہ مبدا و معاد کا عربی ترجمہ شیخ مراد علی کے قلم سے مکتوبات معرب مطبوسہ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

۷۔ ”مکاشفات عینیہ“ یہ مجموعہ حضرت مجدد کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے جو بعض خلفاء نے محفوظ کر لئے تھے حضرت مجدد کی وفات کے بعد مولانا محمد ہاشم کشمیری نے ۱۳۸۲ھ میں ان کو مرتب فرمایا یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۸۲ھ میں شائع کیا۔

۸۔ ”مکتوبات امام ربانی“ یہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی علمی، اصلاحی و تجدیدی یادگار اور ان وہی کمالات مجتہدانہ و مجددانہ مقام تحقیق و معرفت اور ان کے دلی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے جن کی بنا پر ان کو مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا، اس کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ہندوستان کے فارسی ادب میں (جس کی اہمیت کو سبک ہندی کا طنزیہ نام دے کر کم نہیں کیا جاسکتا) اس کا مقام متعین کرنے اور اس کے علوم و معارف کی نقاب کشائی کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، یہ کتاب ہندوستان کی ان منفرد تصنیفات میں شامل ہے جن سے بیرون ہند کے بلند پایہ فضلاء اور دانشمندان فی العلم نے پورا اعتنا کیا، اس کے عربی و ترکی زبان میں ترجمے ہوئے علمی و روحانی مرکزوں کے نصاب درس میں شامل ہوئے، اہل علم اور اہل سلوک نے اس کو حریرِ جان بنایا اور اس کی تازگی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا۔

مکتوبات کی مجموعی تعداد ۵۳۶ ہے، وہ تین دفتروں پر مشتمل ہے، دفتر اول ۳۱۳ مکتوبات

پر مشتمل ہے اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی کے ایما سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا

یار محمد جدید بخشی طالقانی نے ۱۲۵۸ھ میں مرتب فرمایا، دفتر دوم ننانوے مکتوبات پر مشتمل ہے اور اس کو مولانا عبدالحی حصاری شادمانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے ارشاد پر ۱۲۸۸ھ میں مرتب کیا، دفتر سوم ایک سو چودہ مکتوبات پر مشتمل ہے اس کو آپ کے مشہور خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۳۱۸ھ میں مرتب کیا، بعد میں دس مکاتیب جو بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں، اس میں شامل کر دیئے گئے، اور اس دفتر کے جملہ مکتوبات کی تعداد ۱۲۴ ہو گئی۔

مکتوبات کے متعدد ایڈیشن مختلف وقتوں میں شائع ہوئے، پہلا ایڈیشن غالباً مطبع نو لکھنؤ کا ہے، اس کے بعد متعدد ایڈیشن اسی پریس سے شائع ہوئے، اس کے بعد مطبع احمدی دہلی، مطبع مرتضوی دہلی سے بار بار شائع ہوا، ۱۳۲۹ھ میں مولانا نور احمد ترقی نے بڑے اہتمام سے اس کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔



INDEX

اشاریہ

(انڈکس: تاریخ دعوت و عزیمت "حصہ چہارم")

مرتبہ

محرغیاث الدین ندوی

الف

(علامہ) ابن عابدین (علامہ شامی) ۳۷۰

(شیخ اکبر علی الدین) ابن عربی - ۱۶، ۳۷، ۴۳، ۱۳۵

٢٤٥:٢٦٩-٤٢,٢٧١-٧٧,٢٥١:٢٨٢

3. ACPAFAY-ADIPA-IFCY-LCA

מכאן נראה כי

ابن قاری ۲۷۱

(امام) ابن ماجہ قرظونی

(شاہ پیر) ابوالاحمد مددی ۳۷۵، ۳۶۸، ۱۸۴

۳۳ (شیخ) ابو بکر بن عبد اللہ

(حضرت) ابو بکر شبلی

(شیخ) ابو بکر عیدروسى

البوتراپ ۷۵

(مولانا) ابوالحسن زید فاروقی مجددی ۱۲۷، ۱۲۲

PC96PC96PC96PC96

۴۳ ابوالحسن شافعی بکری

۲۵۰۔ الراحمن نوری

۲۰۱ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

(حضرت) ابوذر غفاریؓ

(ط) ابراہیم بن حسن کورانی مدنی۔ ۳۵۴۳۲، ۳۵۴۳۱

۱۲۸

(الحاج) ابراہیم سرمندی ۱۳۲

(شیخ) ابراہیم غلامی
۱۸۴

(خواجہ) ابراہیم قبادیانی - ۲۰۲۰ء، ۲۰۱۹ء، ۲۰۲۱ء

٢٢٠ / ٢٢٩ / ٢٢٦

(سلطان) ابراہیم لودھی ۲۸

(شیخ) ابراہیم محدث اکبر آبادی

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ - ۳۹، ۸۹، ۶۸، ۲۶۵

(علامہ) ابن حجر عسقلانی

(علامہ) ابن حجر عسقلانی دیکھئے شہاب الدین احمد

ابن خلدون ۱۹۶

۲۶۶ ابن سلعین

ابوالفضل علّامی	۹۵۰۹۳۰۹۲۰۸۰۰۶۹	(امام) ابوجنید	۲۵۰۰۱۷۶۰۱۳۵
	۱۸۷۰۱۳۰۰۱۲۵۰۱۰۸۰۱۰۵۰۹۸-۱۰۰	(علامه) ابوجیان مغتر	۲۶۴
ابوالفضل کاذرونی	۹۳	(علامه) ابوجیان نحوی	۳۹
(امام) ابوالقاسم قشیری	۲۴۲	(شاه) ابوالخیر مجددی	۳۷۶۰۳۷۴۰۲۲
(مولانا) ابوالکلام آزاد	۳۵	(شیخ) ابوالخیر میدانی	۱۸۴
(شیخ) ابوالنصر سراج	۲۴۲	(امام) ابوداؤد سجستانی	۱۸۵۰۶۴
(قاضی) ابویوسف	۲۵۰۰۹۱	(حافظ) ابوزرعه	۲۶۵
(سید) احمد بکواره	۲۳۴۰۲۳۳	(شیخ محمد) ابوزهره	۱۹۱
(شیخ) احمد برسی	۱۵۵	(مفتی) ابوالسعود	۴۰۰۳۱
(مولانا) احمد برکی	۳۵۶۰۱۵۵۰۱۵۴	(سلطان) ابوسعید	۷۴
(شیخ) احمد بغدادی قادری	۳۶۸	(شاه) ابوسعید	۳۸۰۰۳۷۴۰۳۷۲۰۳۶۹
احمد البیشی الشافعی	۳۴۶	(شیخ) ابوطاهر کردی	۳۴۰-۴۲
(امام) احمد بن حنبل	۳۰۷	(حافظ) ابوعبد الرحمن نسائی	۶۴
احمد بن محمد حسینی غرغشی	۲۹۵	(امیر) ابوالعلماء اکبر آبادی	۱۴۷
(علامه) احمد بن محمد قسطلانی	۴۰	(امام) ابوعیسیٰ ترمذی	۶۴
احمد بن یوسف	۱۲۹۰۱۲۸	(امیر) ابوالفتح	۳۲۵۰۲۹۳
احمد حسین خاں	۱۲۸	ابوالفتح ابن اسحاق	۱۲۸
(مربید) احمد خاں	۳۶۷	(حکیم) ابوالفتح گیلانی	۹۲۰۴۱
(مولانا) احمد دینی	۳۵۶	(شیخ) ابوالفتح نصرنجی	۲۶۶

۳۸۴	(مولانا) احمد اللہ	(حضرت مجدد الف ثانی) احمد سرہندی - ۱۶-۱۹۱۲
۳۸۰	(مولانا سید خواجہ) احمد نصیر آبادی	۲۵-۲۹۱۲۲، ۳۴، ۳۸، ۴۷، ۶۷، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱
۱۴۴	(شیخ) احمد سیوی	۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶-۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۵۰
۵۰	انوند درویش	۵۳-۱۵۱، ۱۵۶، ۷۰-۷۱، ۵۸-۵۹، ۶۳، ۱۷۱، ۱۸۲
۲۹۰، ۲۸۹، ۱۶۱	(حضرت سید) آدم بنوری -	۸۵، ۸۹-۸۷، ۱۸۷، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۱۰
۳۷۷-۸۰، ۳۵۸-۶۰، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۳۴		۲۱۸، ۲۲۲، ۲۳۲، ۲۳۵، ۵۲-۵۶، ۲۵۰
۲۱۰	ارسطو	۲۶۰، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۳، ۸۹-۲۸۷
۱۶۴	(ڈاکٹر) آرنلڈ	۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۲۹۹
۱۰۷	اے، سی چٹرجی	۴-۳۰، ۳۰۸، ۳۱۳، ۲۰-۳۲۳، ۳۱۵
۳۳۳	اسٹینلی لین پول	۳۲۵، ۳۲۷، ۳۵-۳۳۳، ۴۴-۴۶، ۴۴
۱۲۸	اسحاق بن عبداللہ	۵۳-۶۰، ۳۴۷-۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۷
۳۷۷	(شاہ) اسحاق دہلوی	۸۸-۳۸۴
۱۹	(مولوی) اسحاق جلیس ندوی	۱۳۲
۶۴	اسفندیار	(شاہ) احمد سعید ۱۸۳-۷۶، ۳۷۲
۶۹، ۶۴	اسکندر نشی	(حضرت سید) احمد شہید ۱۱۲-۲۸۹، ۲۵۲
۳۷۷، ۲۵۲، ۱۱۲	(مولانا شاہ) اسماعیل شہید	۳۷۷-۸۳، ۳۸۱
۴۵، ۲۶	(شاہ) اسماعیل صفوی	(شیخ) احمد قشاشی ۳۴۱
۲۶۲	(قاضی) اسماعیل فرید آبادی	(میر سید) احمد کاشی ۶۹
۵۶	اسماعیل نظام شاہ	(شیخ) احمد گنگوہی ۸۹

۳۷۶	امان الشرحان	۳۸۱	(حضرت مولانا) اشرف علی تھانوی
۳۵۶	(مولانا) امان الشرحا پوری	۱۴۴	(مخدوم) اعظم دہلوی
۳۸۱	(حضرت حاجی) امداد الشرحا جرجی	۱۴۴	(شیخ) افتخار
محمد	(خواجہ) المکنی دیکھئے	۲۱۰	افلاطون
۲۱۸، ۲۱۲، ۲۱۱	امینول کانت	۳۳۰، ۱۶۳	(علامہ) افضل خاں
۳۸۰، ۳۷۹	(سید) آیت الشرح	۳۳۳، ۲۱۱، ۱۸۷، ۱۶۱، ۱۱۱	(علامہ) اقبال
(ب)		۲۷۲	اقبال بن سائق سیستانی
۱۴۴	(شیخ) بابا اکبروی	۳۵، ۲۹، ۲۸، ۲۶، ۲۱	(سلطان جلال الدین) اکبر
۷۴، ۲۸، ۲۷	(سلطان ظہیر الدین محمد) بابر گورگانی	۸۲، ۷۹، ۶۷-۷۷، ۵۷، ۵۰، ۴۶، ۴۱، ۳۷	
۳۰۰، ۱۵۷، ۱۸۶، ۷۸		۱۶-۸، ۹۶-۱-۴، ۹۴، ۸۹-۹۲، ۸۵-۸۷	
۶۱	(طا) باقر داماد	۱۲۹۱-۹۶، ۱۹۰، ۱۸۷، ۱۶۳، ۱۶۱، ۱۵۶	
۹۴، ۶۸، ۱۲	(حضرت خواجہ) باقی بالشر	۳۲۹، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۱۱، ۳۰۴، ۳۰۰-۳۰۲	
۱۵۸، ۱۵۳-۵۵، ۱۴۷-۵۰، ۱۴۱-۴۳		۳۶	(شیخ) الشرح بخش
۲۸۶، ۲۴۸، ۳۰۴، ۳۰۲، ۲۸۰، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۱۸۲		۱۳۵، ۱۳۲	(مولانا) الروادین صاحب سرہندی
۷۷	(مولانا) بایزید	۱۴۸	(شیخ) الرواد دہلوی
۳۰، ۲۸-۵۱	بایزید انصاری (پیر و شاہ)	۳۸۱	(حضرت مولانا محمد) ایاس کاندھلوی
۲۶۱	(عزیز) بایزید بسطامی	۷۲، ۷۱	الیٹ (ELLIOT)
۳۷۸	(شیخ) بایزید قصوری	۳۷۳	(شاہ) امام علی مکنوی
عبد القادر	بدایونی دیکھئے	۱۳۲	(مولانا) امان اللہ

۳۶۶	(علامہ) بیہقی	۲۷۰	(علامہ) بھوق
۸۲	پاپا	۱۳۲	(مولانا) بدرالدین
۲۱۵/۱۹۲	پارفری (PARPHYRY)	۱۸۱/۱۷۵/۱۷۰	(شیخ) بدرالدین سرسندی
۲۱۵/۱۹۲	پراکلس (PROCLUS)	۳۵۶/۳۳۷	(شیخ) بدیع الدین سہارنپوری
۲۱۵	پلائینس (PLOTINUS)	۲۵۰/۱۱۵۹/۱۱۵۵	(شیخ) بدیع الدین سہارنپوری
۲۸۸	پیٹر ہارڈی (PETER HARDY)	۱۶۶/۳۴	(شیخ) بدیع الدین مددکن پوری
بازید	پیردوشاں دیکھے	۳۲۲	(ڈاکٹر) برنیر
۳۴۴/۱۱۳۸	(شیخ) تاج الدین سلطان سنہلی	۵۱/۴۵	برہان نظام شاہ
۳۶۵	(مولانا) تاج الدین سنہلی	۹۲	برہم داس
۳۹	(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقین العید	۳۶۸	(مولانا) بشارت الشہرہ راجی
۲۶۶-۶۸	تلمسانی	۲۶۶	بلیانی
۱۰۵	(راجہ) ٹوڈرل	۷۸	بہادر شاہ
۳۶۶/۳۳۷	(قاضی) ثناء الشہر پانی پتی	۱۰۱	(راجہ) بہاری مل
۳۳۳	جادونا تھہ سرکار	۳۴	بہاء الدین بن ابراہیم انصاری
۲۷۲/۷۴۱/۶۳/۴۱	(مولانا عبدالرحمن) جامی	۱۳۴/۱۳۳	(خواجہ) بہاء الدین نقشبند
۳۶۶	(مرزا) جان	۱۳۹	(قاضی) بہلول بدخشان
		۱۰۱	(راجہ) بھگوان داس
		۳۰/۱۹۲/۵۲	(راجہ) بیربل
		۷۷/۴۶	بیرم خان خاناں

شیخ حسین خوارزمی ۱۳۹۶۸



فتح) یا میں لے رہا ہوں

۳۵۸

خضر و غانی

۳۸۱ (حضرت مولانا) خلیل احمد سہاڑپوری

۳۲۷، ۳۲۶، ۱۵۹، ۲۲ (پروفیسر) خلیق احمد نظامی

۳۴۶

۲۱۱

۳۷۸

۳۱۵

خلیفہ عبدالحکیم
(دیوان) خواجہ احمد نصیر آبادی
خواجہ جہاں

شاہ نواز خان

خواجہ خان دیکھئے

۳۴۳، ۳۴۱

خیر الدین زرکلی

> < >
 < > <

۳۱۶، ۱۶۱

(مرزا) داراب

۳۲۱-۲۳

داراشکوہ

۹۶

(شہزادہ) دانیال

۵۲

(شیخ) دانیال

۲۶۹

(امام) داؤد ظاہری

۳۷۳

(شیخ) دوست محمد قندھاری

۳۱۰

دولت خان لودھی

۱۰۰

(مہجر) ڈیوڈ برائٹ

۱۰۷

ڈبلو، ایچ، مودلینڈ

(شمس العلماء مولوی) ذکاء الشریف مولوی-۳۲، ۱۵۶، ۱۳۲
 ۳۲۸، ۳۲۱

۳۷۳

(مولانا) حسین علی شاہ

۷۳

(سید) حسین خٹک سوار

۹۶

(خواجہ) حسین مروی

۳۸۵

حشمت علی خان

۱۲۸

حفص بن عامر

۳۵۶، ۱۵۵

(شیخ) حمید بنگالی

۶۷

(مولانا) حیاتی کاشی

خ
 < > <

۲۷۴

(حضرت) خضر

۳۶۷-۷۲، ۱۸۳

(مولانا) خالد بروی کردی

۳۵۴

(مولانا) خالد شہزوری

۱۸۳

(مولانا) خالد نقشبندی

۳۰۸، ۳۰۴، ۳۰۰، ۱۶۶، ۱۲۱

خان اعظم مرزا کوک

۳۰۲

خان جہاں لودھی

عبدالرحیم

دیکھئے

خان خانان

۷۳

خان زماں

شاہجہاں

دیکھئے

(شہزادہ) خرم

۳۵۶

(عاجی) خضر خان افغانی

(خواجہ) سیدت الدین - ۲۷۱۸۳ - ۳۲۲۷ - ۶۳۰ - ۳۶۰

(ش)

۲۵۶ (امام) شاطبی

۱۸۳ (علامہ) شامی

۵۴ (مرزا) شاہ بیگ

شاہجہاں (شہزادہ خرم) - ۱۶۷۱۶۳۱۵۲۱۲۶ - ۱۶۷۱۶۳۱۵۲۱۲۶

۲۳۱۱۳۱۹ - ۲۱۱۱۶۹

(صمصام الدولہ میر عبد الرزاق) شاہ نواز خاں (خولی خاں)

۲۹۳۱۱۵۰۱۷۵۱۴۶

۲۹۳ شہباز خاں کبیرہ

۹۸۱۹۶ (مولانا) شبلی نعمانی

(مخدوم الملک حضرت) شرف الدین کبیری - ۲۳۲۱۱۴

۳۰۳۱۲۷۳۰

۳۱۶۱۷۳ شرف الدین حسین بدشتی

۹۲۱۶۸۱۶۷۱۴۶ (میر) شریف علی

۱۹۱ شریف مرتضیٰ

۷۵ شریف مکہ

۳۷۸ (شیخ محمد) شریف شاہ آبادی

۱۲۸ شعیب بن احمد

۳۷۱ سعید پاشا

۱۳۵ (شاہ) سکندر

۳۲۱۲۹ سکندر لودھی

۹۷ سلطان اعظم

۳۸۰۳۷۸ (شیخ) سلطان بلیاوی بہاری

۲۹۲۱۱۴۰ (شیخ) سلطان تھانیسری

۳۰۱۲۵ سلطان سلیم اول

۴۹ سلیمان اسماعیل

۳۰۱۲۵ سلیمان اعظم قانونی (سلیمان ذی شان)

۹۱ سلیمان بن عبد الملک

۱۲۸ سلیمان بن مسعود

۱۲۸ سلیمان بن یوسف

۳۴۱ سلیمان جلیقوا

۲۸ سلیمان مرزا

۱۸۵ (مولانا سید) سلیمان ندوی

جہانگیر (شہزادہ) سلیم دیکھے

۷۳ (شیخ) سلیم چشتی

۳۰۱۵۸۱۵۴۱۳۳۱۲۹ سلیم شاہ

۳۲ سینٹلا (دیوی)

(مولانا) صاحب کولابی دیکھے	۲۱	(مولوی) شمس تبریز خاں
صاحب خاتون ۲۵۲، ۱۳۷	۳۹	(علامہ) شمس الدین ذہبی
(سید) صباح الدین عبدالرحمن ۱۰۰	۲۶۴، ۲۳۱، ۳۹	(علامہ) شمس الدین سخاوی
(سید) صدیہاں پہانوی - ۳۱۲، ۳۰۲، ۱۶۶، ۱۵۷، ۲۱۳	۴۵	(میر) شمس الدین عراقی
(میر) صدر جہاں مفتی ۱۲۰	۴۳	(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر کی
صدر الدین قنوی ۲۶۶، ۲۵۱	۱۳۹، ۱۳۲، ۱۵۱، ۸۹، ۱۲۱	(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی
(میر) صغیر احمد روی ۳۵۶	۲۳۲، ۲۱۷، ۲۱۶، ۱۳۱، ۶۳	(شیخ) شہاب الدین بھٹو
(نواب سید) صدیق حسن خاں ۳۸۳	۱۲۸ - ۳۰	شہاب الدین احمد فرخ شاہ
(سلطان) صلاح الدین الیوبی ۲۴	۳۵۳	(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی
(شیخ) صفی الدین ۶۳	۲۱۶	شہر زوری
	۲۱۵	شہنشاہ روم
	۹۱	(قاضی) شیخ الاسلام
(شیخ) صوفی ۲۷۹، ۲۷۶	فتح الشریزی	(علامہ) شیرازی دیکھے
(ص)	۳۰۱، ۵۴، ۲۹	شیر شاہ سودی
(سید محمد) ضیاء ۳۸۰	۱۳۲	(مولانا) شیر علی قادری
(حضرت شاہ) ضیاء اللہ ۳۶۴	۳۱۴، ۲۶۹، ۲۲۰	شیطان - ابلیس
(شیخ) ضیاء اللہ اکبر آبادی ۳۶		(ص)
(شیخ) ضیاء اللہ گویاری ۷۴	۶۶	(دکتر) صادق
(حضرت شاہ) ضیاء اللہ ۳۸۰	۳۷۶	(شیخ محمد) صادق مجددی

(شاہ) عباس صفوی ۶۹۶۷:۲۶

۳۸۳ (مولوی) عبدالاحد

۱۳۴۱/۱۳۳۱/۱۲۸۱/۳۸ (مخدوم شیخ) عبدالاحد

۳۷۳ (حضرت) عبدالاحد و حدت (شاہ گل)

۱۸۵ (مولانا) عبدالباری ندوی

۴۸ (مولانا) عبدالحق

۳۷۵ (مولانا) عبدالحق الہ آبادی مہاجر کی

۱۵۵ (شیخ) عبدالحق شادمانی

۳۳۷/۱۵۸ (شیخ) عبدالحق محدث دہلوی

۳۷۹ (شیخ) عبدالحکیم

۱۳۹ (علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹی

۱۲۰ (میر) عبدالحی

۳۵۰/۱۳۳۲/۱۲۷۱/۱۹۱/۴۲ (مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی - ۳۶۵/۳۶۰

۳۸۸/۳۵۶/۱۵۶ (شیخ) عبدالحی حصاری شادمانی

۱۲۸ عبدالحی بن محمد

۱۳۹ (شیخ) عبد الرحمن بن فہد

عبد الرحمن جامی دیکھئے جامی

۲۶۰/۲۵۹/۱۶۳ (خواجہ) عبد الرحمن مفتی کابلی

(ط)

۳۵۶/۱۵۵/۱۵۴ طاہر بخش

۲۴۴/۵۷ (علامہ محمد) طاہر ثنی

۴۱ (محدث) طاہر حسین الابدل

۴۵ (شیخ) طاہر بن رضی اسماعیل قزوینی

۳۵۹/۳۵۷/۳۵۶/۱۵۵/۱۵۳ (مولانا) طاہر لاہوری

۱۹۱ (محقق) طوسی

۳۵۱/۲۹۱/۲۸ (شاہ) طہاسب

(ظ)

(الملک) الظاہر دیکھئے رکن الدین

۳۷۳ (مرزا) ظفر اللہ شاہ

۳۶۵ (مولانا سید) ظہور الاسلام فتحپوری

۳۳۱/۳۲۳ ظہیر الدین فاروقی

(ع)

۲۱۱ (ڈاکٹر سید) عابد حسین

۳۶ عارف علی

۱۲۸ (حضرت) عاصم بن عبد اللہ

۲۹۵/۸۶۱/۸۴۱/۱۶۴/۲۱ (سلطان اوزنگزیب) عالمگیر

۳۶۷/۳۲۹-۵۲/۳۲۳/۳۲۹-۳۱/۳۲۳-۱۷۱/۳۲۱

۳۷۹/۳۶۶

۳ (شاہ) عباس اول

(شاہ) عبدالعزیز محدث دہلوی۔ ۱۲۳۷/۱۲۶۹/۱۲۴۷	۳۲۰	(مفتی) عبدالرحمن
۳۸۲/۳۸۱/۳۷۷	۱۰۲	(قاضی) عبدالرحیم
(علامہ) عبدالعلی بھار العلوم فرنگی محلی ۲۶۴/۲۶۲	۱۶۶/۱۶۱/۱۵۷/۱۵۳/۱۵۷	عبدالرحیم خانخاناں۔
۱۱	۳۱۶/۳۱۵/۲۹۲/۲۳۸/۲۳۷	
(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی	۳۸۱	(حضرت شاہ) عبدالرحیم رائے پوری
(مولانا) عبدالغفور لاری	۳۸۱	(حضرت حاجی) عبدالرحیم شہید ولایتی
(شاہ) عبدالغنی محدث دہلوی۔ ۳۷۸/۳۷۷/۳۷۵	۳۸۴	(مولانا) عبدالرحیم صادق پوری
(شیخ) عبدالقادر اچھی ۲۹۴/۲۹۳	۳۸۰	(شاہ) عبدالرحیم فاروقی
(ملا) عبدالقادر بدایونی ۳۷۰/۳۷۵	(میر) عبدالرزاق دیکھے	شاہ نواز خان
۸۷-۹۱/۸۴/۷۷/۷۳-۷۵/۷۱/۷۰/۶۸	۲۱۷/۱۳۷	(شاہ) عبدالرزاق بھنبھانوی
۱۳۲/۱۳۲/۱۰۶/۱۰۵/۱۰۲/۹۸/۹۷/۹۵	۲۵۱	(شیخ) عبدالرزاق کاشی
(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی۔ ۱۳۶/۱۳۸/۱۳۵	۳۷۴	(شاہ) عبدالرشید
۱۳۱/۱۳۳/۱۳۸/۱۳۵	۲۱۸	(مولانا) عبدالسلام ندوی
(شاہ) عبدالقادر دہلوی ۳۶۴	۳۷۵/۳۷۳	(مولانا) عبدالسلام واسطی ہمسوی
(حضرت مولانا) عبدالقادر رائے پوری ۳۸۱	۳۷۰/۱۶۵	(مولانا) عبدالشکور فاروقی
عبدالقادر طبری ۳۴۱	۱۳۲	(مولانا) عبدالعزیز حسینی
(شیخ) عبدالقادر لاہوری ۲۹۴	۳۶۴	(خواجہ) عبدالعدل
(شاہ) عبدالقادر مہربان فخری میل پوری ۲۶۲	۹۱	(وزیر) عبدالعزیز آصف خان
(شیخ) عبدالقدوس گنگوہی۔ ۱۳۷/۱۴۷/۱۴۸/۱۳۳/۱۳۲	۲۷۱/۱۳۷	(شیخ) عبدالعزیز شکر بار
۲۷۱		
(شیخ) عبدالکبیر مینے ۲۵۱/۱۱۲۷		

۳۴۲	(شیخ) عبدالشمر دادا ابوالنجر	۴۸	عبدالشر (والد میر روشن)
۱۲۰	(میر) عدل	۲۱۳، ۱۱۵، ۱۱۴۹	(خواجہ) عبدالشر عرف خواجہ خورد
۱۳۲	(مولانا) عبدالشر نیازی مہدوی	۲۵۴، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۵، ۲۳۶، ۲۲۹، ۲۲۴-۲۶	
۱۲۸	عبدالشر الواعظ الاصفہر	۳۵۶، ۲۸۳، ۲۵۸	
۱۲۸	عبدالشر الواعظ الاکبر	۳۶۸	(مولانا شاہ) عبدالشر
۲۴۳، ۱۶۴	(مولانا) عبد الماجد دیابادی	۱۴۷	عبدالشر احراری
۳۸۶	(حکیم) عبد المجید سیفی	۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۸	(حافظ سید) عبدالشر اکبر آبادی
۸۹-۹۱، ۱۷۴	(شیخ) عبدالنبی گنگوی (صدر الصدوق)	۱۴۴	(امیر) عبدالشر لمجی
۱۰۵، ۱۰۲، ۹۶، ۹۴		۲۴۷، ۲۴۶	(شیخ) عبدالشر خوشگی قصوری (عبدی)
۲۷۸	عبدالنبی جالندھری	۸۸-۹۱	(مخدوم الملک مولانا) عبدالشر سلطانپوری
۲۵۶	(مولانا) عبدالواحد لاہوری	۱۳۴، ۱۳۲، ۱۰۵، ۹۴	
۳۴۹	(قاضی شیخ الاسلام) عبد الوہاب گجراتی	۲۷۰	عبدالشر بن ابی بکر حضری
۳۵۶	(شیخ) عبد البہادی فاروقی بداولی	۱۲۸	عبدالشر بن شعیب
۱۴۴	(شیخ خواجہ) عبید	۳۴۱	(حضرت) عبدالشر بن عباسؓ
۲۷	عبیدالشر بن اسکندر	۱۲۸	(حضرت) عبدالشر بن عمرؓ
۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۴، ۱۴۳	(خواجہ ناصر الدین) عبیدالشر احرار	۸۷	(حضرت) عبدالشر بن مبارک
۲۵۰، ۲۴۹، ۲۳۶، ۲۲۹، ۲۲۴-۲۶، ۲۱۳		۳۸۴	(مولانا) عبدالشر حمزہ قندی
۲۹۹، ۲۸۳		۳۷	(شاہ) عبدالشر سندیلوی
۳۵۶، ۹۴، ۶۹، ۶۸	(خواجہ) عبیدالشر عرف خواجہ کلاں	۳۴	(شیخ) عبدالشر شطاری خراسانی

۱۳۲	(مولانا) علی شیر	۲۷	عبید اللہ بن محمد
۲۶۵، ۱۴۰	(ملا) علی قاری	۳۷۲، ۳۶۰	(حضرت سیدنا) عثمان
۲۹۳	(شیخ) علی گیلانی	۳۷۳	(خواجہ) عثمان دامانی
(علامہ) علی متقی (علی بن حسام الدین المتقی برہانپوری)		۳۷۱	(شیخ) عثمان سند
۳۷۵، ۲۲۴، ۱۴۳، ۱۴۰		۲۶۵	(شیخ الاسلام) عز الدین بن عبد السلام
۵۰	علی محمد مخلص	۳۸۱، ۲۹۳، ۱۶۱، ۵۷	(مرزا) عزیز الدین دہلوی
۲۲۲	(حضرت) علی ہجویری (داتا گنج بخش)	۳۷۵	(مفتی) عزیز الرحمن دیوبندی
۴۱، ۱۴۰	(علامہ) عماد بن محمود طاری	۷۷	(ملا زادہ) عصام الدین ابراہیم
۱۲۸	(حضرت) عمر بن حفص	۲۲۳	(شیخ) العلماء البخاری
۳۴۵	(سید) عمیر	۵۵، ۵۴	(شیخ) علاء بن حسن البیانوی (شیخ علائی)
۳۲۷	(حضرت) عمر بن عبد العزیز	۲۷۲، ۲۷۱	(شیخ) علاء الدولہ سمٹانی
۷۴	عمر شیخ مرزا	۳۹	(علامہ) علاء الدین اباجی
۳۸۲	(مفتی) عنایت احمد کاکڑوی	۳۷۸-۸۰، ۱۲۸۹	(حضرت شاہ) علم الشرحی
۳۸۴	(مولانا) عنایت علی غازی	۱۳۲	(مولانا میر) علی
۳۷	(شیخ) عیسیٰ بن قاسم سندی	۳۶۱، ۳۴	(شیخ) علی بن قوام جونپوری (علی عاشقان)
۳۴۱-۳۵	(شیخ) عیسیٰ محمد بن مغربی جعفری	۱۳۵، ۱۳۲	
(غ)		۳۴۱	علی بن سبکی
۲۸۴	(مرزا) غالب	۵۰	(سید) علی ترمذی (پیر بابا)
۲۰۴، ۹۱، ۶۳	(امام) عزالی طوسی	۳۶۵	(نواب) علی حسن خاں

۳۸۲/۳۷۸	(مولانا) غلام رسول بہر	۳۸۲/۳۷۸	فرعون
۳۲۶	(منفی) غلام سرور	۳۲۶	۳۶۹/۳۰۱
۳۳۸/۱۸۳	(حضرت شاہ) غلام علی بٹالوی دہلوی	۳۳۸/۱۸۳	(سید) فرید
۳۷۳/۳۶۴/۳۶۶-۶۸۱/۳۶۴/۳۶۶		۳۷۳/۳۶۴/۳۶۶-۶۸۱/۳۶۴/۳۶۶	(سید شیخ) فرید دیکھے مرتضیٰ
۳۸۱/۳۷۹		۳۸۱/۳۷۹	(شیخ) فرید الدین گنج شکر
۱۳۷	(شیخ) غلام محمد	۱۳۷	۱۲۸/۷۲
۳۸۵	(ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ خاں	۳۸۵	(علامہ) فضل حق خیر آبادی
۳۶۶/۲۸۹	(مولانا) غلام یحییٰ بہاری	۳۶۶/۲۸۹	(مولانا) فضل الرحمن گنج مراد آبادی
۵۲	غیاث الدین شاہ خلیجی	۵۲	(نورالشاہ) فضل عمر مبدی (شیر آغا)
۴۰-۴۲	(علامہ) غیاث الدین منصور	۴۰-۴۲	فلاطینس (POLOTINUS)
۱۳۱	(خواجہ) فتح اشرف	۱۳۱	۱۹۲
۳۷۸	(شاہ) فتح اشرف بہار پوری	۳۷۸	فلش پادری
۱۲۱/۱۴۲	(میر) فتح اشرف شیرازی	۱۲۱/۱۴۲	۳۲۲
۱۵۸	(شاہ) فتح محمد فتح پوری	۱۵۸	۷۳
۱۲۲	فدا علی طالب	۱۲۲	فولاد
۳۵۶/۱۵۴	(مولانا) فرخ حسین ہروی	۳۵۶/۱۵۴	فیروز تغلق
۳۲۸	فرخ شاہ دیکھے	۳۲۸	(ابوالفیض) فیضی ۹۲/۹۳/۹۴-۹۸/۹۹/۱۰۰/۱۰۱/۱۰۲/۱۰۳/۱۰۴/۱۰۵/۱۰۶/۱۰۷/۱۰۸/۱۰۹/۱۱۰/۱۱۱/۱۱۲/۱۱۳/۱۱۴/۱۱۵/۱۱۶/۱۱۷/۱۱۸/۱۱۹/۱۲۰/۱۲۱/۱۲۲/۱۲۳/۱۲۴/۱۲۵/۱۲۶/۱۲۷/۱۲۸/۱۲۹/۱۳۰/۱۳۱/۱۳۲/۱۳۳/۱۳۴/۱۳۵/۱۳۶/۱۳۷/۱۳۸/۱۳۹/۱۴۰/۱۴۱/۱۴۲/۱۴۳/۱۴۴/۱۴۵/۱۴۶/۱۴۷/۱۴۸/۱۴۹/۱۵۰/۱۵۱/۱۵۲/۱۵۳/۱۵۴/۱۵۵/۱۵۶/۱۵۷/۱۵۸/۱۵۹/۱۶۰/۱۶۱/۱۶۲/۱۶۳/۱۶۴/۱۶۵/۱۶۶/۱۶۷/۱۶۸/۱۶۹/۱۷۰/۱۷۱/۱۷۲/۱۷۳/۱۷۴/۱۷۵/۱۷۶/۱۷۷/۱۷۸/۱۷۹/۱۸۰/۱۸۱/۱۸۲/۱۸۳/۱۸۴/۱۸۵/۱۸۶/۱۸۷/۱۸۸/۱۸۹/۱۹۰/۱۹۱/۱۹۲/۱۹۳/۱۹۴/۱۹۵/۱۹۶/۱۹۷/۱۹۸/۱۹۹/۲۰۰/۲۰۱/۲۰۲/۲۰۳/۲۰۴/۲۰۵/۲۰۶/۲۰۷/۲۰۸/۲۰۹/۲۱۰/۲۱۱/۲۱۲/۲۱۳/۲۱۴/۲۱۵/۲۱۶/۲۱۷/۲۱۸/۲۱۹/۲۲۰/۲۲۱/۲۲۲/۲۲۳/۲۲۴/۲۲۵/۲۲۶/۲۲۷/۲۲۸/۲۲۹/۲۳۰/۲۳۱/۲۳۲/۲۳۳/۲۳۴/۲۳۵/۲۳۶/۲۳۷/۲۳۸/۲۳۹/۲۴۰/۲۴۱/۲۴۲/۲۴۳/۲۴۴/۲۴۵/۲۴۶/۲۴۷/۲۴۸/۲۴۹/۲۵۰/۲۵۱/۲۵۲/۲۵۳/۲۵۴/۲۵۵/۲۵۶/۲۵۷/۲۵۸/۲۵۹/۲۶۰/۲۶۱/۲۶۲/۲۶۳/۲۶۴/۲۶۵/۲۶۶/۲۶۷/۲۶۸/۲۶۹/۲۷۰/۲۷۱/۲۷۲/۲۷۳/۲۷۴/۲۷۵/۲۷۶/۲۷۷/۲۷۸/۲۷۹/۲۸۰/۲۸۱/۲۸۲/۲۸۳/۲۸۴/۲۸۵/۲۸۶/۲۸۷/۲۸۸/۲۸۹/۲۹۰/۲۹۱/۲۹۲/۲۹۳/۲۹۴/۲۹۵/۲۹۶/۲۹۷/۲۹۸/۲۹۹/۳۰۰/۳۰۱/۳۰۲/۳۰۳/۳۰۴/۳۰۵/۳۰۶/۳۰۷/۳۰۸/۳۰۹/۳۱۰/۳۱۱/۳۱۲/۳۱۳/۳۱۴/۳۱۵/۳۱۶/۳۱۷/۳۱۸/۳۱۹/۳۲۰/۳۲۱/۳۲۲/۳۲۳/۳۲۴/۳۲۵/۳۲۶/۳۲۷/۳۲۸/۳۲۹/۳۳۰/۳۳۱/۳۳۲/۳۳۳/۳۳۴/۳۳۵/۳۳۶/۳۳۷/۳۳۸/۳۳۹/۳۴۰/۳۴۱/۳۴۲/۳۴۳/۳۴۴/۳۴۵/۳۴۶/۳۴۷/۳۴۸/۳۴۹/۳۵۰/۳۵۱/۳۵۲/۳۵۳/۳۵۴/۳۵۵/۳۵۶/۳۵۷/۳۵۸/۳۵۹/۳۶۰/۳۶۱/۳۶۲/۳۶۳/۳۶۴/۳۶۵/۳۶۶/۳۶۷/۳۶۸/۳۶۹/۳۷۰/۳۷۱/۳۷۲/۳۷۳/۳۷۴/۳۷۵/۳۷۶/۳۷۷/۳۷۸/۳۷۹/۳۸۰/۳۸۱/۳۸۲/۳۸۳/۳۸۴/۳۸۵/۳۸۶/۳۸۷/۳۸۸/۳۸۹/۳۹۰/۳۹۱/۳۹۲/۳۹۳/۳۹۴/۳۹۵/۳۹۶/۳۹۷/۳۹۸/۳۹۹/۴۰۰/۴۰۱/۴۰۲/۴۰۳/۴۰۴/۴۰۵/۴۰۶/۴۰۷/۴۰۸/۴۰۹/۴۱۰/۴۱۱/۴۱۲/۴۱۳/۴۱۴/۴۱۵/۴۱۶/۴۱۷/۴۱۸/۴۱۹/۴۲۰/۴۲۱/۴۲۲/۴۲۳/۴۲۴/۴۲۵/۴۲۶/۴۲۷/۴۲۸/۴۲۹/۴۳۰/۴۳۱/۴۳۲/۴۳۳/۴۳۴/۴۳۵/۴۳۶/۴۳۷/۴۳۸/۴۳۹/۴۴۰/۴۴۱/۴۴۲/۴۴۳/۴۴۴/۴۴۵/۴۴۶/۴۴۷/۴۴۸/۴۴۹/۴۵۰/۴۵۱/۴۵۲/۴۵۳/۴۵۴/۴۵۵/۴۵۶/۴۵۷/۴۵۸/۴۵۹/۴۶۰/۴۶۱/۴۶۲/۴۶۳/۴۶۴/۴۶۵/۴۶۶/۴۶۷/۴۶۸/۴۶۹/۴۷۰/۴۷۱/۴۷۲/۴۷۳/۴۷۴/۴۷۵/۴۷۶/۴۷۷/۴۷۸/۴۷۹/۴۸۰/۴۸۱/۴۸۲/۴۸۳/۴۸۴/۴۸۵/۴۸۶/۴۸۷/۴۸۸/۴۸۹/۴۹۰/۴۹۱/۴۹۲/۴۹۳/۴۹۴/۴۹۵/۴۹۶/۴۹۷/۴۹۸/۴۹۹/۵۰۰/۵۰۱/۵۰۲/۵۰۳/۵۰۴/۵۰۵/۵۰۶/۵۰۷/۵۰۸/۵۰۹/۵۱۰/۵۱۱/۵۱۲/۵۱۳/۵۱۴/۵۱۵/۵۱۶/۵۱۷/۵۱۸/۵۱۹/۵۲۰/۵۲۱/۵۲۲/۵۲۳/۵۲۴/۵۲۵/۵۲۶/۵۲۷/۵۲۸/۵۲۹/۵۳۰/۵۳۱/۵۳۲/۵۳۳/۵۳۴/۵۳۵/۵۳۶/۵۳۷/۵۳۸/۵۳۹/۵۴۰/۵۴۱/۵۴۲/۵۴۳/۵۴۴/۵۴۵/۵۴۶/۵۴۷/۵۴۸/۵۴۹/۵۵۰/۵۵۱/۵۵۲/۵۵۳/۵۵۴/۵۵۵/۵۵۶/۵۵۷/۵۵۸/۵۵۹/۵۶۰/۵۶۱/۵۶۲/۵۶۳/۵۶۴/۵۶۵/۵۶۶/۵۶۷/۵۶۸/۵۶۹/۵۷۰/۵۷۱/۵۷۲/۵۷۳/۵۷۴/۵۷۵/۵۷۶/۵۷۷/۵۷۸/۵۷۹/۵۸۰/۵۸۱/۵۸۲/۵۸۳/۵۸۴/۵۸۵/۵۸۶/۵۸۷/۵۸۸/۵۸۹/۵۹۰/۵۹۱/۵۹۲/۵۹۳/۵۹۴/۵۹۵/۵۹۶/۵۹۷/۵۹۸/۵۹۹/۶۰۰/۶۰۱/۶۰۲/۶۰۳/۶۰۴/۶۰۵/۶۰۶/۶۰۷/۶۰۸/۶۰۹/۶۱۰/۶۱۱/۶۱۲/۶۱۳/۶۱۴/۶۱۵/۶۱۶/۶۱۷/۶۱۸/۶۱۹/۶۲۰/۶۲۱/۶۲۲/۶۲۳/۶۲۴/۶۲۵/۶۲۶/۶۲۷/۶۲۸/۶۲۹/۶۳۰/۶۳۱/۶۳۲/۶۳۳/۶۳۴/۶۳۵/۶۳۶/۶۳۷/۶۳۸/۶۳۹/۶۴۰/۶۴۱/۶۴۲/۶۴۳/۶۴۴/۶۴۵/۶۴۶/۶۴۷/۶۴۸/۶۴۹/۶۵۰/۶۵۱/۶۵۲/۶۵۳/۶۵۴/۶۵۵/۶۵۶/۶۵۷/۶۵۸/۶۵۹/۶۶۰/۶۶۱/۶۶۲/۶۶۳/۶۶۴/۶۶۵/۶۶۶/۶۶۷/۶۶۸/۶۶۹/۶۷۰/۶۷۱/۶۷۲/۶۷۳/۶۷۴/۶۷۵/۶۷۶/۶۷۷/۶۷۸/۶۷۹/۶۸۰/۶۸۱/۶۸۲/۶۸۳/۶۸۴/۶۸۵/۶۸۶/۶۸۷/۶۸۸/۶۸۹/۶۹۰/۶۹۱/۶۹۲/۶۹۳/۶۹۴/۶۹۵/۶۹۶/۶۹۷/۶۹۸/۶۹۹/۷۰۰/۷۰۱/۷۰۲/۷۰۳/۷۰۴/۷۰۵/۷۰۶/۷۰۷/۷۰۸/۷۰۹/۷۱۰/۷۱۱/۷۱۲/۷۱۳/۷۱۴/۷۱۵/۷۱۶/۷۱۷/۷۱۸/۷۱۹/۷۲۰/۷۲۱/۷۲۲/۷۲۳/۷۲۴/۷۲۵/۷۲۶/۷۲۷/۷۲۸/۷۲۹/۷۳۰/۷۳۱/۷۳۲/۷۳۳/۷۳۴/۷۳۵/۷۳۶/۷۳۷/۷۳۸/۷۳۹/۷۴۰/۷۴۱/۷۴۲/۷۴۳/۷۴۴/۷۴۵/۷۴۶/۷۴۷/۷۴۸/۷۴۹/۷۵۰/۷۵۱/۷۵۲/۷۵۳/۷۵۴/۷۵۵/۷۵۶/۷۵۷/۷۵۸/۷۵۹/۷۶۰/۷۶۱/۷۶۲/۷۶۳/۷۶۴/۷۶۵/۷۶۶/۷۶۷/۷۶۸/۷۶۹/۷۷۰/۷۷۱/۷۷۲/۷۷۳/۷۷۴/۷۷۵/۷۷۶/۷۷۷/۷۷۸/۷۷۹/۷۸۰/۷۸۱/۷۸۲/۷۸۳/۷۸۴/۷۸۵/۷۸۶/۷۸۷/۷۸۸/۷۸۹/۷۹۰/۷۹۱/۷۹۲/۷۹۳/۷۹۴/۷۹۵/۷۹۶/۷۹۷/۷۹۸/۷۹۹/۸۰۰/۸۰۱/۸۰۲/۸۰۳/۸۰۴/۸۰۵/۸۰۶/۸۰۷/۸۰۸/۸۰۹/۸۱۰/۸۱۱/۸۱۲/۸۱۳/۸۱۴/۸۱۵/۸۱۶/۸۱۷/۸۱۸/۸۱۹/۸۲۰/۸۲۱/۸۲۲/۸۲۳/۸۲۴/۸۲۵/۸۲۶/۸۲۷/۸۲۸/۸۲۹/۸۳۰/۸۳۱/۸۳۲/۸۳۳/۸۳۴/۸۳۵/۸۳۶/۸۳۷/۸۳۸/۸۳۹/۸۴۰/۸۴۱/۸۴۲/۸۴۳/۸۴۴/۸۴۵/۸۴۶/۸۴۷/۸۴۸/۸۴۹/۸۵۰/۸۵۱/۸۵۲/۸۵۳/۸۵۴/۸۵۵/۸۵۶/۸۵۷/۸۵۸/۸۵۹/۸۶۰/۸۶۱/۸۶۲/۸۶۳/۸۶۴/۸۶۵/۸۶۶/۸۶۷/۸۶۸/۸۶۹/۸۷۰/۸۷۱/۸۷۲/۸۷۳/۸۷۴/۸۷۵/۸۷۶/۸۷۷/۸۷۸/۸۷۹/۸۸۰/۸۸۱/۸۸۲/۸۸۳/۸۸۴/۸۸۵/۸۸۶/۸۸۷/۸۸۸/۸۸۹/۸۹۰/۸۹۱/۸۹۲/۸۹۳/۸۹۴/۸۹۵/۸۹۶/۸۹۷/۸۹۸/۸۹۹/۹۰۰/۹۰۱/۹۰۲/۹۰۳/۹۰۴/۹۰۵/۹۰۶/۹۰۷/۹۰۸/۹۰۹/۹۱۰/۹۱۱/۹۱۲/۹۱۳/۹۱۴/۹۱۵/۹۱۶/۹۱۷/۹۱۸/۹۱۹/۹۲۰/۹۲۱/۹۲۲/۹۲۳/۹۲۴/۹۲۵/۹۲۶/۹۲۷/۹۲۸/۹۲۹/۹۳۰/۹۳۱/۹۳۲/۹۳۳/۹۳۴/۹۳۵/۹۳۶/۹۳۷/۹۳۸/۹۳۹/۹۴۰/۹۴۱/۹۴۲/۹۴۳/۹۴۴/۹۴۵/۹۴۶/۹۴۷/۹۴۸/۹۴۹/۹۵۰/۹۵۱/۹۵۲/۹۵۳/۹۵۴/۹۵۵/۹۵۶/۹۵۷/۹۵۸/۹۵۹/۹۶۰/۹۶۱/۹۶۲/۹۶۳/۹۶۴/۹۶۵/۹۶۶/۹۶۷/۹۶۸/۹۶۹/۹۷۰/۹۷۱/۹۷۲/۹۷۳/۹۷۴/۹۷۵/۹۷۶/۹۷۷/۹۷۸/۹۷۹/۹۸۰/۹۸۱/۹۸۲/۹۸۳/۹۸۴/۹۸۵/۹۸۶/۹۸۷/۹۸۸/۹۸۹/۹۹۰/۹۹۱/۹۹۲/۹۹۳/۹۹۴/۹۹۵/۹۹۶/۹۹۷/۹۹۸/۹۹۹/۱۰۰۰/۱۰۰۱/۱۰۰۲/۱۰۰۳/۱۰۰۴/۱۰۰۵/۱۰۰۶/۱۰۰۷/۱۰۰۸/۱۰۰۹/۱۰۱۰/۱۰۱۱/۱۰۱۲/۱۰۱۳/۱۰۱۴/۱۰۱۵/۱۰۱۶/۱۰۱۷/۱۰۱۸/۱۰۱۹/۱۰۲۰/۱۰۲۱/۱۰۲۲/۱۰۲۳/۱۰۲۴/۱۰۲۵/۱۰۲۶/۱۰۲۷/۱۰۲۸/۱۰۲۹/۱۰۳۰/۱۰۳۱/۱۰۳۲/۱۰۳۳/۱۰۳۴/۱۰۳۵/۱۰۳۶/۱۰۳۷/۱۰۳۸/۱۰۳۹/۱۰۴۰/۱۰۴۱/۱۰۴۲/۱۰۴۳/۱۰۴۴/۱۰۴۵/۱۰۴۶/۱۰۴۷/۱۰۴۸/۱۰۴۹/۱۰۵۰/۱۰۵۱/۱۰۵۲/۱۰۵۳/۱۰۵۴/۱۰۵۵/۱۰۵۶/۱۰۵۷/۱۰۵۸/۱۰۵۹/۱۰۶۰/۱۰۶۱/۱۰۶۲/۱۰۶۳/۱۰۶۴/۱۰۶۵/۱۰۶۶/۱۰۶۷/۱۰۶۸/۱۰۶۹/۱۰۷۰/۱۰۷۱/۱۰۷۲/۱۰۷۳/۱۰۷۴/۱۰۷۵/۱۰۷۶/۱۰۷۷/۱۰۷۸/۱۰۷۹/۱۰۸۰/۱۰۸۱/۱۰۸۲/۱۰۸۳/۱۰۸۴/۱۰۸۵/۱۰۸۶/۱۰۸۷/۱۰۸۸/۱۰۸۹/۱۰۹۰/۱۰۹۱/۱۰۹۲/۱۰۹۳/۱۰۹۴/۱۰۹۵/۱۰۹۶/۱۰۹۷/۱۰۹۸/۱۰۹۹/۱۱۰۰/۱۱۰۱/۱۱۰۲/۱۱۰۳/۱۱۰۴/۱۱۰۵/۱۱۰۶/۱۱۰۷/۱۱۰۸/۱۱۰۹/۱۱۱۰/۱۱۱۱/۱۱۱۲/۱۱۱۳/۱۱۱۴/۱۱۱۵/۱۱۱۶/۱۱۱۷/۱۱۱۸/۱۱۱۹/۱۱۲۰/۱۱۲۱/۱۱۲۲/۱۱۲۳/۱۱۲۴/۱۱۲۵/۱۱۲۶/۱۱۲۷/۱۱۲۸/۱۱۲۹/۱۱۳۰/۱۱۳۱/۱۱۳۲/۱۱۳۳/۱۱۳۴/۱۱۳۵/۱۱۳۶/۱۱۳۷/۱۱۳۸/۱۱۳۹/۱۱۴۰/۱۱۴۱/۱۱۴۲/۱۱۴۳/۱۱۴۴/۱۱۴۵/۱۱۴۶/۱۱۴۷/۱۱۴۸/۱۱۴۹/۱۱۵۰/۱۱۵۱/۱۱۵۲/۱۱۵۳/۱۱۵۴/۱۱۵۵/۱۱۵۶/۱۱۵۷/۱۱۵۸/۱۱۵۹/۱۱۶۰/۱۱۶۱/۱۱۶۲/۱۱۶۳/۱۱۶۴/۱۱۶۵/۱۱۶۶/۱۱۶۷/۱۱۶۸/۱۱۶۹/۱۱۷۰/۱۱۷۱/۱۱۷۲/۱۱۷۳/۱۱۷۴/۱۱۷۵/۱۱۷۶/۱۱۷۷/۱۱۷۸/۱۱۷۹/۱۱۸۰/۱۱۸۱/۱۱۸۲/۱۱۸۳/۱۱۸۴/۱۱۸۵/۱۱۸۶/۱۱۸۷/۱۱۸۸/۱۱۸۹/۱۱۹۰/۱۱۹۱/۱۱۹۲/۱۱۹۳/۱۱۹۴/۱۱۹۵/۱۱۹۶/۱۱۹۷/۱۱۹۸/۱۱۹۹/۱۲۰۰/۱۲۰۱/۱۲۰۲/۱۲۰۳/۱۲۰۴/۱۲۰۵/۱۲۰۶/۱۲۰۷/۱۲۰۸/۱۲۰۹/۱۲۱۰/۱۲۱۱/۱۲۱۲/۱۲۱۳/۱۲۱۴/۱۲۱۵/۱۲۱۶/۱۲۱۷/۱۲۱۸/۱۲۱۹/۱۲۲۰/۱۲۲۱/۱۲۲۲/۱۲۲۳/۱۲۲۴/۱۲۲۵/۱۲۲۶/۱۲۲۷/۱۲۲۸/۱۲۲۹/۱۲۳۰/۱۲۳۱/۱۲۳۲/۱۲۳۳/۱۲۳۴/۱۲۳۵/۱۲۳۶/۱۲۳۷/۱۲۳۸/۱۲۳۹/۱۲۴۰/۱۲۴۱/۱۲۴۲/۱۲۴۳/۱۲۴۴/۱۲۴۵/۱۲۴۶/۱۲۴۷/۱۲۴۸/۱۲۴۹/۱۲۵۰/۱۲۵۱/۱۲۵۲/۱۲۵۳/۱۲۵۴/۱۲۵۵/۱۲۵۶/۱۲۵۷/۱۲۵۸/۱۲۵۹/۱۲۶۰/۱۲۶۱/۱۲۶۲/۱۲۶۳/۱۲۶۴/۱۲۶۵/۱۲۶۶/۱۲۶۷/۱۲۶۸/۱۲۶۹/۱۲۷۰/۱۲۷۱/۱۲۷۲/۱۲۷۳/۱۲۷۴/۱۲۷۵/۱۲۷۶/۱۲۷۷/۱۲۷۸/۱۲۷۹/۱۲۸۰/۱۲۸۱/۱۲۸۲/۱۲۸۳/۱۲۸۴/۱۲۸۵/۱۲۸۶/۱۲۸۷/۱۲۸۸/۱۲۸۹/۱۲۹۰/۱۲۹۱/۱۲۹۲/۱۲۹۳/۱۲۹۴/۱۲۹۵/۱۲۹۶/۱۲۹۷/۱۲۹۸/۱۲۹۹/۱۳۰۰/۱۳۰۱/۱۳۰۲/۱۳۰۳/۱۳۰۴/۱۳۰۵/۱۳۰۶/۱۳۰۷/۱۳۰۸/۱۳۰۹/۱۳۱۰/۱۳۱۱/۱۳۱۲/۱۳۱۳/۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷/۱۳۱۸/۱۳۱۹/۱۳۲۰/۱۳۲۱/۱۳۲۲/۱۳۲۳/۱۳۲۴/۱۳۲۵/۱۳۲۶/۱۳۲۷/۱۳۲۸/۱۳۲۹/۱۳۳۰/۱۳۳۱/۱۳۳۲/۱۳۳۳/۱۳۳۴/۱۳۳۵/۱۳۳۶/۱۳۳۷/۱۳۳۸/۱۳۳۹/۱۳۴۰/۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴/۱۳۴۵/۱۳۴۶/۱۳۴۷/۱۳۴۸/۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲/۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶/۱۳۵۷/۱۳۵۸/۱۳۵۹/۱۳۶۰/۱۳۶۱/۱۳۶۲/۱۳۶۳/۱۳۶۴/۱۳۶۵/۱۳۶۶/۱۳۶۷/۱۳۶۸/۱۳۶۹/۱۳۷۰/۱۳۷۱/۱۳۷۲/۱۳۷۳/۱۳۷۴/۱۳۷۵/۱۳۷۶/۱۳۷۷/۱۳۷۸/۱۳۷۹/۱۳۸۰/۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴/۱۳۸۵/۱۳۸۶/۱۳۸۷/۱۳۸۸/۱۳۸۹/۱۳۹۰/۱۳۹۱/۱۳۹۲/۱۳۹۳/۱۳۹۴/۱۳۹۵/۱۳۹۶/۱۳۹۷/۱۳۹۸/۱۳۹۹/۱۴۰۰/۱۴۰۱/۱۴۰۲/۱۴۰۳/۱۴۰۴/۱۴۰۵/۱۴۰۶/۱۴۰۷/۱۴۰۸/۱۴۰۹/۱۴۱۰/۱۴۱۱/۱۴۱۲/۱۴۱۳/۱۴۱۴/۱۴۱۵/۱۴۱۶/۱۴۱۷/۱۴۱۸/۱۴۱۹/۱۴۲۰/۱۴۲۱/۱۴۲۲/۱۴۲۳/۱۴۲۴/۱۴۲۵/۱۴۲۶/۱۴۲۷/۱۴۲۸/۱۴۲۹/۱۴۳۰/۱۴۳۱/۱۴۳۲/۱۴۳۳/۱۴۳۴/۱۴۳۵/۱۴۳۶/۱۴۳۷/۱۴۳۸/۱۴۳۹/۱۴۴۰/۱۴۴۱/۱۴۴۲/۱۴۴۳/۱۴۴۴/۱۴۴۵/۱۴۴۶/۱۴۴۷/۱۴۴۸/۱۴۴۹/۱۴۵۰/۱۴۵۱/۱۴۵۲/۱۴۵۳/۱۴۵۴/۱۴۵۵/۱۴۵۶/۱۴۵۷/۱۴۵۸/۱۴۵۹/۱۴۶۰/۱۴۶۱/۱۴۶۲/۱۴۶۳/۱۴۶۴/۱۴۶۵/۱۴۶۶/۱۴۶۷/۱۴۶۸/۱۴۶۹/۱۴۷۰/۱۴۷۱/۱۴۷۲/۱۴۷۳/۱۴۷۴/۱۴۷۵/۱۴۷۶/۱۴۷۷/۱۴۷۸/۱۴۷۹/۱۴۸۰/۱۴۸۱/۱۴۸۲/۱۴۸۳/۱۴۸۴/۱۴۸۵/۱۴۸۶/۱۴۸۷/۱۴۸۸/۱۴۸۹/۱۴۹۰/۱۴۹۱/۱۴۹۲/۱۴۹۳/۱۴۹۴/۱۴۹۵/۱۴۹۶/۱۴۹۷/۱۴۹۸/۱۴۹۹/۱۵۰۰/۱۵۰۱/۱۵۰۲/۱۵۰۳/۱۵۰۴/۱۵۰۵/۱۵۰۶/۱۵۰۷/۱۵۰۸/۱۵۰۹/۱۵۱۰/۱۵۱۱/۱۵۱۲/۱۵۱۳/۱۵۱۴/۱۵۱۵/۱۵۱۶/۱۵۱۷/۱۵۱۸/۱۵۱۹/۱۵۲۰/۱۵۲۱/۱۵۲۲/۱۵۲۳/۱۵۲۴/۱۵۲۵/۱۵۲۶/۱۵۲۷/۱۵۲۸/۱۵۲۹/۱۵۳۰/۱۵۳۱/۱۵۳۲/۱۵۳۳/۱۵۳۴/۱۵۳۵/۱۵۳۶/۱۵۳۷/۱۵۳۸/۱۵۳۹/۱۵۴۰/۱۵۴۱/۱۵۴۲/۱۵۴۳/۱۵۴۴/۱۵۴۵/۱۵۴۶/۱۵

۳۲۶	محمد اقبال مجددی	۲۴۱۱۱۶۱	(شیخ) محب الشرائ آبادی
۳۶	(شیخ) محمد اکرام	۲۵۶، ۲۳۹، ۲۳۸، ۱۵۶	(سید) محب الشرائیکپوری
۱۲۹، ۱۲۴	(شیخ) محمد امکنکی	۳۶۸، ۳۶۵	(میر) محبوب علی خاں نظام دکن
۳۷۹	(خواجہ) محمد امین بدشی	۵۱	(ملا) محسن خانی
۹۹	(ڈاکٹر) محمد باقر	۲۵۰	(امام) محمد
۳۲۶	(شیخ) محمد باقر لاہوری	۳۷۹	(حضرت سید) محمد ابن حضرت شاہ علم الشرائ
		۱۳۷	(شاہ) محمد
۹۷	محمد بدرالدین شامی (ابن الغزالی)	۴۷	(ملا) محمد (بانی فرقہ ذکرہ)
۴۱	(شیخ) محمد بن ابی الحسن اشعری		(سید) محمد برزنجی دیکھیے جمال الدین محمد
۱۲۸	محمد بن حبیب الشرائ	۵۶، ۵۵، ۵۲	(سید) محمد جونپوری
۳۳۱	(شیخ) محمد بن العلماء بابلی	۲۴۸	(شیخ) محمد حسینی
۹۷، ۴۱	(علامہ) محمد بن علی شوکانی	۳۴	(شیخ) محمد شطاری
۱۳۵	(مولانا) محمد بن فخر	۱۳۱	(سلطان) محمد غوری
۲۷۱، ۱۷۵، ۱۳۷	(شیخ) محمد بن فضل الشربہ بانپوری	۲۷۷، ۱۵۳	(مولانا حاجی) محمد لاہوری
۱۴۷	محمد بن فضل الشربہ	۳۷۶	(مولانا) محمد ابراہیم (ابن المشائخ)
۹۷	محمد بن محمد الغزالی	۳۲۵، ۳۲۳، ۶۶	(پروفیسر) محمد اسلم
۳۵۳، ۳۴۶، ۳۴۵	محمد بیگ ازبکی	۴۲	(قاضی) محمد اسلم ہروی
۳۶۸	(سید) محمد پاشا بخاری	۱۸۲	(شیخ) محمد اشرف
۳۲	(سلطان) محمد تغلق	۳۶۲	(شاہ) محمد آفاق

۳۸۰	(مولانا سید) محمد ظاہر حسنی	۳۷۸	(مولوی) محمد اکسنی
۳۷۹	(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل)	۳۷۷/۱۲۸	(خواجہ) محمد حسن مجددی
۳۶۵	(مولانا) محمد علی مونگیری	۹۸۰۹۵۰۹۴	(مولوی) محمد حسین آزاد
۳۸۶	(حافظ) محمد علی خاں شوق	۸۱	(شیخ) محمد حسین آل کاشف الغطاء
۳۷۴/۳۷۳	(شاہ) محمد عمر	۳۰۸	محمد حسین مرزا
۱۸۲	(شیخ) محمد عیسیٰ	۶۸۰۴۲	(مولانا) محمد زاہد (میرزاہد)
(شیخ) محمد غوث گویا ری۔ ۳۶-۳۴-۳۳-۳۲-۳۱-۳۰-۲۹-۲۸-۲۷-۲۶-۲۵-۲۴-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱		۳۶۴/۳۶۳	(خواجہ) محمد زبیر
۳۲	(مولانا) محمد فاضل بدخشانی	۳۶۲	محمد ساقی مستعد خاں
۳۳۷/۱۸۲	(شیخ) محمد فرخ	۱۸۲/۱۷۴/۱۷۳/۱۷۲/۱۷۱/۱۷۰/۱۶۹	(خواجہ) محمد سعید
۱۵۲	(مولانا) محمد قاسم	۳۲۵/۲۰۸/۱۸۳	
۲۵	محمد قاسم بیاباوری فرشتہ	۲۵۱	(خواجہ) محمد شرف الدین حسین
۳۸۱/۳۷۷/۳۷۵	(مولانا) محمد قاسم نانوتوی	۵۰	(پروفیسر) محمد شفیع
۳۲۵	محمد کاظم	۳۸۰/۱۳۷۹	(حضرت سید) محمد صابر
۳۶۲/۳۶۱/۳۵۷/۳۵۳	(شیخ) محمد ارشدی قرزانی	۱۳۴/۱۳۳	(مولانا) محمد صادق حلوائی
۱۳۷	(شیخ) محمد مسعود	۳۵۶/۱۱۵۴	(مولانا) محمد صادق کابلی
۱۶۰	(پروفیسر) محمد مسعود	۲۲۰	(مولانا) محمد صادق کشمیری
۳۷۴/۳۷۳	(شاہ) محمد مظہر	۲۳۸/۲۳۶/۲۳۵/۱۸۲/۱۷۳	(خواجہ) محمد صادق
۳۷۷/۳۷۴	(شاہ) محمد معصوم (معصوم ثانی)	۳۵۷	
	(حضرت خواجہ) محمد معصوم	۳۵۶/۱۱۵۵	(مولانا) محمد صالح کولابی
۳۸۱/۳۸۰/۱۸۳/۱۸۲/۱۷۰/۱۶۹		۳۸۶/۳۵۶	(مولانا) محمد صدیق کشمی

۵۳	محمود شاہ گجراتی	۳۵۷۱۳۵۵۱۳۵۱۱۳۳۵۱۳۳۳۱۳۳۲۱۳۲۲-۲۶
۴۰	(سلطان) محمود غزنوی	۳۸۸۱۳۷۷۱۳۶۰-۶۳۱۳۵۸
۳۵۶	(حافظ) محمود لاہوری	۳۵۶۱۱۸۹۱۱۴
۳۲۱	(شیخ) محمود گجراتی	۳۶۳
۲۷۱۳۳	(شیخ) محی الدین عبدالقادر عیدوی	۱۸۴
عبدالشر	مخدوم الملک دیکھے	۲۲۸۱۲۰۸
۱۳۵-۳۷۱۱۳۱	(حضرت) مخدوم جہانیاں	۲۲۹۱۲۳۸۱۱۶۵۱۱۵۵ ۲۵۲
۳۱۱۱۳۱	(سلطان) مراد	۳۶۸
۲۵	مراد ثالث	۳۶۳
۷۳	(شہزادہ) مراد	۲۵
۳۸۷	(شیخ) مراد کی	۳۸۰
۲۸۰۱۱۵۷۱۱۵۳	(نواب شیخ) مرتضیٰ (سید فرید)	۱۲۹۱۱۳۷۱۱۳۶۱۱۳۳۱۱۳۳
۳۱۶۱۳۳۱۳۰۸۱۳۰۷۱۳۰۲-۲۰۱۲۸۶		۳۸۸۱۳۸۷۱۷۷۱۱۷۴۱۱۷۰
۶۴	مزدک	۹۲۱۴۲
۳۵۶	(شیخ) منزل	۳۶۸۱۱۸۴
۲۵	سکنہم بالشر	۱۲۸
۳۲	(سالار) مسعود	۱۲۸
۱۲۸	مسعود بن حیدر الشر	۱۹۰۱۹۲۱۶۶-۶۸
۶۴	(امام) مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری	۳۸۱
		(شیخ) المند مولانا) محمود حسن دیوبندی

۱۲۸	ناصر بن عبداللہ	۳۶۵	(مولانا) سیح الزماں خاں شاہجہانپوری
	(خواجہ) ناصر الدین دیکھئے عبید الشہار	۳۲	مشاقی
۹۷	نجم الدین الغزنی	۸۰	(سید) مظفر
۶۹، ۶۶، ۲۲	(ڈاکٹر) نذیر احمد	۲۸	(شہزادہ) مظفر حسین
۱۰۰، ۹۹	زرنگ دیو	۳۶۱، ۳۳۷، ۲۸۹، ۱۸۳	(مرزا) مظہر جان جاناں
۳۵۶	(مولانا) نسیم احمد فریدی	۳۸۱، ۳۷۲، ۳۶۹، ۳۶۳	
۵۰	(مرزا) نصر اللہ خاں	۶۳	(حضرت خواجہ) معین الدین چشتی
۲۸	(میر) نصیر خان اعظم	۷۲	(مرزا) مقیم اصغہانی
۱۲۹، ۱۲۸	نصیر الدین بن سلیمان	۱۸۸، ۱۱۵	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی
	(بادشاہ) نصیر الدین ہمایوں دیکھئے ہمایوں	۸۴	(راجہ) منجھولہ
۲۵۲، ۱۲۳	(شیخ) نظام نقاشی	۲۹۴	(شیخ) منور عبدالحکیم لاہوری
۱۴	(خواجہ) نظام الدین	۱۳۷	(شیخ) مودود
۳۸	(شیخ) نظام الدین ایٹھوی (بنگیاں)	۳۰۲، ۱۶۷	مہابت خاں
۳۲۶	(شیخ) نظام الدین اونگ آبادی	۳۶۴	(خواجہ) میر درد دہلوی
۳۳۱	(مولانا) نظام الدین برہانپوری	۷۴	(محدث) میرکلاں ہروی
۷۳	نظام نازولی		(ن)
۳۳۷	(شاہ) نعمت لاہوری	۲۷۰، ۱۲۶۹	سیدنا حضرت نوح علیہ السلام
۳۴۱	(شاہ) نعمت اللہ قادری	۳۷۶، ۲۸	نادر شاہ افشار
۳۶۹، ۳۴۰	(شاہ) نعیم اللہ ہراچی	۲۱	ناصر الاسلام مدوی

۹۴	(سر) ولیزی ہیگ	۲۰۱	نورد
	(۵)	۳۸۸	(مولانا) نور احمد امیر قسری
۲۶۹	سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام	۴۵	نور بخش
۹۱	(خلیفہ) ہارون رشید	۱۵۸	(شیخ) نور الحق
۳۷۷	(حافظ محمد) ہاشم جان مجددی	۳۴۷	(قاضی) نور الدین
۳۵۰، ۳۴۹	(قاضی) ہدایت الشر	۲۷۲	(شیخ) نور الدین بن عبدالرحمن الکسرتی دلاخرائی
۳۰۰، ۱۶۱، ۱۳۱، ۱۷۸، ۲۶، ۳۵، ۳۱، ۲۹	(بادشاہ) ہمایوں	۱۲۹، ۱۲۸	نور الدین بن نصیر الدین
۹۲، ۳۱	(حکیم) ہمایوں (حکیم ہمام)	۹۲، ۳۲	نور الدین قراری
۲۱۱	ہیرلڈ ہوفڈنگ	۳۵۶، ۱۵۶، ۱۵۵	نور محمد شنی
۱۳۱	ہیون سانگ (HIUN SONG)	۳۶۶، ۳۶۳	(سید) نور محمد بدائی
	(۷)	۳۸۱	(میاں جی) نور محمد جھانوی
۲۶، ۱۶۳	سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام		(۹)
۲۸۲، ۲۸۱	(مولانا) یار محمد جدید بخشی طالقانی	۴۱، ۳۶	(علامہ) وجیہ الدین
۳۸۸، ۳۵۶		۳۷۹	(شیخ) وجیہ الدین اشرف
۳۵۶، ۱۵۵	(مولانا) یار محمد قدیم	۳۵۱، ۳۳۷	(مولانا) وکیل احمد سکندر پوری
۳۳۷، ۱۸۳، ۱۸۲، ۷۴	(خواجہ محمد) یحییٰ	۳۸۲، ۳۸۳	(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی
۱۳۲	یحییٰ بن احمد	۱۸۶، ۱۴۳، ۳۷، ۱۲	(حضرت شاہ) ولی الشر دہلوی
۳۷۵	(شیخ محمد) یحییٰ تربتی	۳۶۶، ۳۶۴، ۳۴۵، ۳۴۰، ۳۳۳، ۳۵۲	
۳۴۲	(شیخ) یحییٰ شاوی	۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۰، ۸۲، ۳۷۸، ۳۷۷	

۱۲۸ یوسف بن اسحاق

(شیخ) یوسف بن شہاب الدین برکی - ۱۲۹، ۱۲۸
۳۵۶

۳۵۶، ۱۵۵ (مولانا) یوسف سمرقندی

۱۰۸ (مولانا) یوسف کوکنی

۳۸۴ (مولانا) یحییٰ علی

(ملا) یزدی دیکھئے محمد

۱۳۹، ۱۳۲، ۴۲ (میر) یعقوب کشمیری

۳۵۱ یوحنا بن فریدون (یہودی فاضل)
۳۲۲ یوزی صاحب

اقوام و قبائل طبقات اور تہیں

۲۰۷، ۱۳۶، ۶۴، ۳۱ اہل بیت کرام

۵۶، ۵۵، ۴۷، ۳۵، ۳۲ اہل سنت و جماعت - سنی

۲۱۲، ۸۱، ۲۵۰، ۲۳۸، ۱۱۶، ۱۱۵۹، ۱۱۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۴
۳۵۰

۷۵ اہل حرم

۳۷۱ اہل لکڑی

۲۳۴، ۲۰، ۱۱۹۸ اہل مصر - مصری

۲۱۷، ۱۹۸، ۶۱ اہل یونان - یونانی

۲۱۷، ۱۵۹، ۹۲، ۶۶، ۴۴، ۴۳، ۳۱، ۲۸، ۱۷، ۱۷ اہل ایران - ایرانی

۱۰۲ برہمن

۴۹، ۴۷ بلوچ - بلوچی

۱۱۵ پارسی

۱۵۸، ۴۸ پٹھان

۶۰ (حضرات) تابعین

۵۶، ۴۶، ۴۵، ۲۶ - اشاعشری - اشاعشری جعفری

۱۷۹ اخاف

۲۷۱ آریں

۲۷ ازبک

۱۲۵ اصحاب صفہ

۳۰۹ اصحاب کہف

۲۳۱، ۲۳۰، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

۱۱۹، ۵۲، ۴۸ - ۵۰، ۴۳، ۳۱، ۲۸ افغان - افغانی

۲۸ آل بابر

۳۳ آل باعلوی - باعلوی حیدری

۱۹۱ آل کاشف الغطاء

۲۰۰ - ۲۰، ۱۶۵ - (حضرات) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

۲۷۱، ۲۳۲ - ۳۹، ۲۲۲ - ۲۰، ۱۱۷ - ۲۰، ۱۲۹، ۲۰۸
۳۱ - ۱۲۷۳

۴۹	سندی	۲۵	تاتاری
۵۸	سوری خاندان	۳۴۲/۲۶۴/۳۲	ترک - ترکی
۳۴۱/۱۴۹/۱۴۶	شافیہ - شوافع	۱۵۹	تورانی
۳۳۲	شاپان مغلیہ	۸۶/۸۵/۴۴/۴۶	تیموری
۲۵	شطاری	۲۱۱	جرمن
۲۸/۲۴	شیبانی	۲۰۰/۱۱۹۹	حکماء اخلاق
۳۸۵/۱۶۴/۹۸/۹۴/۴۵	شیعہ	۳۲۲/۳۲۵/۳۲۶/۳۲۵/۲۲/۲۱	خاندان مجددی -
۱۹۲/۱۹۰/۱۹۲/۶۴/۶۰ - (حضرات) صحابہ کرام		۳۸۵/۳۴۴/۳۴۶	
۳۴۹/۳۰۴/۲۴۳/۲۵۵		۴۴	خاندان نقشبندیہ
۲۴/۲۶	صفوی خاندان	۳۲۴/۲۵۹/۲۴۰/۱۱۲۴	خلفائے راشدین
۳۲۲/۲۶۴/۲۶۵/۲۴۸/۲۴۶/۲۴۲/۴۴ - صوفیاء		۱۰۱	راجپوت
۲۵	عباسی	۳۴۳	راجگان راجور
۳۴۲/۳۱/۲۶	عثمانی - آل عثمان	۳۴۶	روسی
۸۶/۸۵/۲۶	عثمانی ترک	۳۰۱/۵۲/۵۰/۴۸	روشنائی - فرقہ روشنائیہ -
۲۴۱/۶۴	عجمی	۳۰	سلاطین اسلام
۳۴۲/۳۵۳/۶۴/۶۶	عرب	۳۱	سلاطین آل عثمان
۸۲/۸۰	عیسائی	۳۰	سلاطین ترکی
۱۳۱	غزنی	۳۱	سلاطین صفوی
۲۴۵/۲۳۸/۲۲۳/۲۱۹/۲۱۳/۲۱۲ - فرقہ ملاک		۱۶۱	سلاطین مغل
۱۹۱/۴۵	فرقہ امامیہ	۲۵	سلاطین ملوک
۴۴	فرقہ ذکر	۳۶	سیاسی

۲۱۶	مشائی	۸۴/۸۱/۸۰	فرنگ
۱۲۹،۴۸-۵۰،۴۸	مغل-خاندان مغلیہ	۲۵۵	فقہائے اسلام
۳۳۲،۳۰۱/۳۰۰-۱۲۹۸/۱۵۹	لاحدۃ تشاخیہ-اہل زندق	۱۷۶	فقہائے حنفیہ
۶۶	ہندوی	۲۲،۱۲،۸۱۲،۴۰۲،۲۱۲،۱/۱۹۹،۱۹۷	فلاسفہ
۹۴،۵۷/۵۶	ہندوئی	۲۶۴،۲۱۵،۲۱۰،۱۲،۷۱۲	فلاسفہ یونان-۶۰۲
۴۹	ہندوئی	۱۲۳	قریش
۶۷،۶۶	نقطوی	۴۶	قرباش
۱۱۹،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۱،۵۱،۳۵	ہندو	۳۲	کاشت
۳۲۱-۲۳،۲۵۲/۱۳۱	ہندوستانی-اہل ہند	۳۷۱،۳۵۳	کرد-کردی
۵۰	ہندوستانی-اہل ہند	۲۸	لودھی خاندان
۳۶	ہندوئی	۱۷۶	مالک
۹۶	یوسف زئی	۳۲۹،۲۱۷	محمسی

کتابیات

۳۸	احیاء العلوم	قرآن مجید
۳۲۵	آداب عالمگیری	(الف)
۳۸۲،۱۲	ازالۃ الخفاء	آثار الصنادید
۱۳۶	اسرار التشفیر	اثبات النبوة
		احوال و آثار عبدالشرف یحییٰ قصوری



111

۱۳۵	تعرف	۱۳۲	تاریخ مبارک شاہی
۱۹	تعمیر حیات (اجبار)	۳۲۶	تاریخ مشائخ چشت
۴۰، ۳۱	تفسیر ابوالسعود	۳۲۵، ۳۲۳	تاریخی مقالات
۳۵۷، ۱۸۰	تفسیر بیضاوی	۱۹۱	تاریخ المذاهب الاسلامیہ
۴۰	تفسیر جلالین	۶۹، ۶۶	تاریخی و ادبی مطالعے
۴۷	تفسیر ذکر اثر	۵۸	تاریخ ہند (سید ہاشمی)
۳۶۶	التفسیر المنظہری	۹۴، ۵۶، ۳۲	تاریخ ہندوستان (ذکاء اللہ)
۴۸۳	تفصیل تجوید الاحوار	۳۲۸، ۳۲۱	تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ
۳۵۷	تلویح	۵۵	تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد)
۱۹۱	تلخیص الثانی	۳۵۹	تذکرہ آدمیہ
۲۱۱	تنقید عقل محض	۳۷۰، ۳۵۶، ۱۸۹	تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی
۷۷	تواریخ عہد اکبری	۳۷۳	تذکرہ بے مثل راجگان راجور
۸۱، ۸۰	توریت	۳۷۵	تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی
۱۳۵	توضیح الخواشی	۳۷۸	تذکرہ شاہ علم اللہ
۲۰۵، ۲۰۴	تہافت الفلاسفہ	۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۱، ۱۵۸، ۱۰۰، ۷۶، ۷۴	تزک جہانگیری
	(ث)	۳۱۹، ۱۶۹	
	الثقاة الإسلامیة فی الهند (اسلامی علوم و فنون)	۱۴۱	تزکیہ واحسان یا تصوف و سلوک
۳۳۲، ۱۴۷، ۱۴۲	ہندوستان میں	۱۶۱	التسویۃ
۱۳۹	ثلاثیات بخاری	۲۲۳	تصوف اسلام

۲۱۷	حکمت اسلام	۴۷	شائع مہدی
۲۱۶	حکمت الاشراف	(ج) (ج)	
۳۳۲	حل مشکلات ابن العربی	۱۸۵	جامع المجدین
۳۳۷	حیات شیخ عبدالحق	۲۶۶	جلال العینین
(خ)		۲۴۴، ۳۶	جواہر خمرہ
۳۲۶	خزینۃ الاصفیاء (مفتی غلام سرور)	۱۲۸	جواہر معصومی
۱۴۷	خلاصۃ الآثار	۲۴۴	جوہر دوم
۳۵۹	خلاصۃ المعارف	۳۱۲، ۷۴	چہل حدیث (مولانا جامی)
۵۱، ۵۰	خیر البیان	(ح)	
(۷)		۵۱	حال نامہ باریزید
۵۲	داتا گنکاران ہند	۵۱، ۵۰	حال نامہ پیر دستگیر
۲۱۶، ۳۲، ۳۱، ۱۰۰، ۵۰	دائرہ معارف اسلامیہ	۱۴۰، ۱۳۹	حدیث مسلسل
۳۲۳، ۳۲۲، ۲۷۲		۳۳۰	احیاء فی الاسلام
۱۲۶، ۶۷، ۶۵، ۵۱	دبستان مذاہب		
۹۸، ۹۵، ۹۲	دربار اکبری	۱۶۳، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۴۹، ۱۲۸	حضرات القدس
۳۵۳	الدرد المکنونات النفیۃ	۱۷۹ - ۱۸۱، ۱۷۷، ۱۷۵	
۳۷۰	الدرد المختار	۳۸۸، ۳۸۵، ۳۵۶، ۱۶۸	حضرت مجدد الف ثانی
۳۷۹، ۳۶۷ - ۶۹، ۳۶۴	درالمعارف	۱۰۴، ۱۷۳، ۱۷۰	حضرت مجدد اور ان کے ناقدین
۳۴۱، ۳۶۶	الدرد الفارغۃ	۴۸	اٹک (رسالہ)

۳۳۴	رموز بخودی (کلیات فارسی)	۱۵	الدعوة الاسلامیة فی الهند و تطوراتها (رسالہ)
۲۶۹	روح القدس (رسالہ)	۳۷۵	الدلائل
۳۵۳	روح المعانی	۳۷۶	دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
۳۶	رود کوثر	۲۱۱	دی ریکارکشن آف ملیخیز تھاٹ ان اسلام
۱۵۳-۵۵	روضۃ القیومیہ	۶۶	دین الہی اور اس کا پس منظر
	(ن)		(ذ)
۱۳۴، ۱۳۳، ۱۲۸-۳۱، ۳۹	زبدۃ المقامات	۴۷	ذکر الہی
۱۵۳، ۱۵۳، ۱۴۹-۱۵۱، ۱۴۷، ۱۴۰، ۱۳۶-۳۸		۴۷	ذکر توحید
۱۸۳، ۱۸۰، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۰، ۱۵۹		۴۷	ذکر کی کون ہیں؟
۳۶۸	زجاجة المصابیح	۳۶۱-۶۳، ۳۵۷	ذیل رشتات
۸۱، ۸۰	زبور		(س)
	(س)	۲۷۰، ۲۶۸	الرد الاقوم علی فصوص الحکم
۴۷	سفرنامہ مہدی	۳۸۵	رد ووافض
۵۹	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	۱۸۹	الرد علی المنطقیین
۱۲۸	سلسلۃ الأحرار	۳۷۰	رد المحتار
	سق الحسام الہندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی	۳۸۶، ۱۲۰	رسالہ تبلیغیہ
۳۷۲، ۳۷۰، ۱۸۳		۱۲۰	رسالہ رد مذہب شیعی
۱۸۵	سنن ابی داؤد	۲۷۳	رسالہ العبودیہ
۱۲۰، ۹۶	سواطع الإلهام	۲۴۲	رسالہ قشیریہ

۲۴۴/۱۳۹	صحاح - صحاح سنه	۳۸۳	سوانح احمدی
۱۸۰/۱۳۹، ۴۰/۱۳۹	صحيح بخاری	۳۸۲، ۳۴۸	سید احمد شهید (غلام رسول)
۲۹۱	صحيحین	۳۸۲، ۳۴۸، ۱۱۲۶	سیرت سید احمد شهید
۵۰/۱۳۹	صراط التوحید	۲۸۸	سوریز آف انڈین ٹریڈیشن
۲۹۰/۱۱۲	صراط مستقیم	(ش)	
۴۰	الصواعق المحرقة	۱۹۱	انشائی
۴۳، ۳۹	الضوء الملامع لأهل القرن التاسع	۱۴۸	شامی
(ط)		۱۶۰	شاه محمد غوث گوالیری
۱۱۹/۱۰۲	طبقات اکبری	۱۲۲، ۶۴	شاه نامہ فردوسی
۱۹۴	طلسم ہو شرابا	۳۸۶	شرح رباعیات
(ع) (غ)		۱۸۳	شرح در مختار
۳۶	العائقیہ	۳۵۴، ۲۷۷	شرح وقایہ
۳۲۵	عالمگیر نامہ	۳۴	شطرنجیہ (رسالہ)
۳۴۶	العرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السمرندی	۹۸، ۹۶	شعر العجم
۲۸۵، ۲۸۴، ۳۵	عشقیہ (رسالہ)	۱۳۹	شمال تزدی
۲۴۱	العصب الہندی		
۳۵۴، ۱۳۹	عصدی	۳۴۱	شیخ احمد سمرندی ابن آوٹ لائن
۳۵۳	عطیۃ الوباب لفافۃ فی الخط والاصواب	(ص) (ض)	
۱۸۰/۳۸	عوارف الخوارف	الصارم الہندی فی جواب سئال عن کلمات	
۲۴۳، ۱۱۵	عوارف المعارف	۳۴۵، ۳۴۱	السمرندی

۳۵۱۳۳	کلید مخازن	۲۴۳	غنیۃ الطالبین
۳۷۵۱۳۳۱۳۰	کنز العمال	(ق ق)	
۳۶	کنز الوحدة	۳۲	فتاوی تاتارخانی
۱۳۶	کنوز المحتائق	۳۳۲، ۳۲	فتاوی عالمگیری (فتاوی ہندیہ)
۲۶۶	کنہ المحکم المربوط	۳۲	فتاوی قاضی خان
۹۷	الکواکب السائرہ	۳۹	فتح اباری
۳۲۱۱۹۴	کیمبرج ہسٹری آف انڈیا	۳۹	فتح المعبیث بشرح ألفیۃ الحدیث
۱۳۲	گلزار ابرار	۳۲۵	فتوحات عالمگیری
۱۳۴	لطائف قدوسی	۲۷۰، ۲۶۶، ۲۶۲، ۲۵۲	فتوحات کبیر
(م)		۱۶۴، ۱۵۱، ۱۴	الفرقان (رسالہ)
۱۰۰، ۱۹۷، ۱۹۰، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۶۹، ۱۴۶	آثار الامراء	۲۷۰، ۲۶۸	الفرقان بین الحق والباطل
۳۵۰، ۲۹۳، ۱۰۵		۲۶۶، ۲۶۳، ۲۵۱، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۷	فصوص الحکم - ۲۷۰، ۲۶۸
۳۶۲، ۳۲۸	آثر عالمگیری	۱۹۷	فوائد عجائب
۳۶۶	مالا بدینہ	۳۴۷، ۳۳۲، ۳۳۱	فتح الزند
۲۸۷، ۲۸۶	مبدأ و معاد	(ک ک ل)	
۹۴، ۶۹، ۶۸، ۶۵	مبلغ الرجال	۳۵۱، ۳۵۰	کاسر المتعافین
۵۷	مجمع بحار الانوار	۲۴۲	کتاب الملح
۳۸۳	تیموع رسائل تسعہ	۳۸۶	کشف الغیب فی شرح رباعیتین
۳۷۰	تیموع رسائل زین عابدین	۲۴۲	کشف المحجوب

٩
واقعات مشتاق
وحدۃ الوجود (رسالہ)

مقام

۱۵۶	الربا	۲۹۲، ۱۶۰، ۱۶۹، ۴۳، ۴۲، ۶۳، ۴۶	اجیر -
۲۶۴	امروہ	۷۲	اجودھن
۲۶۴، ۳۸	انبالہ	۵۷	اجین
۱۲۵	اندلس	۲۹۴	اچ
۴۰	انہلواریہ	۳۰۸، ۵۳، ۳۳	احمدآباد
۲۷۹، ۳۸	اودھ	۶۷، ۵۶، ۵۳، ۴۵، ۳۹	احمدنگر
۳۵۰، ۳۴۷	اورنگ آباد	۳۷۱	اربل
۷۷، ۶۷، ۶۷، ۶۳، ۶۵، ۴۰، ۳۶، ۳۱، ۲۵، ۲۹ - ایران		۱۲۵	اسپین
۳۷۶، ۴۲، ۴۲، ۴۰، ۳۶، ۳۶، ۳۱، ۱۹، ۱۹، ۱۹، ۱۸، ۱۶		۶۶، ۴۲	استرآباد
۷۶، ۲۵	ایشیا	۲۵	آسٹریا
	(ب)	۲۱، ۴۳	اسکندریہ
۳۷۴، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۵۸، ۳۳، ۲۷	بخارا	۱۵۶، ۳۱	اصفہان
۱۵۶، ۱۵۴، ۳۳، ۲۸	بدخشان	۵۲، ۴۴، ۴۷، ۳۲، ۳۱، ۲۸، ۲۷، ۲۰، ۱۹	افغانستان -
۱۵۵	برک	۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰	
۱۵۵	برہانپور	۲۵	افریقہ
۳۶۷	بریلی	۱۴۰	اکبرآباد
۳۷۱، ۳۶۷، ۳۶۳، ۳۶۲	بغداد	۳۳۳	آکسفورڈ
۶۸، ۶۳	بلخ	۴۸	اکوڑہ خشک
۲۹۲	بکھر	۲۹۴، ۳۷۲، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵	آگرہ -

۳۴۱	عمادیہ	۶۷	شیراز
۳۴۱	جنتاب	(ص)	
	(غ)	۳۸۴	صادق پور (پٹنہ)
۳۶۷۱۳۰۸۱۳۰۱	غزنی	۳۷۳	صوبہ جات متحدہ
	(ف)	۳۳	صنعا
۲۹۳۱۱۱۰۱۹۹۱۷۳	فتحپور سیکری	(ط)	
۳۰۴	فرید آباد	۱۵۴	طالقان
۱۳۱	فیروز پور	۳۴۱	طائف
	(ق)	۳۳	طنطا
۳۷۲	قاسیون	(ع)	
۱۵	قاہرہ	۳۷۲۳۳۲۱۳۰۱۲۲-۲۵۱۲۰۱۱۹	عالم اسلام
۲۵	قبرص	۲۴۴۱۱۸۹۱۱۸۶۱۶۳۱۶۲	
۱۴۸	قدم رسول (دہلی)	۳۸۱۱۳۷۵۱۳۶۹۱۳۶۷۱۱۸۳۱۱۵۶۱۱۲۲	مجم
۳۷۰	قرہ داغ (قصبہ)	۱۸۴۱۱۸۳۱۱۴۴۱۱۴۰۱۳۲۱۲۷۱۲۵۱۲۰	عراق
۳۷۴	قرآن	۳۶۹۱۳۶۸۱۳۶۱۱۳۵۴۱۲۷۱	
۲۶	قسنطنیہ	۲۴۴۱۲۴۰۱۱۸۳۱۱۵۶۱۱۲۲۱۶۲۱۲۵	عرب
۳۷۷	قصبہ ٹنڈہ سائیں داد	۳۷۹۱۳۷۶۱۳۷۵۱۳۷۲۱۳۶۹۱۳۶۷۱۳۴۲۱۳۴۱	
۳۷۳	قصبہ موسیٰ زئی	۳۶۷	عظیم آباد
۳۶۷۱۵۴۱۲۸۱۲۷	قندھار	۶۶۱۶۵۱۲۲	علی گڑھ

۳۷	گرد گازه	کابل - ۱۵۶۱۱۴۴۱۱۳۰۱۱۲۹۰۴۹۱۴۶۱۲۸۱۲۷	ک
۵۴	گلبرگ	۳۷۷۱۳۷۶۱۳۶۷۱۳۶۴	
۱۵۶۱۱۱۱۱۱۰	گنگا	۱۵۴	کاشغر
۲۹۵۱۱۶۵۱۱۶۳۱۱۶۲۱۱۶۰۱۱۵۷	گوالیار - ۱۵۷	۵۰	کالایانی
۳۱۸۱۳۱۷۱۳۰۲		۱۴۷۱۹۶۱۹۲	کاپی
۳۶۷	گورکھپور	۹۶	کالنجر
۲۹	گوکندره	۱۶۹	کانگره
۴۲	گیلان	۲۸۵ - ۸۷۱۳۵۶۱۱۶۰	کراچی
	ل	۲۶	کر بلا
۱۵۵۱۱۵۳۱۱۴۵۱۱۴۴۱۱۳۹۱۱۱۰۱۱۲۶	کاشور - ۱۵۵	۳۵۴۱۱۸۴۱۱۸۳	کردستان
۲۴۶۱۳۳۳۱۳۲۶۱۲۹۰۱۲۴۲۱۱۶۲۱۱۶۱		۳۶۷۱۳۲۱۱۱۴۴۱۱۳۹۱۴۵	کشیر
۲۸۶۱۳۸۵۱۳۷۶۱۳۷۰۱۳۶۷۱۳۵۹		۳۷۱	کرکوک
۲۸۰	کشمیر	۱۰۸	کوکن
۳۸۸۱۳۶۷	کشمیر	۳۸	کیتقل
۳۵۱۱۳۴۲۱۳۳۵	لندن		گ
	م	۲۴۴۱۱۰۵۱۵۷۱۵۳۱۴۰۱۳۶۱۲۹	گجرات - ۲۴۴
۱۴۷	مارہرہ	۳۵۰۱۳۰۸۱۳۰۳۱۲۹۴	
۴۲	مازندران	۳۷۳	گرداسپور
۳۲	مالابار		

۳۵۳	مالک عربیہ	۵۳، ۳۴	مانڈو
۳۷۱	موصل	۱۵۶	مانکیپور
۳۸۰	مونگیر	۳۵۸، ۱۵۶، ۱۴۴، ۱۲۷	ماوراء النہر
۴۶	موہان	۳۵۱	مانٹریال
۳۷۳	میانوالی	۱۰۲	متھرا
	(ن) (و)	۳۶۸، ۲۶۲	مدراں
۳۸۵-۸۷	ناظم آباد (کراچی)	۳۵۱، ۳۴۲، ۳۳۰، ۱۵۱، ۱۴۴، ۱۵	مدینہ منورہ -
۳۱، ۲۶	نجف	۳۷۹، ۳۷۷، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۶۹، ۳۵۹	
۶۹	نصر آباد کاشان	۲۵	مراکش
۳۸۱	نظام الدین (دہلی)	۳۷۶، ۲۵	مشرق وسطی
۴۲	نیشاپور	۳۱	مشہد (طوس)
۴۰	نہروالا (انہلوڑہ - پٹن)	۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۰، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۲۵، ۱۱۵، ۱۱۱	مصر -
۳۷۳	واں بچیراں	۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰	
	(۵)	۳۶۷، ۳۳۲	
۷۳	بانسی	۲۷۱، ۲۱۱	مغرب
۱۱۰	ہردوار	۳۷۳	مکان شریف
۳۱۲	ہردوئی	۳۴۱، ۱۰۵، ۷۵، ۴۳، ۴۰، ۳۱	مکہ مکرمہ -
	ہرات -	۳۷۹، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱	
۳۲، ۳۳، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱		۳۶۷، ۳۵۸	مستان

متفرقات

قلعے، پہاڑ اور دریا:

حنا

چٹاب

فقیہوں کی

قلوبكم

قلعہ جواد

قلمرو فیروزی

111

111

99/44

199

124

قلوب کا گمراہ

149

قلعہ گولیار ۶۷/۱۲۲/۱۶۰-۶۷/۱۲۲/۱۶۵

قطر وانزو

חז

کودک

7

کوہ سلیمان

FILED



PA-4104111/11.

سوسائٹیاں تعلیمی ادارے اور درسگاہیں:

۳۸۶	ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
۴۱، ۱۵	جامع ازہر، قاہرہ
۱۵	جامعہ اسلامیہ - مدینہ منورہ
۴۹	جامعہ پنجاب
۴۸	دارالعلوم تربیت - بلوچستان
۳۷۷، ۳۷۵	دارالعلوم دیوبند
۱۱	دارالعلوم ندوۃ العلماء - لکھنؤ
۳۷۶	رابطہ عالم اسلامی - مکہ مکرمہ
۱۸۱	محکمہ اوقاف پنجاب
۲۶۲	مدرس یونیورسٹی
۷۳	مدرسہ خیر المنازل، دہلی
۶۶، ۶۵، ۲۲	مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ
۳۷۴	منظار علوم، سہارنپور
۳۵۱	میکگل یونیورسٹی - انٹرمیڈیٹ

علوم و نظریات:

۱۸۰، ۱۳۹، ۱۳۵	اصول فقہ
۱۳۹	تفسیر

سلطنتیں، عہد حکومت اور دربار:

۳۷۶	افغانی حکومت
۹۹، ۸۵، ۲۸	تیموری سلطنت
۹۲، ۹۱، ۷۷، ۶۹، ۴۲	دربار اکبری
۳۱۰	دربار چانگیری
۵۸	سلطنت اموی
۴۵، ۲۵	سلطنت ایران
۲۱، ۵۸	سلطنت عباسی - عباسی خلافت
۲۶، ۲۵، ۱۵، ۸۵	سلطنت عثمانیہ - خلافت عثمانیہ
۷۸، ۷۵، ۵۸، ۵۲، ۴۸، ۲۸	سلطنت مغلیہ
۳۵۲، ۳۰۸، ۳۰۳، ۳۰۱، ۳۰۰	
۳۱	شیعی سلطنت
۶۳، ۲۷، ۲۶	صفوی حکومت
۱۸۶، ۱۹۸، ۱۹۱، ۱۸۸، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹	عہد اکبری
۳۰۲ - ۳۰۵، ۲۹۴، ۲۹۲، ۲۹۱	
۳۱۲، ۳۰۲، ۲۹۱	عہد چانگیر
۲۵۹، ۲۵۷، ۲۵۳	عہد رسالت - عہد نبوت
۳۲۳، ۲۱	عہد سلطنت عالمگیر - عہد عالمگیری
۳۵۱، ۳۴۹	

حدیث شریف	۲۶۸/۲۴۴/۱۳۹	منطق	۲۲۲/۲۲۱/۱۳۹/۶۴
علم الاصنام	۲۰۴	نظریہ ارتقاء	۶۵
علم صرف	۲۶۱	نظریہ تطبیق	۲۱۶
علم کیمیا	۳۴	نظریہ نور	۲۱۶
علم کلام	۱۳۹	علمی و شرعی ادارے اکیڈمیا اور مطابع:	
علم نحو	۲۶۱	اداریہ سعودیہ مجددیہ - لاہور	۳۸۶/۳۸۵
علوم عقلیہ	۱۴۰	ادارۃ مجددیہ - کراچی	۳۵۶
علوم نبوت	۳۱۲	انجمن ترقی اردو - دہلی	۲۱۱
علوم نقلیہ	۱۴۰	دارالمؤرخین - لاہور	۳۴۶
فقہ	۱۸۰/۱۳۵	وشق اکیڈمی	۳۴۲
فقہ حنفی	۳۳۱	سہیل اکیڈمی - لاہور	۳۷۰
فلسفہ - ۲۷۴/۲۴۴/۱۳۹/۱۸۹/۱۹۹/۲۷۴/۲۷۴/۲۷۴/۲۷۴		مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بکھنؤ	۲۱
	۳۲۲/۲۶۲/۲۴۵/۲۴۴/۲۲۲/۲۱۲	مجلس علمی ڈابھیل	۳۸۶
فلسفہ جدیدہ	۲۱۱	مطبع احمدی - رامپور	۳۸۸/۳۸۶/۳۸۲
فلسفہ ذوقیہ (اشراقیہ)	۲۱۶	مطبع انصاری - دہلی	۳۸۶
فلسفہ مشائخہ	۲۱۶	مطبع مجتہائی - دہلی	۳۸۶/۳۸۱
مسئلہ دیدار الہی	۸۳	مطبع مرتضوی، دہلی	۳۸۸
مشاکلام	۸۳	المطبعہ البیروتیہ بمکتہ المحیۃ	۳۶۱
مفتوات	۳۸۲	مطبع نوکشنور بکھنؤ	۳۸۸/۱۰۰

۱۹	باطنیت	۲۷۳	المکتب الاسلامی - دمشق
۱۸۷	برہمنیت	۲۹۰	مکتبہ سلفیہ - لاہور
۲۲۴، ۱۸۸	جوگ	۲۶۴	ندوۃ المصنفین - دہلی
۳۸۴	جماعت مجاہدین - چرند	کتاب خانے اور لائبریریاں:	
۱۵	جمعیتہ الشبان المسلمین - قاہرہ	۳۲۵	انڈیا آفس لائبریری - لندن
۱۲۷	چشتیت	۳۲۵	برٹش میوزیم - لندن (کتاب خانہ)
۱۹	(حلقہ) پیام انسانیت (لکھنؤ)	۳۲۱	خدا بخش خاں لائبریری - پٹنہ
۱۹، ۱۱-۵-۷، ۱۰-۱۷۱	دین الہی - دین اکبر	۳۸۵-۸۷	کتاب خانہ ادارہ مجددیہ - کراچی
۲۶	ذکر عقیقہ	۳۲۲، ۳۲۱	کتاب خانہ آصفیہ
۳۰۱	روشنائے	۲۶	کتاب خانہ جامعہ پنجاب
۲۲۴، ۱۸۸	سنیاس	۳۲۲، ۳۲۱	کتاب خانہ ندوۃ العلماء - لکھنؤ
۷۹	سوفسطائیت	۶۵	مولانا آزاد لائبریری - علی گڑھ
۶۸، ۶۴، ۶۳، ۶۵، ۶۹	شیعیت - مذہب شیعہ	مذہب ادیان عقائد و فلسفے اور تحریکات:	
۸۱	عقیدہ تثلیث	۳۷۶	اختر اکیت
۱۰۷	عقیدہ تنازع	۲۱۷، ۲۱۴، ۱۹۷-۹۹	اشراق - اشراقیت
۲۱۵، ۱۸۱	عیسائیت - مسیحیت	۱۹۴	اشراقی تصوف
۲۵	عیسوی پاپائیت	۲۱۵	اشراقیت جدید و قدیم
۱۶۱، ۲۶	عنیت	۱۹۲	افلاطونیت جدیدہ
۷۹	لاادریت	۲۰۵، ۲۰۴، ۱۹۷	الہیات
		۱۹۲	ایرانی فلسفہ

۳۶	هند و یوگا	۲۶۰	محل میلاد
۲۴۴، ۲۱۰، ۲۰۲، ۱۹۲	یونانی فلسفه	۳۱۱، ۱۰۲، ۳۹، ۳۲، ۳۱، ۲۹	مذهب حنفی
طرق و سلاسل سلوک و تصوف:		۲۶۹	مذهب ظاهری
۱۴۷	سلسله ابوالعلائی	۱۶۱	مساوات
۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۲۸۹	سلسله احنیه مجریه	۱۹۲	مصری اشراقیت
۳۸۲، ۳۸۱		۳۲، ۵۹، ۵۶، ۵۲	هندویت - مذهب هندوئی
۲۸۹	سلسله آدمیه	۳۶۵، ۱۹، ۱۱	ندوة العلماء - لکھنؤ
۱۳۶، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۳۶، ۱۳۴، ۱۳۳	سلسله چشتیه	۸۲	نصرانیت
۳۴۶، ۳۲۶، ۲۷۱، ۱۴۲		۱۸۹، ۶۹، ۶۷، ۶۶، ۶۴	نقطوی تحریک
۲۷	سلسله چشتیه صابریه	۱۸۷، ۷۱، ۲۰	وحدت ادیان
۲۷۱، ۳۳	سلسله صابریه	۱۸۸، ۱۸۶، ۱۵	وحدۃ الشہود - توحید شہودی
۳۷، ۳۴، ۳۳	سلسله عشقیه شطاری	۲۸۸، ۲۸۳، ۲۸۰، ۲۷۵، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۶۲، ۲۶۱	
۱۴۲، ۱۳۴ - ۳۶، ۳۸، ۳۳	سلسله قادریه	۳۳۶، ۲۸۹	
۲۵۴، ۲۴۷، ۲۸۹، ۱۸۳، ۱۴۸	سلسله مجددیه	۲۵، ۲۴، ۲۰، ۱۵	وحدۃ الوجود - توحید وجودی
۳۷۷، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۶۷		۱۹۰، ۱۸۸، ۱۸۶، ۱۶۱، ۱۳۴، ۱۸۹، ۵۱، ۳۸، ۳۷	
۳۶۰	سلسله مجددیه معصومیه	۲۷۰ - ۷۷، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۱، ۲۴۴	
۱۴۳، ۱۳۶، ۱۴۶، ۱۲۷	سلسله مجددیه نقشبندیه	۳۴۶ - ۳۸، ۳۳۶، ۳۳۲، ۲۸۷ - ۸۹، ۸۷، ۸۴	هندوتائی اشراقیت
۳۴۵، ۳۳۵، ۳۰۸، ۲۷۶، ۱۴۷ - ۵۰، ۱۴۴		۱۹۲	هندو فلسفہ
۳۸۴، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۳، ۳۶۸، ۳۵۸، ۳۵۳		۳۲۲	
		۱۰۸	هندو مذهب

۲۱۲	حکمت	۳۴	سلسلہ داریہ
۲۴۵	دعاء شیخ	۳۳	سلسلہ نظامیہ
۱۳۴	سکرو شورش	۲۸۰	سلسلہ ولی اللہیہ
۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۳	سنت	۳۶	طریقہ چشتیہ شطاریہ
۲۹۹، ۲۹۵، ۲۸۴، ۲۵۶، ۲۴۵، ۱۸۸	شرعیات	۳۸	طریقہ قلندریہ
۳۲۷، ۳۲۰، ۲۲۱، ۳۱۶، ۳۱۴، ۳۱۰، ۳۰۶، ۳۰۰		۲۷۲، ۱۳۹	طریقہ کبرویہ
۳۵۹، ۳۵۲، ۳۳۱		نہی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ و رسوم:	
۲۴۴	صلوٰۃ العاشقین	۷۵	احرام
۳۷	صلوٰۃ معکوس	۱۳۴	استغراق
۱۸۸	طریقیت	۲۰۹، ۱۹	اشراق
۱۰۱	تشفہ (رسم اکبر)	۲۵۸-۶۰، ۱۲۵۳	بدعت
۲۳۰، ۲۰۹	نبوت	۱۸۶	بدعت حسنہ
۱۴۷	نقشبندیہ	۱۸۶	بدعت سیئہ
۲۴۴	نماز احزاب	۲۰۱	بعثت
۲۴۴	نماز تنویر القبر	۱۰۱	بھدر اکروانا (رسم اکبر)
۱۳۴، ۸۹	وجد و سماع	۲۶۲، ۲۴۵، ۲۱۵، ۱۸۰، ۱۵۸، ۱۴۶	تصوف
	زبان:	۳۲	تعزیه
۵۱	پشتو	۳۲۹، ۱۱۴	جشن نوروز
۳۸۷	ترکی	۱۰۱	جھروکا درشن (رسم اکبر)

[illegible]

دیگر منققات:

۲۹۳	افیون	کعبه - بیت الشریف - ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۴۲
۵۹	چراغ سلیمان	۳۲، ۱۳۴، ۱۳۵
۴۲	درس نظامی	۳۰
۱۶۳	سنت یوسفی	غلاف کعبه
۳۲۲، ۳۲۱، ۵۴	طاعون	